جلد چہارم

شعر العجم

۱۳۴۱ھ

اس حصہ مین تفصیل کے ساتھ بتایا ہی کہ ایران کی آب وہوا، اور تمدن، اور دیگر اسباب نے شاعری پر کیا اثر کیا، اور کیا کیا تغیرات پیدا کیے، اسکے ساتھ ہر دور کے خصوصیات کی تشریح اور شاعری کے تمام انواع پر مفصل تقریظ اور تنقید ہے،

مؤلفہ

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈہ

تمر کانپوریہ سنہ ۱۹۲۳ء قلمی نمود

طبع سوم

کتبخانہ دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اول طبع دوم تقطیع خرد ۲ (للعہ)

ایضاً حصہ دوم طبع اول تقطیع کلان عہ (معہ)

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف و طرز حکومت ۲

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور اونکا فلسفہ، ۸ عا

سیرۃ النعمان، امام اعظم کے حالات اور اونکی فقہ پر تبصرہ عہ

المامون، خلیفہ مامون رشید کے حالات اور اوسکی سلطنت
دربار اور علمی کارناموں کی تفصیل، عہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری
کا آغاز اور قدما کا دور صفحات ۲۵۸ ہے

ایضاً حصہ دوم، خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ اور
ابن یمین تک، صفحات ۲۳۰ عا

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین صفحات ۲۳۰ عا

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو

ایضاً حصہ پنجم، اصناف شاعری پر ریویو، عا

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن
اسلامی پر عربی میں ریویو،

سفرنامہ مصر و شام، مطبوعہ معارف، ۶

موازنہ انیس و دبیر، میر انیس کی شاعری کے محاسن، ہے

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات
اور اون کے جوابات، عہ، عہ، ۱۲ر

رسائل شبلی، مولانا کے ۱۲ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، عہ

مجموعۂ کلام شبلی، اردو، ۱۲ر

مثنوی صبح امید، اردو، ۴ر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورۂ تحریم، جدید طرز پر عربی میں قرآن مجید کی تفسیر ۴ر

تفسیر سورۂ قیامہ، " " ۴ر

تفسیر سورۂ والشمس، " " ۴ر

تفسیر سورۂ والکفرون، " " ۴ر

تفسیر سورۂ والعصر، " " ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمعیل
کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پر زور رسالہ، ۱۰ر

اسباق النحو، سہل طرز پر عربی گرامر، اردو، ۵ر

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر، ۱۲ر

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان میں امثال سلیمان
کا ترجمہ، ۴ر

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم میں، ۲ر

دیوان الفیض، ہندوستان کے مایۂ ناز استاد ادب

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
	باب اول	
۱	شاعری کی حقیقت	۱
۲	شاعری کے اصلی عناصر کیا ہین	۷
۳	محاکات یعنی شاعرانہ مصوری کی تعریف	۹
۴	تخیل کی حقیقت،	۱۲
۵	محاکات کی تکمیل کن چیزون سے ہوتی ہے،	۱۵
۶	تخیل کی تفصیلی بحث،	۳۱
۷	تخیل کا مواد	۴۹
۸	تخیل کی بے اعتدالی	۵۳
۹	تشبیہ اور استعارہ	۶۱
۱۰	جدت اور لطف ادا	۶۸
۱۱	حسن الفاظ	۷۲
۱۲	الفاظ کی نوعیتین اور اون کا اثر	۷۶
۱۳	معنی کے لحاظ سے الفاظ کا اثر۔	۸۱
۱۴	فصیح اور مانوس الفاظ	۸۵
۱۵	سادگی ادا۔	۸۷
۱۶	جملون کے اجزا کی ترکیب	۹۱
۱۷	واقعیت اور اصلیت	۹۲
۱۸	شعر کیون اثر کرتا ہے۔	۱۰۱
۱۹	شاعری کا استعمال۔	۱۰۴
۲۰	شاعری اور شاعری کی عزت	۱۰۹
	باب دوم	
۲۱	ایران مین شاعری کیونکر پیدا ہوئی	۱۱۴
۲۲	شاعری کی تدریجی رفتار	۱۲۰
۲۳	قدما صحت الفاظ کی پروا نہین کرتے تھے	۱۲۶
۲۴	تشبیہات کی سادگی	۱۲۸
۲۵	عاشقانہ خیالات مین سادگی	۱۳۰
۲۶	عربی شاعری کا اثر	۱۳۳
۲۷	عرب کے مضامین کا ترجمہ اور سرقہ	۱۴۱
۲۸	فارسی شاعری کا اثر عرب پر	۱۴۶
۲۹	نظام حکومت کا اثر شاعری پر	۱۵۱
۳۰	شاعری کی شکایت	۱۶۶
۳۱	بدنسلی کا اثر شاعری پر	۱۷۱
۳۲	شخصی اور خودمختارانہ حکومت کا اثر	۱۷۶

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳	فوجی زندگی کا اثر	۱۸۲	۵۱	شاہنامہ سے پہلے کی مثنویاں	۲۵۰
۳۴	ترکوں کے معشوق ہونے کا اثر	۱۹۰	۵۲	مثنوی کے حسن کے شرائط	۲۵۲
۱۳۵	فوجی زندگی کا اثر زبان پر	۱۹۵	۵۳	شاہنامہ پر تفصیلی ریویو	۲۵۶
۳۶	فوجی حالت کا تنزل اور اوسکا اثر			شاہنامہ کی تاریخی حیثیت۔	۵۶
	شاعری پر	۱۹۹	۵۴	شاہنامہ ایران کی ایک جامع	۲۶۵
۳۷	اس تنزل کا اثر زبان پر	۲۰۵		انسائیکلوپیڈیا ہے۔	
۳۸	اختلاف معاشرت کا اثر شاعری پر	۲۱۰	۵۵	شاہنامہ اور انتظام حکومت	״
۳۹	ہندوستان کی خصوصیت	۲۱۲	۵۶	تہذیب و تمدن	۲۶۸
۴۰	آب و ہوا اور مناظر قدرت کا اثر	۲۱۵	۵۷	فن جنگ	۲۷۳
	باب سوم		۵۸	ضمنی اور مفید معلومات	۲۷۶
۴۲	فارسی شاعری پر اجمالی ریویو	۲۲۵	۵۹	شاہنامہ اور کیرکٹر	۲۸۶
۴۳	عربی اور فارسی شاعری کا فرق	۲۲۵	۶۰	حکمت اور اخلاق	۲۹۶
۴۴	لطافت الفاظ۔	۲۲۸	۶۱	موعظت اور سیاست	۳۰۲
۴۵	حسن ترکیب الفاظ۔	۲۳۱	۶۲	آزادی رائے	۳۰۵
۴۶	لطافت خیال۔	۲۳۴	۶۳	عورتوں کی قدر و منزلت۔	۳۱۱
۴۷	بدیع الاسلوبی	۲۴۱	۶۴	شاہنامہ اور مذہب	۳۱۸
۴۸	فارسی شاعری پر تفصیلی ریویو	۲۴۵	۶۵	شاہنامہ اور فن بلاغت	۳۲۳
۴۹	شاعری کی انواع	۲۴۵	۶۶	جذبات	۳۲۸
۵۰	مثنوی پر ریویو	۲۴۷		——— • ———	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیثِ دلکش وافسانہ از افسانہ می خیزد ——— دگر از سر گرفتم قصۂ زلفِ پریشان را

(شبلی)

شعر العجم کا یہ چوتھا یعنی اخیر حصہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگلے تینون حصے اسی حصہ کے دیباچے اور تمہید تھے، اس حصہ مین ایران کی عام شاعری پر تنقید ہے اسلئے جو بحثین اگلے حصون مین ناتمام رہ گئی تھین، اُن کو اب تفصیل سے لکھتا ہون، یہ حصہ تین فصلون پر منقسم ہے،

۱- شاعری کی حقیقت اور ماہیت،

۲- فارسی شاعری کی عام تاریخ اور تمدن اور دیگر اسباب کا اثر،

۳- تقریظ و تنقید،

شاعری کی حقیقت، شاعری چونکہ وجدانی اور ذوقی چیز ہے اسلئے اسکی جامع و مانع تعریف چند الفاظ مین نہین کی جاسکتی، اس بناپر مختلف طریقون سے اسکی حقیقت کا سمجھانا زیادہ مفید ہوگا کہ ان سب کے مجموعہ سے شاعری کا ایک صحیح نقشہ پیش نظر ہوجائے،

خدا نے انسان کو مختلف اعضا اور مختلف قوتین دی ہین، اور ان مین سے ہر ایک کے فرائض اور تعلقات الگ ہین، ان مین سے دو قوتین تمام افعال اور ارادات کا سرچشمہ ہین، ادراک اور احساس، ادراک کا کام اشیاء کا معلوم کرنا، اور استدلال اور استنباط سے کام لینا ہے، ہر قسم کی ایجادات تحقیقات، انکشافات، اور تمام علوم وفنون اسی کے نتائج عمل ہین،

احساس کا کام کسی چیز کا ادراک کرنا، یا کسی مسئلہ کا حل کرنا، یا کسی بات پر غور کرنا اور سوچنا نہین ہے، اسکا کام صرف یہ ہے کہ جب کوئی موثر واقعہ پیش آتا ہے، تو وہ متاثر ہو جاتا ہے، غم کی حالت مین صدمہ ہوتا ہے، خوشی مین سرور ہوتا ہے، حیرت انگیز بات پر تعجب ہوتا ہے، یہی قوت جسکو احساس، انفعال، یا فیلنگ سے تعبیر کر سکتے ہین، شاعری کا دوسرا نام ہے، یعنی یہی احساس جب الفاظ کا جامہ پہن لیتا ہے تو شعر بن جاتا ہے،

حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو مختلف قسم کی آوازون یا حرکتون کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے

مثلاً شیر گونجتا ہے، مور چنگھاڑتے ہین، کویل کوکتی ہے، طاؤس ناچتا ہے، سانپ لہراتے ہین، انسان کے جذبات بھی حرکات کے ذریعے سے ادا ہوتے ہین، لیکن اسکو جانورون سے بڑھکر ایک اور قوت دی گئی ہے یعنی نطق اور گویائی، اسلئے جب اسپر کوئی قوی جذبہ طاری ہوتا ہے تو بے ساختہ اسکی زبان سے

موزون الفاظ نکلتے ہین اسی کا نام شعر ہے،

اب منطقی پیرایہ مین شعر کی تعریف کرنا چاہین تو یون کہہ سکتے ہین کہ "جو جذبات الفاظ کے ذریعہ سے ادا ہون وہ شعر ہین"، اور چونکہ یہ الفاظ، سامعین کے جذبات پر بھی اثر کرتے ہین یعنی سننے والون پر بھی وہی اثر طاری ہوتا ہے جو صاحب جذبہ کے دل پر طاری ہوا ہے اسلئے شعر کی تعریف یون بھی کرسکتے ہین کہ جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اور ان کو تحریک مین لائے وہ شعر ہے،

ایک یورپین مصنّف لکھتا ہے کہ "ہر چیز جو دل پر استعجاب، یا حیرت، یا جوش یا اور کسی قسم کا اثر پیدا کرتی ہے شعر ہے" اس بنا پر فلک نیلگون، انجم درفشان، نسیم سحر، گلگونۂ شفق، تبسم گل، خرام صبا، نالۂ بلبل، ویرانی دشت، شادابی چمن، غرض تمام عالم شعر ہے، یہ آج کل کا خیال ہے لیکن عجیب بات ہے کہ حضرت خواجہ فرید الدین عطار نے آج سے چھ سو برس پہلے کہا تھا، ؏

پس جہان شاعر بود چون دیگران

جو چیزین دل پر اثر کرتی ہین، بہت سی ہین، موسیقی، مصوّری، صنعتگری وغیرہ لیکن شاعری کی اثرانگیزی کی حد سب سے زیادہ وسیع ہے، موسیقی صرف قوت سامعہ کو محظوظ کرسکتی ہے سامعہ نہ ہو تو وہ کچھ کام نہین کرسکتی، تصویر سے متاثر ہونے کے لئے بینائی شرط ہے، لیکن شاعری تمام حواس پر اثر ڈال سکتی ہے، باصرہ، ذائقہ، شامہ، لامسہ، سب اس سے لطف اُٹھا سکتے ہین، فرض کرو

شراب آنکھون کے سامنے نہین ہے اسلئے آنکھ اسوقت اس سے حظ نہین اُٹھا
سکتی لیکن جب ایک شاعر، اسکو آتش سیّال سے تعبیر کرتا ہے تو ان الفاظ
سے ایک مؤثر منظر آنکھون کے سامنے آجاتا ہے، اسیطرح بوسہ کو شاعرانہ انداز P. 101.
مین تنگ شکر کہدیتے ہین تو کام و زبان کو مزہ محسوس ہوتا ہے،

کسی[1] چیز کی حقیقت اور ماہیت کے تعیّن کرنے کا آسان علمی طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسکا کوئی نمایان وصف لے لیا جائے پھر یہ دیکھا جائے کہ اس وصف مین اور کیا کیا چیزین اسکے ساتھ شریک ہین، پھر اُن صفات کو ایک ایک کرکے متعین کیا جائے جن کیوجہ سے یہ چیز اپنی اور ہم جنس چیزون سے الگ اور ممتاز ہوگئی ہے،

اسقدر سب تسلیم کرتے ہین کہ شعر کا نمایان وصف جذبات انسانی کا برانگیختہ کرنا ہے یعنی اسکو سنکر دل مین رنج، یا خوشی، یا جوش کا اثر پیدا ہوتا ہے، یہ خصوصیت، شاعری کو سائنس اور علوم وفنون سے ممتاز کردیتی ہے، شاعری کا تخاطب جذبات سے ہے اور سائنس کا یقین سے، سائنس، استدلال سے کام لیتا ہے اور شاعری محرّکات کو استعمال کرتی ہے، سائنس عقل کے سامنے کوئی علمی مسئلہ پیش کرتا ہے، لیکن شاعری احساسات کو دلکش مناظر دکھاتی ہے، لیکن یہ خاصیت، موسیقی، تصویر بلکہ مناظر قدرت مین بھی پائی جاتی ہے اسلئے

[1] یہ تمام تقریر مل صاحب، کے مضمون سے ماخوذ ہے،

کلام یا الفاظ کی قید لگائی جاہی کہ یہ چیزین بھی اس دائرہ سے نکل جائین، تاہم خطبہ، (لکچر) تاریخ، افسانہ، اور ڈراما، شاعری کی حدمین داخل رہین گی، ان مین اور شعر مین حد فاصل قائم کرنا مشکل ہے، زیادہ وقت اسلئے ہوتی ہے کہ اکثر اعلی النظمین افسانہ کی شکل مین ہوتی ہین، اور اکثر افسانون مین شاعری کی روح پائی جاتی ہے، اسلئے دونون جب باہم ملجاتی ہین تو ان مین امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ افسانہ اسی حد تک افسانہ ہے جہانتک اس مین خارجی واقعات اور زندگی کی تصویر ہوتی ہے جہان سے اندرونی جذبات اور احساسات شروع ہوتے ہین، وہان شاعری کی حد آجاتی ہے، افسانہ نگار بیرونی اشیاء کا استقصا کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے، بخلاف اسکے شاعر اندرونی جذبات اور احساسات کی نیرنگیون کا ماہر بلکہ تجربہ کار ہوتا ہے،

تاریخ اور شعر کا فرق

تاریخ اور شعر کا فرق ایک مثال کے ذریعہ سے اچھی طرح سمجھ مین آسکتا ہے، ایک شخص جنگل مین جارہا ہے، کسی گوشہ سے ایک مہیب شیر ڈکارتا ہوا نکلا، اسکی پررعب گونج، بھیانک چہرہ، خشمگین آنکھون نے اس شخص کے دل کو لرزا دیا، یہ شخص کسی کے سامنے شیر کا حلیہ اور شکل و صورت جن موثر لفظون مین بیان کریگا وہ شعر ہے،

علم الحیوانات کا ایک عالم کسی عجائب خانہ مین جاتا ہے، وہان ایک شیر کٹھرہ مین بند ہے، یہ عالم شیر کے ایک ایک عضو کو علمی حیثیت سے دیکھتا ہے،

اور علمی طریقہ سے کسی مجمع کے سامنے شیر پر لکچر دیتا ہے، یہ سائنس، تاریخ یا واقعہ نگاری ہے،

شاعری کی اقسام مین ایک قسم واقعہ نگاری ہے یعنی شاعر، خارجی، واقعات کی تصویر کھینچتا ہے لیکن اس حیثیت سے نہین کہ فی نفسہ وہ کیا ہین، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ ہمارے جذبات پر کیا اثر ڈالتی ہین، شاعر ان اشیا کے سادہ خط وخال کی تصویر نہین کھینچتا بلکہ ان مین قوت تخئیل کا رنگ بھرتا ہے تاکہ مؤثر بن جائے،

شاعری اور واقعہ نگاری کا فرق

اس تقریر سے شاعری اور واقعہ نگاری کا فرق، واضح ہوجاتا ہے، لیکن خطابت اور شاعری کی حد فاصل، اب بھی نہین قائم ہوئی، خطابت مین بھی شاعری کیطرح جذبات اور احساسات کا برانگیختہ کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن حقیقت مین

خطابت اور شاعری کا فرق

شاعری اور خطابت بالکل جدا جدا چیزین ہین، خطابت کا مقصود حاضرین سے خطاب کرنا ہوتا ہے، اسپیکر، حاضرین کے مذاق، معتقدات، اور میلان طبع کی جستجو کرتا ہے تاکہ اسکے لحاظ سے تقریر کا ایسا پیرایہ اختیار کرے جس سے اسکے جذبات کو برانگیختہ کرسکے اور اپنے کام مین لائے، بخلاف اسکے شاعر کو دوسرون سے غرض نہین ہوتی وہ یہ نہین جانتا کہ کوئی اسکے سامنے ہے بھی یا نہین ؟ اسکے دل مین جذبات پیدا ہوتے ہین، وہ بے اختیار ان جذبات کو ظاہر کرتا ہے، جسطرح درد کی حالت مین بے ساختہ آہ نکل جاتی ہے، بے شبہ یہ اشعار

اوروں کے سامنے پڑھے جائیں تو ان کے دل پر اثر کرینگے، لیکن شاعر نے اس غرض کو پیش نظر نہین دکھا تھا، جسطرح کوئی شخص اپنے عزیز کے مرنے پر نوحہ کرتا ہی تو اُسکی غرض یہ نہین ہوتی کہ لوگون کو سنائے لیکن اگر کوئی شخص سُن لے تو ضرور تڑپ جائے گا،

اصلی شاعر وہی ہے جسکو سامعین سے کچھ غرض نہو، لیکن جو لوگ بہ تکلّف شاعر بنتے ہین اُن کا بھی فرض ہے کہ ان کے انداز کلام سے یہ مطلق نہ پایا جائے کہ وہ سامعین کو مخاطب کرنا چاہتے ہین، ایک ایکٹر کو خوب معلوم ہے کہ بہت سے حاضرین اس کے سامنے موجود ہین لیکن اگر ایکٹ کی حالت مین، وہ اس علم کا اظہار کردے تو سارا پارٹ غارت ہوجائے گا، شاعر اگر اپنے نفس کے بجائے دوسرون سے خطاب کرتا ہے، دوسرون کے جذبات کو اُبھارنا چاہتا ہے، جو کچھ کہتا ہے اپنے لئے نہین، بلکہ دوسرون کے لئے کہتا ہے، تو شاعر نہین بلکہ خطیب ہے، اس سے یہ واضح ہو گا کہ شاعری تنہانشینی اور مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے بخلاف اسکے خطابت، لوگون سے ملنے جلنے اور راہ و رسم رکھنے کا ثمرہ ہے، اگر ایک شخص کے اندرونی احساسات تیز اور مشتعل ہین تو وہ شاعر ہوسکتا ہے، لیکن خطیب کے لئے ضرور ہے کہ دوسرون کے جذبات، اور احساسات کا نبّاض ہو،

شاعری کے اصلی عناصر کیا ہین؟ ایک عمدہ شعر مین بہت سی باتین پائی جاتی ہین اس مین وزن ہوتا ہے، محاکات ہوتی ہے یعنی کسی چیز یا کسی حالت کی تصویر کھینچی جاتی

ہے خیال بندی ہوتی ہے، الفاظ سادہ اور شیرین ہوتے ہین، بندش صاف ہوتی ہے، طرز ادا مین جدت ہوتی ہے، لیکن کیا یہ سب چیزین شاعری کے اجزا ہین؟ کیا ان مین سے ہر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو شعر شعر نہ ہوتا، اگر ایسا نہین ہے اور قطعاً نہین ہے تو ان تمام اوصاف مین خاص اُن چیزون کو متعین کر دینا چاہیے جنکے بغیر شعر، شعر نہین رہتا، عام لوگون کے نزدیک یہ چیز **وزن** ہے اس لئے عام لوگ کلام موزون کو شعر کہتے ہین، لیکن محققین کی یہ رائے نہین، وہ وزن کو شعر کا ایک ضروری جز سمجھتے ہین تاہم انکے نزدیک وہ شاعری کا اصل عنصر نہین ہے؛

ارسطو کے نزدیک یہ چیز محاکات یعنی مصوری ہے لیکن یہ بھی صحیح نہین، اگر کسی شعر مین تخئیل ہو، اور محاکات نہ ہو تو کیا وہ شعر نہ ہوگا؟ سیکڑون اشعار ہین جنمین محاکات کے بجائے صرف تخئیل ہے، اور باوجود اسکے وہ عمدہ اشعار خیال کئے جاتے ہین، شاید یہ کہا جائے کہ محاکات ایسا وسیع مفہوم ہے کہ تخئیل اس کے دائرہ سے باہر نہین جا سکتی اسلئے تخئیل بھی محاکات ہے لیکن یہ زبردستی ہے، آگے چلکر جب ہم محاکات اور تخئیل کی تعریف لکھین گے تو واضح ہو جائے گا کہ دونون الگ الگ چیزین ہین، گو یہ ممکن ہے کہ بعض مثالون مین دونون کی سرحدین مل جائین، حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل دو چیزون کا نام ہے، **محاکات** اور **تخئیل** ان مین سے ایک بات بھی پائی جائے تو شعر، شعر کہلانے کا مستحق ہوگا، باقی اور اوصاف یعنی سلاست، صفائی، حسن بندش وغیرہ وغیرہ شعر کے اجزائے اصلی نہین بلکہ

عوارض اور مستحسنات ہین،

محاکات کی تعریف محاکات کے معنی کسی چیز یا کسی حالت کا اسطرح ادا کرنا ہے کہ اُس شے کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، تصویر اور محاکات مین یہ فرق ہے کہ تصویر مین اگرچہ مادّی اشیار کے علاوہ، حالات یا جذبات کی بھی تصویر کھینچی جاسکتی ہے چنانچہ اعلیٰ درجے کے مُصوّر، انسان کی ایسی تصویر کھینچ سکتے ہین کہ چہرہ سے جذباتِ انسانی مثلاً رنج، خوشی، تفکر، حیرت، استعجاب، پریشانی اور بیتابی ظاہر ہو، جہانگیر کے سامنے ایک مُصوّر نے ایک عورت کی تصویر پیش کی تھی، جسکے تلوے سہلائے جارہے ہین تلوٗن کے سہلاتے وقت چہرہ پر گدگدی کا جو اثر طاری ہوتا ہے وہ تصویر کے چہرہ سے نمایان تھا، تاہم تصویر ہر جگہ محاکات کا ساتھ نہین دیسکتی، سیکڑون گوناگون واقعات، حالات، اور واردات ہین جو تصویر کی دسترس سے باہر ہین، مثلاً قاآنی ایک موقع پر بہار کا سمان دکھاتا ہے،

نرمک نرمک نسیم، زیر گلان مے خزد ‏ ‏ ‏ غبغب این می مکد، عارض آن می مزد

سُنبلِ این می کشد، گردن آن می گزد ‏ ‏ ‏ گہ بہ چمن می چمد، گہ بہ سمن می وزد

گاہ بشاخِ درخت گہ بہ لبِ جوئبار

یعنی ہلکی ہلکی ہوا آئی، پھولون مین گھسی، کسی پھول کا گال چوم لیا، کسی کی ٹھوڑی چوس لی، کسی کے بال کھینچے، کسی کی گردن دانت سے کاٹی، کیاریون مین کھیلتے کھیلتے چنبیلی کے پاس پہنچی، اور درخت کی ٹہنیون مین سے ہوتی ہوئی نہر کے کنارے

پہنچگئی، اس سمان کو مُصوّر تصویر مین کیونکر دکھا سکتا ہے؟

یہ تو مادی اشیا تھین، خیالات، جذبات، اور کیفیات کا ادا کرنا اور زیادہ مشکل ہے، تصویر اس سے کیونکر عہدہ برآ ہوسکتی ہی؟ مثلاً اس شعر مین،

نسب نامۂ دولت کے قباد ورق بر ورق، ہر سوئے بُرد باد

یہ خیال ادا کیا گیا ہے کہ **دارا** کے مرنے سے کیانی خاندان بالکل برباد ہوگیا، یہ خیال تصویر کے ذریعہ سے کیونکر ادا ہوسکتا ہی،

یا مثلاً ہوس پیشہ عاشقون کو اکثر یہ واردات پیش آتی ہی کہ کسی معشوق سے دل لگاتے ہین، چندروز کے بعد اُسکی بے مہریون اور کج ادائیون سے تنگ آکر چاہتے ہین کہ اسکو چھوڑ دین، اور کسی اور سے دل لگائین، پھر رک جاتے ہین کہ ایسا دلفریب معشوق کہان ہاتھ آئے گا، اسطرح آپ ہی آپ روٹھتے اور مَنتے رہتے ہین، معشوق کو ان واقعات کی خبر تک نہین ہوتی اس حالت کو شاعر یون ادا کرتا ہی،

صد بار جنگ کردہ بہ او صلح کردہ ایم او را خبر نبودہ ز صلح و ز جنگ ما

اس حالت کو مُصوّر تصویر کے ذریعہ سے کیونکر دکھا سکتا تھا، بخلاف اسکے شاعرانہ مصوّری، ہر خیال، ہر واقعہ، ہر کیفیت کی تصویر کھینچ سکتی ہے،

ایک بڑا فرق عام مصوّری اور شاعرانہ مصوّری مین یہ ہے، کہ تصویر کی اصلی خوبی یہ ہے کہ جس چیز کی تصویر کھینچی جائے اُسکا ایک ایک خال و خط دکھایا جائے ورنہ تصویر ناتمام اور غیر مطابق ہوگی، بخلاف اسکے شاعرانہ مصوّری مین یہ التزام

ضروری نہین ہے شاعر اکثر صرف اُن چیزون کو لیتا ہے اور اُنکو نمایان کرتا ہی جن سے ہمارے جذبات پر اثر پڑتا ہے، باقی چیزون کو وہ نظر انداز کرتا ہے یا اُنکو دُہندلا رکھتا ہے کہ اثر اندازی مین اُن سے خلل نہ آے، فرض کرو ایک پھول کی تصویر کھینچنی ہو تو مُصوّر کا کمال یہ ہے کہ ایک ایک پنکھڑی اور ایک ایک رگ و ریشہ دکھائے لیکن شاعر کے لئے یہ ضروری نہین، ممکن ہے کہ وہ ان چیزون کو اجمالی اور غیر نمایان صورت مین دکھائے تاہم مجموعہ سے وہ اثر پیدا کر دے جو اصلی پھول کے دیکھنے سے پیدا ہوتا،

ایک اور بڑا فرق مُصوّری اور محاکات مین یہ ہے کہ مُصوّر کسی چیز کی تصویر کھینچنے سے زیادہ سے زیادہ وہ اثر پیدا کر سکتا ہے جو خود اس چیز کے دیکھنے سے پیدا ہوتا لیکن شاعر باوجود اسکے کہ تصویر کا ہر جزء نمایان کر کے نہین دکھاتا تاہم اس سے زیادہ اثر پیدا کر سکتا ہے جو اصل چیز کے دیکھنے سے پیدا ہو سکتا ہی، سبزہ پر شبنم دیکھکر وہ اثر نہین پیدا ہو سکتا جو اس شعر سے ہو سکتا ہے.

کہا کہاکے اُوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا   تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

تصویر کا اصلی کمال یہ ہے کہ اصل کے مطابق ہو اور اگر مُصوّر اس امر مین کامیاب ہو گیا تو اسکو کامل فن کا خطاب مل سکتا ہے لیکن شاعر کو اکثر موقعون پر دو مشکل مرحلون کا سامنا ہوتا ہے یعنی نہ اصل کی پوری پوری تصویر کھینچ سکتا ہے کیونکہ بعض جگہ اس قسم کی پوری مطابقت احساسات کو برانگیختہ نہین کر سکتی نہ اصل

سے زیادہ دور ہو سکتا ہے ورنہ اسپر اعتراض ہوگا کہ صحیح تصویر نہین کھینچی اس موقع پر اسکو تخئیل سے کام لینا پڑتا ہے، وہ ایسی تصویر کھینچتا ہے جو اصل سے آب تاب اور حسن وجمال مین بڑھ جاتی ہے لیکن وہ قوت تخئیل سے سامعین پر یہ اثر ڈالتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے، لوگون نے اسکو امعان نظر سے نہین دیکھا تھا اسلئے اسکا حسن پورا نمایان نہین ہوا تھا،

تخئیل | **تخئیل کی تعریف ہنری لوئیس** نے یہ کی ہے، "وہ قوت جسکا یہ کام ہے کہ ان اشیا کو جو مرئی نہین ہین یا جو ہمارے حواس کی کمی کی وجہ سے ہمکو نظر نہین آتین، ہماری نظر کے سامنے کر دے" لیکن یہ تعریف پوری جامع اور مانع نہین اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی چیزون کی منطقی جامع اور مانع تعریف ہو بھی نہین سکتی،

تخئیل دراصل قوتِ اختراع کا نام ہے، عام لوگون کے نزدیک منطق یا فلسفہ کا موجد صاحب تخئیل نہین کہا جا سکتا، بلکہ اگر خود کسی فلسفہ دان کو اس لقب سے خطاب کیا جائے تو اُسکو عار آئے گا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فلسفہ اور شاعری مین قوت تخئیل کی یکسان ضرورت ہے یہی قوت تخئیل ہے جو ایک طرف فلسفہ مین ایجاد اور اکتشاف مسائل کا کام دیتی ہے اور دوسری طرف شاعری مین شاعرانہ مضامین پیدا کرتی ہے، چونکہ اکثر سائنس دان شاعری کا مذاق نہین رکھتے اور شعرا، فلسفہ اور سائنس سے نامانوس ہوتے ہین اسلئے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ قوت تخئیل کو فلسفہ اور سائنس سے تعلق نہین، لیکن یہ صحیح

نہین، بے شبہ عام سائنس یا فلسفہ جاننے والے جن مین قوت ایجاد نہین قوت تخئیل نہین رکھتے، لیکن جو لوگ کسی مسئلہ یا فن کے موجد ہین ان کی قوت تخئیل سے کون انکار کرسکتا ہے، نیوٹن اور ارسطو مین اسی قدر زبردست قوت تخئیل تھی جسقدر ہومر اور فردوسی مین، البتہ دونون کے اغراض و مقاصد مختلف ہین اور دونون کی قوت تخئیل کے استعمال کا طریقہ الگ الگ ہے، فلسفہ اور سائنس مین قوت تخئیل کا استعمال اس غرض سے ہوتا ہے کہ ایک علمی مسئلہ حل کردیا جاے، لیکن شاعری مین تخئیل سے یہ کام لیاجاتا ہے کہ جذبات انسانی کو تحریک ہو فلسفی کو صرف اُن موجودات سے غرض ہی جو واقع مین موجود ہین، بخلاف اسکے شاعر اُن موجودات سے بھی کام لیتا ہے جو مطلق موجود نہین، فلسفہ کے دربار مین، ہما، سیمرغ، گاؤزمین، تخت سلیمان کی مطلق قدر نہین، لیکن یہی چیزین ایوان شاعری کے نقش و نگار ہین. فلسفی کی زبان سے اگر سیمرغ زرین پر کا لفظ نکل جاے تو ہر طرف سے ثبوت کا مطالبہ ہوگا، لیکن شاعر اس قسم کی فرضی مخلوقات سے اپنا عالم خیال آباد کرتا ہے اور کوئی اس سے ثبوت کا طالب نہین ہوتا کیونکہ فلاسفر کی طرح وہ کسی مسئلہ کی تعلیم کا دعوے نہین کرتا بلکہ وہ ہم کو صرف خوش کرنا چاہتا ہے اور بے شبہہ وہ اسمین کامیاب ہوتا ہے ایک پھول کو دیکھکر سائنس دان تحقیق کرنا چاہتا ہے کہ وہ نباتات کے کس خاندان سے ہے: اسکے رنگ مین کن رنگون کی آمیزش ہے، اسکی غذا زمین کے

کن اجزا سے ہے؟ اس مین نر و مادہ دونون کے اجزا ہین یا صرف ایک کے؟ لیکن شاعر کو ان چیزون سے غرض نہین، پھول دیکھکر بے اختیار اسکو یہ خیال پیدا ہوتا ہے،

ای گل بتو خرسندم تو بوی کسے داری

چاند کی نسبت ایک ہیئت دان کو ان مسائل سے غرض ہے کہ وہ کن عناصر سے بنا ہے؟ آباد ہے یا ویران؟ روشن ہے یا تاریک؟ سمندر کے مد و جزر سے اسکو کیا تعلق ہے؟ وغیرہ وغیرہ لیکن شاعر کو چاند سے صرف یہ غرض ہے کہ وہ معشوق کا روے روشن ہے،

شاعر کے سامنے (قوت تخئیل کی بدولت) تمام بے حس اشیاء جاندار چیزین بن جاتی ہین، اسکے کانون مین ہر طرف سے خوش آیند صدائین آتی ہین، زمین آسمان، ستارے، بلکہ ذرہ ذرہ اُس سے باتین کرتا ہے،

قوت **تخئیل** کے ذریعہ سے اکثر شاعر ایک نیا دعوی کرتا ہے اور خیالی دلائل پیش کرتا ہے، ممکن ہے کہ ایک منطقی اسکی دلیل نہ تسلیم کرے لیکن جن لوگون کو وہ قوت تخئیل کے ذریعہ سے معمول کر لیتا ہے وہ اسکے تسلیم کرنے مین مطلق تامل نہین کر سکتے، مثلاً ایک شاعر کہتا ہے،

عمرے ورفتن عمر آوازیانہ دارد   دردش از برم چو رفتی آگہ نگشتم آرے

یعنی معشوق جو گود سے نکل کر چلا گیا تو مجھکو خبر نہین ہوئی، کیونکہ معشوق

عاشق کی زندگی ہے، اور زندگی کے جانے کے وقت جانے کی آہٹ نہین معلوم ہوتی، اس دلیل کے دو مقدمے ہین "معشوق عاشق کی زندگی ہے" "زندگی کے جانے کی آہٹ نہین معلوم ہوتی" ان دونون مین سے تم کس کا انکار کر سکتے ہو؟

محاکات کی تکمیل کن کن چیزون سے ہوتی ہے،

۱- محاکات جب موزون کلام کے ذریعہ سے کی جاے تو سب سے پہلے وزن کا تناسب شرط ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ درد، غم، جوش غیظ، غضب، ہر ایک کے اظہار کا لہجہ اور آواز مختلف ہے۔ اسلئے جس جذبہ کی محاکات مقصود ہو، شعر کا وزن بھی اُسی کے مناسب ہونا چاہئے تاکہ اُس جذبہ کی پوری حالت ادا ہو سکے، مثلاً فارسی مین بحر تقارب جسمین شاہنامہ ہے رزمیہ خیالات کے لئے موزون ہے، چنانچہ فارسی مین جسقدر رزمیہ مثنویان لکھی گئین اسی بحر مین لکھی گئین، اسیطرح غزل اور عشق و عاشقی کے خیالات کے لئے خاص بحرین ہین، ان خیالات کو قصیدہ کی بحرون مین ادا کیا جاے تو تاثیر گھٹ جاتی ہے،

۲- محاکات کا اصلی کمال یہ ہے کہ اصل کے مطابق ہو، یعنی جس چیز کا بیان کیا جاے اسطرح کیا جاے کہ خود وہ شے مجسّم ہو کر سامنے آجاے، شاعری کا اصلی مقصد طبیعت کا انبساط ہے، کسی چیز کی اصلی تصویر کھینچنا خود طبیعت مین انبساط پیدا کرتا ہے، (وہ شے اچھی یا بُری ہے اس سے بحث نہین) مثلاً چھپکلی ایک بدصورت جانور ہے جسکو دیکھکر نفرت ہوتی ہے لیکن اگر ایک اُستاد مصوّر چھپکلی

کی ایسی تصویر کھینچدے کہ بال برابر فرق نہ ہو تو اُسکے دیکھنے سے خواہ مخواہ لطف آئے گا، اسکی یہی وجہ ہے کہ نقل کا اصل سے مطابق ہونا خود ایک موثر چیز ہے، اب اگر وہ چیزین جن کی محاکات مقصود ہے، خود بھی دلاویز اور لطف انگیز ہون تو محاکات کا اثر بہت بڑھ جائے گا،

اصل کی مطابقت مختلف طریقون سے ہوئی ہے،

(۱) جس شے کا بیان کرنا ہے اُسکی جزئیات کا اسطرح استقصا کیا جائے کہ پوری شے کی تصویر نظر کے سامنے آجائے، مثلاً اگر احباب کی مفارقت کا واقعہ لکھنا ہے تو اُن تمام جزئی حالات اور کیفیات کا استقصا کرنا چاہیے جو اسوقت پیش آتی ہین؛ یعنی اس حالت مین ایک دوسرے کی طرف کس نگاہ سے دیکھتا ہے؛ کسطرح گلے ملکر رفتا ہے؛ کس قسم کی دردانگیز باتین کرتا ہے؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے؛ رخصت کے وقت کیا بے اختیار حرکات صادر ہوتے ہین؛ آغاز مین جو کیفیت تھی کسطرح بتدریج بڑہتی جاتی ہے؛ حاضرین پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے؛ ان باتون مین سے ایک بات بھی رہ گئی تو مطابقت مین کمی رہ گئی، **فردوسی** اور **نظامی** مین بڑا فرق یہی ہے کہ **فردوسی** نہایت چھوٹے چھوٹے جزئیات کو لیتا ہے اور **نظامی** عالم تخیل کے زور مین جزئیات پر نظر نہین ڈالتے، مثلاً فردوسی ایک موقع پر ایک دعوت کے جلسہ کا حال لکھتا ہے،

دگر بارہ بستد زمین داد بوس،	دوسری بار پیالہ ہات مین لیا اور زمین چومی
چنین گفت کین بادہ بر روئے طوس،	اور کہا کہ یہ پیالہ طوس کی یادگار پیتا ہون،
سران جہان دار برخاستند	تمام سردار کھڑے ہو گئے،
ابر پہلوان خواہش آراستند	اور رستم کی مرضی کی تبعیت کی،

اس زمانہ مین قاعدہ تھا کہ کسی کی یادگارین شراب پیتے تھے تو زمین کو چومتے تھے، پھر اُس شخص کی طرف خطاب کر کے کہتے تھے کہ بہ یادِ "فلان" اُسکے ساتھ اور حاضرین مجلس کھڑے ہو جاتے تھے، جیسا کہ آج کل بھی دستور ہے **فردوسی** نے ان تمام واقعات کو ادا کیا، اسی موقع کو اگر نظامی لکھتے تو شراب اور جام کی تشبیہ اور استعارہ کا طلسم باندھتے لیکن ان جزئی واقعات کو نظر انداز کر جاتے، **قاآنی** کا ایک بہاریہ قصیدہ ہے جسکے چند اشعار یہ ہین،

یکے بر لالہ پا کوبد کہ ہے ہے رنگ مے دارد	بہار مین کوئی لالہ پر پاؤن دے دے مارتا ہے،
یکے از گل بوجد آید کہ وہ وہ بوئے یار آید	کہ آہا ہا اس مین شراب کا رنگ ہے کوئی پھول دیکھکر
یکے اینجا گسار دمے یکے آنجا نواز دنے	جھومتا ہے کہ سبحان اللہ معشوق کی خوشبو آتی ہے
صدائی ہائے و ہوئے دہی ز ہر سوئے ہمی آید	کوئی یہان شراب اڑا رہا ہے، کوئی وہان بانسری
ز ہر کوئے صدائے ارغنون و چنگ نے خیزد	بجا رہا ہے، ہر طرف سے ہو ہا کی آوازین آرہی
ز ہر سوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید	ہین، ہر گلی مین ارگن اور ستار بج رہا ہے کوئی
یکے بر لالہ می غلطد یکے در سبزہ می رقصد	لالہ پر لوٹ رہا ہے، کوئی سبزہ پر ناچ رہا ہے

یکے گا ہے رود از ہوش یک گہ ہوشیار آید — کوئی بے ہوش ہوجاتا ہے، کوئی ہوش مین آنے

الا یا ساقیا اے دہ بجان من پیاپے دہ — لگا ہے، ہان! اے ساقی شراب دے اور برابر دیئے

دما دم ہے خورد ہے دہ کہ می ترسم خمار آید — جا، خود پی اور دمبدم پلاتا جا ورنہ مجھکو ڈر ہے کہ خمار آجائے

ان اشعار مین بہار کی دلچسپی، اور لوگون کی سرمستی کی جو تصویر کھینچی ہی محاکات کا اعلیٰ درجہ ہے، ایک ایک جزئی حالت کا استقصا کر کے اسطرح ادا کیا ہے کہ پورا اسمان آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے،

۳- اکثر چیزین اس قسم کی ہین کہ اُن کے مختلف انواع ہوتے ہین اور ہر نوع مین الگ خصوصیت ہوتی ہے، مثلاً آواز ایک عام چیز ہے اسکی مختلف نوعین ہین، پست، بلند، شیرین، کرخت، سریلی، وغیرہ وغیرہ، ذوقی چیزون مین یہ فرق اور نازک ہوجاتا ہے، مثلاً معشوق کی ادا ایک عام چیز ہے لیکن الگ الگ خصوصیتون کی بنا پر ان کے جدا جدا نام ہین، یعنی ناز، عشوہ، غمزہ، شوخی وغیرہ، جو زبانین وسیع اور لطیف ہین اُن مین اُن دقیق فرقون کی بنا پر ہر چیز کے لئے الگ الگ الفاظ پیدا ہوجاتے ہین،

اب جب کسی چیز کی محاکات مقصود ہو تو ٹھیک وہی الفاظ استعمال کرنے چاہئین جو ان خصوصیات پر دلالت کرتے ہین، ساودی نے ایک نظم لکھی تھی جسکا شان نزول یہ ہے کہ اس سے اسکے کم سن بچے نے پوچھا کہ "سیلاب کیونکر آتا ہے" ساودی نے اُسکے جواب مین یہ نظم لکھی اور دکھایا کہ سیلاب کسطرح

آہستہ آہستہ شروع ہوتا ہے، اور کسطرح بڑہتا جاتا ہے، اس نظم مین تمام الفاظ اس قسم کے آئے ہین کہ پانی کے بہنے، گرنے، پھیلنے، بڑہنے (وغیرہ وغیرہ) کے وقت جو آوازین پیدا ہوتی ہین الفاظ کے لہجہ سے انکا اظہار ہوتا ہے، یہان تک کہ اگر کوئی شخص خوش ادائی سے اس نظم کو پڑہے تو سننے والے کو معلوم ہوگا کہ زور شور سے سیلاب بڑہتا ہوا چلا آتا ہے،

میرا طالب العلمی کا زمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحبت مین کسی نے کلیم کا یہ شعر پڑھا،

سر بہ بستان چو دہد جلوۂ یغمائی را ‌ ‌ ‌ ‌ اول از سر وکند جامۂ رعنائی را

والد مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے، مین نے کہا کپڑا اُتارنے کو جامہ کشیدن بھی کہتے ہین، اسلئے شاعر اگر "کند" کے بجائے "کشد" کہتا تو زیادہ فصیح ہوتا، جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہین، سب چپ ہو گئے، والد مرحوم نے ذرا سوچکر کہا کہ "نہین یہی لفظ (کند) شعر کی جان ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ مین جب غارتگری کی شان دکھاتا ہے تو پہلے سرو کی رعنائی کا لباس اُوتا لیتا ہے، لباس اُتارنے کے دو معنی ہین ایک یہ کہ مثلاً کوئی شخص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا اُتار کر رکھدے یا اُسکا نوکر اُتار لے، دوسرے یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑے اُتروا لئے جائین یا نچوائے جائین، فارسی مین اُنکے لئے دو مختلف لفظ ہین جامہ کشیدن، اور جامہ کندن، چونکہ یہان مقصود یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر

سرد کا کپڑا اُتار لیتا ہے اِسلیئے یہان جامہ کندن کا لفظ جامہ کشیدن سے زیادہ موزون ہے تمام حاضرین نے اس توجیہ کی بے ساختہ تحسین کی،

علی قلی کا شعر ہے،

بگذشت ز پیش من و غیرش بہ حکایت	بپیچید کہ ہرگز نتواند بہ قفا دید

شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق سامنے سے جا رہا تھا، رقیب بھی ساتھ تھا، اُسنے اسطرح اسکو باتون مین لگا لیا کہ معشوق مڑ کر پیچھے نہ دیکھ سکا ورنہ شاید میری طرف بھی اسکی نگاہ پڑ جاتی) "بپیچید" کے لفظ سے واقعہ کی صورت جسطرح ذہن مین آجاتی ہے اور کسی لفظ سے نہین آسکتی،

سکندر نے جب دارا کو برابری کے دعوے سے خط لکھا ہے تو دارا بسخت رنج اور حیرت ہوئی، اس موقع پر نظامی کہتے ہین،

بخندید و گفت اندران زہر خند | کہ افسوس بر کار چرخ بلند
فلک بین چہ ظلم آشکارا کند | کہ اسکندر آہنگ دارا کند

جب کوئی کمینہ شخص کسی معزز آدمی سے برابری کا دعوے کرتا ہے تو بعض وقت اُسکو غصہ مین ہنسی آجاتی ہے یہ ہنسی رنج غصہ، اور عبرت کا گویا مجموعہ ہوتی ہے، فارسی مین اس ہنسی کو زہر خند کہتے ہین، دارا پر سکندر کے خط سے جو حالت طاری ہوئی زہر خند کے لفظ کے سوا اور کسی طریقہ سے اسکی تصویر نہین کھنچ سکتی تھی، اسی طرح خاص خاص محاورے اور اصطلاحین، خاص خاص مضامین

کے لئے مخصوص ہین، ان مضامین کو انکے سوا اور طریقہ سے ادا کیا جائے تو پوری محاکات نہین ہو سکتی،

۴۔ جب کسی قوم یا کسی ملک، یا کسی مرد، یا عورت، یا بچہ، کی حالت بیان کیجائے تو ضرور ہے کہ اُن کی تمام خصوصیات کا لحاظ رکھا جائے، مثلاً اگر کسی بچہ کی کسی بات کی نقل کرنی مقصود ہو تو بچون کی زبان کا، طرز ادا کا، خیالات کا، لہجہ کا، لحاظ رکھنا چاہئے یعنی ان تمام باتون کو بعینہ ادا کرنا چاہئے، مثلاً

محل مین گھٹ گئی ہے مجھے گودی مین لو ذرا ۔۔۔ چلاتی ہے سکینہ کہ "اچھے میرے چچا"
ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو تم پہ مین فدا ۔۔۔ بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے

یہ وہ موقع ہے کہ **اہل بیت** نہایت سخت گرمیون مین **کربلا** کو روانہ ہوئے ہین اور سکینہ (حضرت امام حسین علیہ السّلام کی صاحبزادی) اپنے چچا یعنی حضرت عباس سے گرمی کی شکایت کرتی ہین، اس بند مین بچونکی طرز گفتار اور خیالات کی تمام خصوصیات کو ملحوظ رکھا ہے، "اچھے چچا" خاص بچون کی زبان ہے، گودی مین بچونکو خاص لطف آتا ہے، اسلئے گودی مین لینے کی فرمایش سے طفلانہ خواہش کا اظہار ہوتا ہے، بچے اپنے مقصد حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ طعنہ دینا سمجھتے ہین، اس لئے حضرت عباس کو طعنہ دیا ہے کہ آپ تو مزے سے

ہوا ہین ہین، آپ کو میری کیا فکر ہے، "آپ" کے بجائے "تم" کہنا انتہا درجہ کا پیارا اور طفلانہ تفوق اور حکومت ہے، اِن خصوصیات کے اجتماع نے محاکات کو کمال کے درجے تک پہنچا دیا ہے، اور واقعہ کی پوری تصویر اُتر آئی ہے،

محاکات کے کمال کے لئے عام کائنات کی ہر قسم کی چیزون کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، شاعر کبھی لڑائیون اور معرکونکا حال لکھتا ہے، کبھی قومون کے اخلاق و عادات کی تصویر کھینچتا ہے، کبھی جذبات انسانی کا عالم دکھاتا ہے کبھی شاہی دربارون کا جاہ و حشم بیان کرتا ہے، کبھی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑون کی سیر کراتا ہے، اس حالت مین اگر اس نے عالم کائنات کا مشاہدہ نہ کیا ہو اور ایک ایک چیز کی خصوصیات اور قابل انتخاب باتونکو وقت آفرینی سے نہ دیکھا ہو، تو وہ ان مرحلون کو کیونکر طے کر سکتا ہے، شکسپیر تمام دنیا کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے، اسکی یہی وجہ ہے کہ اسنے ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگون کے اخلاق و عادات کی تصویر کھینچی ہے اور اسطرح کھینچی ہے کہ اس سے بڑھکر ممکن نہین اس شرط کی کمی کی وجہ سے بڑے بڑے شعرا کے کلام مین علانیہ رخنے نظر آتے ہین، نظامی خدائے سخن ہین تاہم دارا کے خط مین جو سکندر کے نام تھا، لکھتے ہین،

دگر نہ چنانت دہم گوش پیچ
درنہ مین تیرے ایسے کان ملونگا

کہ دانی تو ہیچی و کمتر ز ہیچ
کہ تو جان جائے کہ نا چیز سے بھی ناچیز ہے

نظامی گوشہ نشین شخص تھے، شاہی دربارون مین آنے جانے کا کم اتفاق

ہو اتھا، شاہانہ آداب اور طریق گفتگو سے واقف نہ تھے، اسلئے وہی عام بازاری لفظ ”گوشں پیچ“ (کان اومیٹھنا) لکھ گئے، اس نقص کی وجہ سے واقعہ کی صحیح تصویر نہ اُتر سکی، بخلاف اسکے فردوسی نے سیکڑون ہزار دن مختلف واقعات لکھے ہین، لیکن کہین اس فرض کا سررشتہ ہاتھ سے نہین جانے پاتا، متعدد اور مفصل مثالین آگے آئین گی یہان صرف مطالب کے ذہن نشین کرنے کے لئے ہم ایک مثال پر اکتفا کرتے ہین.

ایرانیون کی روایت ہے کہ فریدون نے اپنے بیٹون کی وصلت شاہ یمن کی لڑکیون سے کرنی چاہی، چنانچہ قاصد کو پیغام دیکر شاہ یمن کے پاس بھیجا، شاہ یمن نے اپنے درباریون سے کہا کہ ”تین صورتین ہین، اگر قبول کرلون تو مجھکو سخت صدمہ ہوگا، اگر جھوٹ وعدہ کرلون تو یہ شان سلطنت کے خلاف ہے انکار کرون تو فریدون کا مقابلہ کرنا آسان نہین،

فردوسی مجوسی النسل تھا اور قومیت کا اسکو سخت تعصب تھا چنانچہ جہان جہان عرب کا نام آتا ہے انکو حقیر کرنا چاہتا ہے، تاہم چونکہ شاعری کے فرض کا خیال تھا اور عرب کے کیرکٹر (انداز طبیعت) سے واقف تھا، اس لئے درباریون کی زبان سے کہتا ہے،

کہ ما ہمگنان این نہ بینیم راے — ہم لوگون کی یہ راے نہین

کہ ہر باد را تو بجنبی ز جاے — کہ جو ہوا چلے آپ کو ہلا دے

اگر شد فریدون چنین شہر یار — فریدون بادشاہ ہے تو ہو

نہ مابند گانیم با گوشوار — ہم بھی کچھ اُسکے حلقہ بگوش غلام نہین ہین

سخن گفتن و بخشش آئین ماست — گویائی اور جھلاہٹ ہماری فطرت ہی

عنان و سنان باختن دین ماست — گھوڑا اور دَانا اور برچھی چلانا ہمارا دین ہے

بہ خنجر زمین را میستان کنیم، — ہم تلوارون سے زمین لال کردینگے

بہ نیزہ ہوا را نیستان کنیم، — اور برچھیون سے ہوا کو نیستان بنا دینگے،

یہ باتین عرب کا خاص کیرکٹر ہین، عرب کسی دوسری قوم کو، گو کسی درجہ کا ہو، بیٹی دینا عار سمجھتے تھے، اسلئے گو بادشاہ نے مصلحت ملکی سے فریدون کی درخواست کا رد کرنا مناسب نہ سمجھا، لیکن درباریون نے وہی آزادانہ جواب دیا جو عرب کی طینت اور اُنکا جوہر ہے،

دقیق خصوصیات کی محاکات، محاکات مین نہایت فرق مراتب ہے اور اسی فرق مراتب کی بنا پر شاعری کے مدارج مین نہایت تفاوت ہے، اسکو پہلے محسوسات کے ذریعہ سے ذہن نشین کرو مثلاً اگر سوتے ہوئے شخص کی تصویر کھینچی جائے تو ایک معمولی مُصوّر تصویر مین صرف اسقدر دکھائے گا کہ آنکھین بند ہین جس سے ظاہر ہو کہ وہ شخص سو رہا ہے، لیکن ایک دقیقہ رس مصوّر ان خصوصیتون کا بھی لحاظ رکھے گا کہ کس قسم کی نیند ہے؟ گہری ہے یا معمولی؟ یا نیم خوابی؟ اس سے بڑھکر اس بات کو بھی ملحوظ رکھے گا کہ سونے کی حالت مین اعضا کی جو حالت ہوتی ہے

وہ بھی نمایان کیجائے، بچپن میں لباس اور اعضا کی ہیئت میں جو بے ڈھنگاپن پیدا ہو جاتا ہے، وہ بھی ظاہر ہو، بچون، جوانون، عورتون اور مردون کی نیند میں جو فرق ہے اسکی خصوصیات بھی نظر آئین، اسیطرح جسقدر زیادہ فن تصویر میں کمال ہوگا اسیقدر تصویر مین باریکیان پیدا ہوتی جائین گی،

یونان مین ایک دفعہ ایک مصوّر نے ایک آدمی کی جسکے ہاتھ مین انگور کا خوشہ ہے تصویر بنا کر موقع عام پر آویزان کی، تصویر اسقدر اصل کے مطابق تھی کہ پرند انگور کو اصلی سمجھکر اُس پر گرتے تھے اور چونچ مارتے تھے تمام نمائشگاہ مین غل پڑ گیا اور لوگ ہر طرف سے آآکر مصوّر کو مبارکباد دینے لگے لیکن مصوّر روتا تھا کہ تصویر مین نقص رہ گیا، لوگون نے حیرت سے پوچھا کہ اس سے بڑھکر اور کیا کمال ہو سکتا تھا، مصور نے کہا بے شبہ انگور کی تصویر اچھی بنی ہے لیکن جس آدمی کے ہاتھ مین انگور ہے اسکی تصویر اچھی نہین ورنہ پرند انگور پر ٹوٹنے کی جراءت نہ کرتے،

اس قسم کے دقائق اور باریکیان محاکات مین پائی جاتی ہین اور یہی نکتے ہین جنکی بنا پر شعرا مین فرق مراتب ہوتا ہے، محاکات کے یہ دقائق ہر چیز کی محاکات مین پائے جاتے ہین یعنی خواہ کسی واقعہ کا بیان کیا جائے یا کسی منظر کا، یا جذبات انسانی کا یا کسی حالت یا کیفیت کا ہم ہر قسم کی مثالین ذیل مین لکھتے ہین،

دو دن سے بے زبان پہ جو تھا آب و دانہ بند | دریا کو دیکھنے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند | چمکارتے تھے حضرت عباس ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا موبنہ سوار کا

یہ وہ موقع ہے کہ کربلا میں حضرت عباس اہل بیت کے لئے پانی لینے گئے ہیں، اور نہر کے کنارے پہنچے ہیں لیکن نہ خود پانی پیتے ہیں نہ گھوڑے کو پلاتے ہیں، صرف مشک بھر لی ہے کہ اہل بیت کو لاکر پلائیں گے، گھوڑا حضرت عباس کے اس ارادے سے واقف ہے کہ وہ اسکو پانی پلانا نہیں چاہتے، اب خیال کرو کہ ایک جانور کئی دن کا پیاسا پانی کے پاس پہنچ جائے تو اسکی کیا حالت ہوگی، ایک طرف پیاس اسکو بے اختیار کرتی ہے، دوسری طرف آقا مانع ہے، اس دوطرفہ کشمکش میں بار بار کانپنا اور بند بند کا سمٹنا اصلی نیچرل اور فطری حالت ہے،

زلفیں ہوا میں اڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھی | لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

یہ وہ موقع ہے کہ اہل بیت کربلا کے میدان میں اترے ہیں اور نوجوان اور بچے ساتھ ساتھ چہل قدمی کر رہے ہیں، کوئی معمولی شاعر اس منظر دکھاتا تو بچون کا کھیلتے کودتے چلنا بیان کر دیتا، لیکن نکتہ سنج شاعر کی نگاہ اسپر پڑتی ہے کہ بچے تنہا نہیں ہیں بلکہ اپنے سے بڑی عمر والون کے ساتھ ہیں، اسلئے کھل کھیل نہیں سکتے تاہم بچے ہیں اور بچپن کی خصوصیات نہ دکھائی جائے تو واقعہ کی اصلی تصویر نہیں کھنچی،

اسلئے کہتا ہے کہ "بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے":

بعض جگہ صرف جزئیات کے ادا کرنے سے محاکات ہوتی ہے

لیکن ہر جگہ کسی شے یا واقعہ کے تمام اجزا کی محاکات ضروری نہین، فن تصویر کے ماہر جانتے ہین کہ اکثر صاحب کمال مصور تصویر کے بعض حصے خالی چھوڑ دیتا ہے، لیکن اور اعضاء یا اجزا کی تصویر اس خوبی کے ساتھ کھینچتا ہے کہ دیکھنے والے کی نظر چھوٹے ہوئے حصہ کو خود پورا کرلیتی ہے، اسکو مثال مین یون سمجھو کہ کاغذ پر جو تصویر ہوتی ہے اسمین عُمق نہین ہوسکتا کیونکہ کاغذ مین خود عُمق نہین باوجود اسکے کاغذ پر نہایت موٹے آدمی کی تصویر بنا سکتے ہین، اسکی وجہ یہی ہے کہ چونکہ تصویر مین عرض وطول موجود ہوتا ہے، اسلئے اسکی مناسبت سے قوت متخیلہ خود دبازت اور موٹاپن پیدا کرلیتی ہے، اور ہم کو تصویر مین اسیطرح موٹاپا محسوس ہوتا ہے جسطرح عرض طول محسوس ہوتے ہین، شاعر اکثر کوئی واقعہ یا کوئی سمان باندھتا ہے اور تمام حالات کا استقصا نہین کرتا لیکن چند ایسی نمایان خصوصیات ادا کردیتا ہے کہ پورا واقعہ یا پورا سمان آنکھون کے سامنے آجاتا ہے،

صبا حکایت زلف تو درمیان انداخت ... بنفشہ طُرۂ مفتول خود گرہ میزد

شعر کا اصل مطلب صرف اسقدر ہے کہ بنفشہ معشوق کی زلف کا مقابلہ نہین کرسکتی اسکو شاعرانہ انداز مین اسطرح ادا کیا ہے کہ گویا بنفشہ ایک معشوق ہے، وہ اپنی زلفین آراستہ کررہی تھی اور اپنی اداؤن پر نازان تھی،

کہ اتفاقاً کسی طرف سے صبا (جسکو ایک تماشائی عورت فرض کیا جاتا ہے) آنکلی اُسنے معشوق کی زلفون کا ذکر چھیڑ دیا دفعتہً بنفشہ شرما کر رہ گئی،

بنفشہ کا شرما جانا شعر مین مذکور نہین، اور اس تمام منظر مین وہی واقعہ کی جان ہے، لیکن حالت کا سمان اسطرح کھینچا ہے کہ شرما جانا خودبخود لازمی نتیجہ کے طور پر پیش نظر ہو جاتا ہے،

ہان وہ نہین وفاپرست جاؤ وہ بیوفا سہی جسکو ہو جان و دل عزیز اُسکی گلی مین جائے کیون

اس شعر مین اس حالت کی تصویر کھینچی ہے کہ عاشق عشق مین سرشار ہے، لوگ اسکے پاس جاکر اسکو سمجھاتے ہین کہ معشوق بیوفا ہے، اس سے دل لگانا بیفائدہ ہے، عاشق جھلا کر کہتا ہے " اچھا ہے تو ہے جس کو اپنی جان عزیز ہو وہ اس سے دل ہی کیون لگاتا ہے" یعنی مین نے اپنی جان پر کھیل کر اس سے دل لگایا ہے میرا عشق اسکی وفا پر منحصر نہین، اس شعر مین یہ الفاظ کہ لوگ عاشق کو سمجھاتے ہین، " عشق معشوق کی وفا کا پابند نہین " بالکل متروک ہین، لیکن اور واقعات اسطرح اور اس انداز سے ادا کئے ہین کہ متروک جملے خودبخود سمجھ مین آجاتے ہین اور تصویر کا چھوٹا ہوا حصہ نظر کے سامنے آجاتا ہے،

تنبیہ یہان یہ نکتہ نہایت توجہ کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ان موقعون پر غلطی کا سخت احتمال ہے، اکثر اشعار جو پیچیدہ اور ناقابل فہم ہو جاتے ہین اسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ شاعر مضمون کا بعض حصہ چھوڑ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ گردوپیش کا

مصالحہ اس خلو کو بھر دے گا، حالانکہ وہ اسکو نہین بھر سکا اسی قسم کے اشعار بعض جگہ مہمل بنجاتے ہین،

مخالف پہلو کا دکہانا، محاکات کی تکمیل بعض اوقات مخالف پہلو دکہانے سے ہوتی ہے ایک سفید چیز کے سامنے سیاہ چیز رکھدی جائے توسفیدی اور زیادہ نمایان ہوجائیگی اسی طرح اکثر کسی حالت کے زیادہ نمایان کرنے مین یہ طریقہ کام آتا ہے کہ اس کا مخالف پہلو دکھایا جائے مثلاً

مخالف پہلو کا دکہانا

برہنہ دوان، دخت افراسیاب	افراسیاب کی بیٹی ننگی
بر رستم آمد، دو دیدہ پُر آب	رستم کے پاس دوڑتی اور روتی آئی،

منیژہ افراسیاب کی بیٹی تھی جو بیژن پر عاشق ہوگئی تھی اور اس جرم پر افراسیاب نے اسکو گھر سے نکال دیا تھا جب اسنے رستم کا آنا سنا تو اسکے پاس روتی ہوئی گئی، اس موقعہ پر فردوسی کو منیژہ کی بیکسی اور غربت کی تصویر دکہانی ہے، اسلئے ایک طرف تو اُسکو دخت افراسیاب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے تاکہ اسکی عزت اور حرمت کا تصور سامنے آئے دوسری طرف کہتا ہے کہ وہ ننگی دوڑتی ہوئی آئی جس سے اس کی ذلت ثابت ہوتی ہے۔ ان دونون پہلو کے دکھانے سے منیژہ کا بیکس اور قابل رحم ہونا مجسم بنکر سامنے آجاتا ہے،

منیژہ منم دخت افراسیاب	مین افراسیاب کی بیٹی منیژہ ہون،
برہنہ ندیدہ تنم آفتاب	میرا جسم آفتاب نے بھی برہنہ نہین دیکھا

برائے یکے بیثرن شور بخت — کم بخت بیثرن کے لئے،

فتادم ز تاج و فتادم ز تخت — میرا تاج اور تخت سب جاتا رہا،

یہ دونون شعر بھی اسیوجہ سے موثر ہین کہ متقابل حالتین پیش کی ہین یعنی جسکو آفتاب نے برہنہ نہین دیکھا وہ ایک بدبخت کی وجہ سے اس حالت مین گرفتار ہے،

تشبیہ کے ذریعہ سے محاکات محاکات کا ایک بڑا آلہ تشبیہ ہے، اکثر اوقات ایک چیز کی اصلی تصویر جسطرح تشبیہ سے دکھائی جا سکتی ہے دوسرے طریقہ سے ادا نہین ہو سکتی لیکن چونکہ تشبیہ کی بحث آگے تفصیل سے آئیگی اسلئے اس موقع پر ہم اسکو قلم انداز کرتے ہین،

مبہم طریقہ سے محاکات اگرچہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین محاکات کا کمال یہی ہے کہ اس چیز کی پوری تصویر کھینچی جائے جسکا طریقہ یہ ہے کہ تمام جزئیات کا استقصا کیا جائے یا بعض جزئیات کو نمایان کرکے دکھایا جائے، لیکن بعض جگہ محاکات کے موثر ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ تصویر ایسی دھندلی کھینچی جائے کہ اکثر حصے اچھی طرح نظر نہ آئین،

مبہم طریقہ سے محاکات

عالم ارواح یا ملائکہ کی جو فرضی تصویر کھینچی جاتی ہے، اس مین صورتو نکو واور لباس کو نمایان نہین کرتے، کیونکہ انسان پر ایک شے کی عظمت کا اثر اُسوقت زیادہ پڑتا ہے جب وہ اچھی طرح نظر نہ آئے، ذخّار سمندر کی تصویر اسطرح کھینچتے ہین کہ موجین، اور آسمان کی فضا دھندلی نظر آئے، اندھیری راتون مین دور سے جنگل مین کوئی دھندلا سا عکس نظر آتا ہے تو انسان ہیبت زدہ ہو جاتا ہے کہ معلوم نہین کس درجہ کی مہیب چیز ہے،

[library stamp] ۱۱۸

اسی طرح بعض اوقات جب کسی چیز کی عظمت کی تصویر کھینچنی مقصود ہوتی ہے تو تصویر کے حصے نمایان نہین کئے جاتے اور واقعہ کے تمام اجزا ذکر نہین کرتے، برک نے لکھا ہے کہ ملٹن کی پیرڈائز لاسٹ (گم شدہ فردوس) مین سب سے زیادہ شاعری اس موقع پر صرف کی گئی ہے جہان شیطان کی تعریف ہے اور وہان اسی طریقہ سے کام لیا گیا ہے

فارسی مین اسکی مثال حسب ذیل ہے،

مگر شہ نداند کہ در روز جنگ	کیا بادشاہ نہین جانتا کہ لڑائی کے دن
چہ سرہا بریدم در اقصائے زنگ	جبش مین مین نے کتنے سر کاٹے تک
بہ یک تاختن تا کجا تاختم	حملہ مین کہان سے کہان پہنچ گیا
چہ گردن کشان را سر انداختم	کتنے گردن کشون کے سر اڑادیے،

یہ وہ موقع ہے جہان سکندر نے دارا کو خط لکھا ہے اور اپنے کارنامے بیان کرتا ہے اگر اس موقع پر یہ بتا دیتا کہ وہ کہان سے کہان تک گیا تھا تو وہ بات نہ پیدا ہوتی جو اس اجمال سے ہوتی ہے، ع

بہ یک تاختن تا کجا تاختم

تخئیل کی تفصیلی بحث اگرچہ محاکات اور تخئیل دونون شعر کے عنصر ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل تخئیل کا نام ہے محاکات مین جو جان آتی ہے تخئیل ہی سے آتی ہے ورنہ خالی محاکات نقالی سے زیادہ نہین، قوت محاکات کا یہ کام ہے کہ جو کچھ دیکھے یا سنے اسکو الفاظ کے ذریعہ سے بعینہ ادا کردے، لیکن ان چیزون مین

ایک خاص ترتیب پیدا کرنا، تناسب اور توافق کو کام مین لانا، اُنپر آب ورنگ چڑھانا، قوت تخئیل کا کام ہے، قوت تخئیل مختلف صورتون مین عمل کرتی ہے،

قوت تخئیل ایک نیا عالم پیدا کرتی ہے

(۱) شاعر کی نظر مین عالم کائنات، قوت تخئیل سے ایک اور عالم بنجاتا ہے، ہم کائنات کی دو قسمین کرتے ہین، حساس، اور غیر حساس لیکن شاعر کے عالم تخئیل کا ذرّہ ذرّہ جاندار اور ہوش وعقل وجذبات سے لبریز ہے، آفتاب، ماہتاب، ستارے، صبح، شام شفق، باغ، پھول، پتّے، سب اُس سے ہمزبانی کرتے ہین، سب اسکے رازدار ہین، سبسے اُسکے تعلقات ہین، وہ شب وصل اور صبح وصل سے یون خطاب کرتا ہی،

اے شب! اگرت ہزار کاراست مرو	اے رات تجھکو آج ہزارون کام سہی لیکن نہ جا
وے صبح گرت ہزار شادی است مخند	اے صبح! تجھکو ہزارون خوشیان سہی لیکن نہ ہنس

شب وصل مین وہ آسمان سے کہتا ہے،

نہ گویم اے فلک کز کجروی ہایت فجر گردی	اے آسمان مین تجھسے یہ تو نہین کہتا کہ تو اپنی کجروی سے باز آ
شب وصل است، خواہم این قدر آہستہ تر گردی	لیکن اتنا کہ آج شب وصل ہے، ذرا آہستہ چل کر جلدی صبح نہو

عالم فطرت شاعر کے اثر مین ہے، وہ سب پر حکومت کرتا ہے اور ان سے کام لیتا ہے، اسکو اپنے ممدوح کے تاج پر موتی ٹانکنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو کارکنانِ فطرت کے نام احکام صادر کرتا ہے،

عَلم برکش اے آفتاب بلند	اے آفتابِ بلند ہو
خرامان شو، اے ابر مشکین پرند	اے بادل چل،

ببار اے ہوا، قطرۂ ناب را	اے ہوا پانی برسا،
بگیر اے صدف، دُر کن آن آب را	اے سیپ اُس پانی کے قطرہ کو موتی بنا،
برآ اے دُر از قعرِ دریاے خویش	اے موتی دریا کی تہ سے نکل
بہ تاجِ سرِ شاہ کن جاے خویش	اور بادشاہ کے تاج پر جاکر جگہ لے،

افرادِ کائنات، اس سے عجیب عجیب راز کہتے ہین، مثلاً

گلے خوشبوے در حمام روزے	مجھکو ایک دن، ایک دوست
فتاد از دستِ محبوبے بدستم	نے، خوشبودار مٹی دی،
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	مین نے اُس سے کہا تو مشک ہی یا عبیر
کہ از بوے دل آویزِ تو مستم	کہ مین تیری خوشبو سے مست ہوا جاتا ہون
بگفتا من گلے ناچیز بودم	بولی کہ مین ایک ناچیز مٹی تھی،
ولیکن مدتے با گُل نشستم	لیکن چند روز پھول کی صحبت مین رہی
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد	ہمنشین کا جمال مجھ مین اثر کر گیا،
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم	ورنہ مین تو اب بھی وہی مٹی ہون جو پہلے تھی

اسی عالم کا ایک اور واقعہ ہے،

یکے قطرہ باران ز ابرے چکید	پانی کا ایک قطرہ بادل سے ٹپکا،
خجل شد چو پہناے دریا بدید	دریا کا پاٹ دیکھکر شرمایا،
کہ جاے کہ دریاست من کیستم	کہ دریا کے ہوتے مین کیا چیز ہون،

گر او ہست حقا کہ من نیستم،	اگر دریا ہے تو مین نہین ہون،
چو خود را بہ چشم حقارت بدید	چونکہ اسنے اپنے آپ کو حقیر سمجھا
صدف در کنارش بجان پرورید	اسلیے سیپ نے اسکو اپنی گود مین پالا

اس عالم مین شاعر کی تاریخ زندگی عجب دلچسپیون سے بھری ہوتی ہے، بلبل نے اسی عالم مین اس سے زمزمہ سنجی کی تعلیم پائی ہے، پروانے اسکے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہین، شمع سے رات رات بھر وہ سوز دل کہتا رہا ہے، نسیم سحری کو اکثر اُسنے قاصد بنا کر محبوب کے یہان بھیجا ہے، بارہا اُسنے غنچہ کی عین اُسوقت پردہ دری کی جب وہ معشوق کا تبسم چرُا رہا تھا،

شاعر کا احساس، نہایت لطیف، تیز اور مشتعل ہوتا ہے، عام لوگون کے جذبات بھی خاص خاص حالتون مین مشتعل ہوجاتے ہین، اور اس وقت وہ بھی مظاہر قدرت سے اسی طرح خطاب کرنے لگتے ہین، خیال کرو ایک عورت جس کا جوان بیٹا مر گیا ہے کس کسطرح موت کو، آسمان کو، زمین کو کوسنے دیتی ہے، کسطرح ان سے خطاب کرتی ہے، اسکو صاف نظر آتا ہے کہ یہ سب اسکے دشمن ہین، انہی نے اسکے پیارے بیٹے کو اس سے چھین لیا ہے، اُنھون نے دانستہ اُسپر ظلم کیا ہی،

لیکن شاعر کے تمام احساسات اور جذبات، سریع الانفعال، سریع الحس، اور زود اشتعال ہوتے ہین، وہ معشوق کی گلی مین جاتا ہے، تو اسکو علانیہ در و دیوار سے ایک لذت محسوس ہوتی ہے، اسکو وہ ایک خاص علامت قرار دیتا ہے

کہ معشوق گھر مین موجود ہے، کیونکہ جب کبھی معشوق گھر مین نہین ہوتا تو اُسکو یہ لذت نہین محسوس ہوتی اسی بنا پر شاعر کہتا ہے،

مگر از خانہ برون بود کہ شب در کویش ‌ ‌ ‌ ‌ شاید وہ کل گھر مین نہ تھا، کیونکہ کل مجھ کو،
ہیچ ذوقم زنگاہ در و دیوار نہ بود ‌ ‌ ‌ ‌ در و دیوار کے دیکھنے سے کچھ لذت نہین ملتی تھی،

واقعات عالم پر جب وہ عبرت کی نظر ڈالتا ہے تو ایک ایک ذرہ ناصح بنکر اسکو اخلاق اور عظمت کی تعلیم دیتا ہے، اس عالم مین وہ گور غریبان مین جا نکلتا ہے تو بوسیدہ ہڈیان علانیہ اُس سے خطاب کرتی ہین،

کہ زنہار، اگر مردے، آہستہ تر، ‌ ‌ ‌ ‌ بھائی! ذرا دیکھ کر چل،
کہ چشم و بناگوش در روے است و سر ‌ ‌ ‌ ‌ یہان آنکھین ہین، چہرے ہین سر ہین،

عالم شوق مین وہ پھول ہات مین اُٹھا لیتا ہے تو اسکو صاف معشوق کی خوشبو آتی ہے اور پھول سے مخاطب ہو کر کہتا ہے،

اے گل بہ تو خرسندم تو بوے کسے داری

یہ باتین کسی اور کی زبان سے ادا ہون تو ہم اسکو مجنون سمجھین گے، لیکن شاعر اس انداز سے کہتا ہے کہ سننے والون پر اثر ہوتا ہے، کیونکہ جو کچھ وہ کہتا ہے، اثر مین ڈوبا ہوتا ہے اور حقیقی حالت کی تصویر ہوتا ہے،

شاعر بعض وقت خود اقرار کرتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے ممکن ہے کہ وہ واقعی نہو، صرف اسی کو ایسا نظر آتا ہے، لیکن اس بات کو بھی وہ اس انداز سے کہتا ہے کہ

اسکے متاثر ہونے سے سب متاثر ہو جاتے ہین، مثلاً

دار دجمال روے تو، امشب تماشاے دگر — تیرا حسن ہی آج کی رات کچھ بڑھ گیا ہے،

یا آن کہ من مے بینیش، بہتر زشبہاے دگر — یا کچھ مجھی کو اور راتونکی بہ نسبت زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے

(۲) یہ نہین خیال کرنا چاہیے کہ تخئیل صرف خیالی اور سیمیادی صورتون کا نام ہے جو جذبات کے طاری ہونے کے وقت نظر آتی ہین، تخئیل نے اکثر وہ راز کھولے ہین جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نظر سے بھی مخفی تھے۔ وقت آفرینی، اور حقیقت سنجی جو فلسفہ کی بنیاد ہے تخئیل ہی کا کام ہے، اسی بنا پر **شاعری** اور **فلسفہ** دو برابر درجہ کی چیزین تسلیم کی گئی ہین، کیونکہ دونون مین تخئیل یکسان کام کرتی ہے، ہومر یونان کا مشہور شاعر اُس زمانہ مین تھا جب یونان مین فلسفہ کا وجود بھی نہ تھا اور اس وجہ سے وہ فلسفہ وغیرہ سے ناآشنا تھا، تاہم ارسطو نے اپنی کتاب المنطق مین شاعری کے جو علمی اصول منضبط کیے اسی کے کلام سے کیے ہین، چنانچہ ہر جگہ اسکے حوالے دیتا ہے، گیزو جو فرانس کا مشہور مصنف ہے لکھتا ہے،

ہومر کے شعر مین جو یہ باتین نظر آتی ہین کہ وہ خیر اور شر، ضعف اور قوت، فکر اور جذبات کو ساتھ ساتھ دکھاتا ہے، اور خیالات اور اقوال کا تنوّع اور فطرت کے حالات کو اس وسعت اور رنگ برنگ طریقون سے لکھتا ہے کہ شاعرانہ جذبات کو اشتعال ہوتا ہے جسکی نظیر نہین ملسکتی، اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے کلام مین ہر اصل کی اصل اور انسان اور عالم کائنات کی حقیقت

مندرج ہے،[1]

ارسطو نے علم الاخلاق پر جو کتاب لکھی اور جو محقق طوسی اور جلال الدین دوانی کے ذریعہ سے فارسی زبان مین آگئی ہے، ہمارے سامنے ہے، لیکن شاعری نے فلسفۂ اخلاق کے جو نکتے ادا کئے ارسطو کی کتاب مین نہین ملتے، نہ صرف اخلاق بلکہ واردات قلبی، فطرت انسانی، عام معاشرت کے متعلق، شعرا نے جو فلسفیانہ نکتے پیدا کئے، فلسفہ کی کتابین اُن سے خالی ہین،

تخییل مسلّم اور طے شدہ باتون کو سرسری نظر سے نہین دیکھتی بلکہ دوبارہ اُن پر تنقید کی نظر ڈالتی ہے اور بات مین بات پیدا کرلیتی ہے، مثلاً اہل منطق نے تمام چیزون کی دو قسمین کی ہین، **بدیہی** اور **نظری**، بدیہی اُن چیزون کو کہتے ہین جو غور اور فکر کی محتاج نہین، اس بنا پر وہ بدیہیات کے متعلق غور و فکر کو ضروری نہین سمجھتے لیکن شاعر کہتا ہے،

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ	ہر شخص راز کا شناسا نہین ورنہ
این ہا ہمہ راز است کہ مفہوم عوام است	یہ چیزین جو عوام کی معلومات ہین سب کے سب راز ہین

سیکڑون مسائل کو لوگ یقینی اور بدیہی سمجھتے تھے لیکن آج جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ وہ غلط تھے اسلئے غور و فکر کے محتاج تھے،

جدید سائنس نے آج ثابت کیا کہ ہر شے متحرک ہے، جن چیزونکو ہم ساکن سمجھتے

[1] مقدمہ ترجمہ الیڈ بزبان عربی مطبوعہ مصر صفحہ ۶۲-

ہین اِن کے بھی ذرات متحرک ہین گو ہم کو محسوس نہین ہوتے، ہمارے شاعر نے آج سے دو برس پہلے شاعرانہ انداز مین کہا تھا،

موجیم کہ آسودگیٔ ما عدم ما است — ہم موج ہین، ہمارا ٹھہر جانا ہمارا فنا ہوجانا ہے

زندہ بہ آنیم کہ آرام نہ گیریم — ہماری زندگی یہی ہے کہ ہم چین سے نہ بیٹھین،

فلسفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام عالم مین متضاد چیزین ہین اور اُن مین مقابلہ اور مزاحمت ہے، مثلاً حرارت و برودت، سکون و حرکت، انحلال و ترکیب، بہار و خزان ظلمت و نور، عزت و ذلت، صبر و غضب، عفت و فسق، جود و بخل، انھی کی باہمی کشمکش اور موازنہ سے یہ عالم قائم ہے، ورنہ اگر ان مین صلح ہوجائے یعنی صرف ایک نوع کی چیزین رہ جائین تو عالم برباد ہوجائے، اس نکتہ کو مولانا روم نے ان مختصر لفظون مین ادا کر دیا، ع

این جہان جنگ است کُل چون بنگری

عام طور پر مسلّم ہے کہ بحث و تقریر اور مناظرہ و مکالمہ کے لئے بڑی لیاقت درکار ہے لیکن خواجہ عطار فرماتے ہین،

باز باید فہم و عقل بے قیاس — تا شود خاموش یک حکمت شناس

یعنی بولنے کے لئے جسقدر عقل درکار ہے چُپ رہنے کیلئے اس سے بھی زیادہ عقل درکار ہے، کیونکہ جب انسان تحقیق اور تجربہ کے تمام مراحل طے کر چکتا ہے اُسوقت اسکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اسنے اب تک جانا سب ہیچ تھا، چنانچہ

سقراط سے جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو اتنے دنوں کی غور وفکر کے بعد کیا معلوم ہوا؟ تو اُسنے کہا، "یہ معلوم ہوا کہ کچھ نہین معلوم ہوا"

اور جب یہ مرتبہ حاصل ہوگا تو خواہ مخواہ انسان چپ ہو جائے گا، اسلئے چپ ہونے کے لئے بولنے سے زیادہ عقل اور تجربہ درکار ہے،

جبر وقدر کے مسئلہ مین بڑے غور اور فکر کے بعد ارباب اختیار نے یہ استدلال کیا تھا کہ ہمارا ارادہ ہمارا اختیاری فعل ہے، اسلئے ہم مجبور نہین بلکہ مختار ہین، لیکن سحابی نے اس استدلال کی غلطی کا پردہ اسطرح فاش کیا،

بے حکمش نیست ہر چہ سر زد از ما — مامورۂ اوست نفس امارۂ ما

یعنی یہ ہمارا اختیار بھی مجبوری ہے ہمارا نفس ہمکو بے شک حکم دیتا ہے لیکن اس حکم دینے مین وہ خود کسی اور کا محکوم ہے غرض اس قسم کے سیکڑون ہزارون نکتے ہین جو قوت تخئیل نے حل کئے ہین، فلسفیانہ شاعری پر جہان ریویو آئے گا وہان اسکی مثالین کثرت سے ملین گی،

قوت تخئیل کی استدلال کا طریقہ عام استدلال سے الگ ہوتا ہے وہ اُن باتون کو جو اور طرح سے ثابت ہو چکی ہین نئے طریقے سے ثابت کرتی ہے، یہ طریقہ استدلال کو ایک قسم کا منطقی مغالطہ ہوتا ہے، یا خطابیات پر مبنی ہوتا ہے لیکن قوت تخئیل کے عمل سے شاعر اسکو اس انداز مین بیان کرتا ہے کہ سامع اسکی صحت و غلطی کی طرف متوجہ نہین ہوسکتا، بلکہ اسکی دلفریبی سے مسحور ہو جاتا ہے اور بے ساختہ آمنّا

بول اُٹھتا ہے،

مثلاً یہ بات کہ جو لوگ رسیدہ اور صاحب کمال ہوتے ہین وہ خاکسار ہوتے ہین اسکو شاعر اسطرح ثابت کرتا ہے،

۱ فروتنی است دلیل رسیدگان کمال — خاکساری، کامل ہونے کی دلیل ہے،
کہ چون سوار بہ منزل رسد پیادہ شود — کیونکہ سوار جب منزل پر پہنچ جاتا ہے تو پیادہ ہو جاتا ہے

۲ عزت شاہ و گدا از یر زمین یکسان است — می کند خاک برائے ہمہ کس جا خالی،

قبر مین جاکر بادشاہ اور فقیر سب برابر ہو جاتے ہین اور سب کی عزت یکسان رہ جاتی ہے، اس دعوے کو شاعر یون ثابت کرتا ہے، کہ دیکھو زمین سب کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہے (جگہ خالی کرنا تعظیم کو کہتے ہین)،

۳ روشندلان خوشامد شاہان نہ کردہ اند — آئینہ عیب پوش سکندر نمی شود

یعنی جو لوگ روشندل اور صاف طینت ہین وہ بادشاہون اور امیرون کی خوشامد نہین کرتے، اسکا ثبوت یہ ہے کہ آئینہ نے سکندر کی عیب پوشی نہین کی حالانکہ (بقول شاعر) آئینہ سکندر ہی کی ایجاد ہے،

۴ قطع امید کردہ نخواہد نعیم دہر — شاخ بریدہ را نظرے بر بہار نیست

یعنی جس نے امید قطع کر لی اُسکو پھر دنیا کے عیش اور آرام کی پروا نہین رہتی جو شاخ درخت سے کاٹ لی جاتی ہے اُسکو بہار کا انتظار نہین ہوتا،

۵ روشندلان، حباب صفت دیدہ بستہ اند — روزن چہ احتیاج اگر خانہ تار نیست

یعنی جو لوگ روشندل ہین وہ ظاہری آنکھین بند کر لیتے ہین، اور دل کی آنکھون سے دیکھتے ہین، چنانچہ حضرات صوفیہ کے تمام ادراکات قلبی واردات ہوتے ہین جنکو ظاہری بینائی سے کوئی تعلق نہین، اسکو شاعر اسطرح ثابت کرتا ہے کہ گھر اگر خود روشن ہی تو موکھے اور دریچے کی کیا ضرورت ہے جس طرح حُباب کا گھر کہ خود روشن ہے اسلئے اسمین روزن اور موکھا نہین ہوتا،

تخئیل کا سلسلہ اسباب و ا

علت و معلول اور اسباب و نتائج کا عام طرح پر جو سلسلہ تسلیم کیا جاتا ہی شاعر کی قوت تخئیل کا سلسلہ اس سے بالکل الگ ہی، وہ تمام اشیا کو اپنے نقطۂ خیال سے دیکھتا ہے اور یہ تمام چیزین اسکو ایک اور سلسلہ مین مربوط نظر آتی ہین ہر چیز کی غرض، غایت، اسباب، محرکات، نتائج، اسکے نزدیک وہ نہین جو عام لوگ سمجھتے ہین، مثلاً

در عدم، ہم ز عشق شورے ہست — گل گریبان دریدہ می آید

پھول جو کھلتا ہے اُسکو گریبان دریدہ کہتے ہین، شاعر کہتا ہی کہ عدم مین بھی عشق کا چرچا ہے اور وہان بھی لوگ عشق اور محبت کے جوش مین کپڑے پھاڑ ڈالتے ہین چنانچہ پھول جو عالم عدم سے آیا ہے گریبان دریدہ آیا ہے،

بُرقع بہ رخ افگندہ برد ناز بہ باغش — تا نکہتِ گل بیختہ آید بہ دماغش

معشوق جالی کا نقاب پہنکر باغ کی سیر کو نکلا، شاعر کو قوت تخئیل سے یہ نظر آتا ہے، کہ معشوق چونکہ نہایت نازک اور لطیف الطبع ہے اسلئے چاہتا ہے کہ پھولون کی خوشبو دماغ مین آئے تو چھنکر آئے اسلئے اسنے جالی کا نقاب پہن لیا ہے،

زاہد ز خدا ارم بہ دعوے طلبد　　　　شداد ہمانا، پسرے داشتہ است

شاعر کو معلوم ہے کہ شداد ایک شخص تھا جس نے ایک بہشت بنائی تھی، اور اُسکا نام ارم رکھا تھا، فرشتے خدا کے حکم سے اس بہشت کو اڑالے گئے اور اب وہ اور بہشتون کے ساتھ شامل ہے شاعر کو یہ بھی معلوم ہے کہ زاہد دن کو دعوےٰ ہوتا ہے کہ اُنکو جنت ضرور ملے گی، اب شاعر کی قوت تخئیل یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے کہ کہ غالباً زاہد شداد کے خاندان مین ہے اسلئے اُسکو دعوی ہے کہ بہشت چونکہ اُسکے مُورث (شدّاد) کا ترکہ ہے اس لئے اسکو وراثت مین ضرور ملے گی،

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست　　　　زمانہ کی وضع، دوبارہ دیکھنے کے قابل نہین

رو پس نہ کرد ہر کہ ازین خاکدان گذشت　　　　اسی لئے جو یہان سے جاتا ہی پھر واپس نہین آتا

یہ سب جانتے ہین کہ کوئی شخص مر کر زندہ نہین ہوتا، شاعر کے نزدیک اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے مکروہات اس قابل نہین کہ کوئی شخص اسکو ایک دفعہ دیکھکر دوبارہ دیکھنا چاہے، اسلئے جو شخص دنیا سے جاتا ہی پھر واپس نہین آتا،

سیہ مردم دون را کند خریداری　　　　بخیل سوے متاعے رود کہ ارزان است

اکثر نالائق لوگ بڑے مرتبہ پر پہنچ جاتے ہین، شاعر کے نزدیک اسکی یہ وجہ ہے کہ بخیل جب کوئی چیز خریدنے کو بازار مین جاتا ہے تو سستی ہی چیزونکی طرف جھکتا ہے، اسلئے زمانہ بھی کمینے اور نالائق آدمیونکی طرف توجہ کرتا ہی،

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　　　تم نے دیکھا! پروانہ کے خون نے شمع کو

چندان امان نداد کہ شب را سحر کند — اتنی بھی مہلت نہ دی کہ ایک رات بھی زندہ رہنے پاتی

پروانہ شمع پر گر کر جل جاتا ہے، شمع صبح کے وقت بجھا دیجاتی ہے اب شاعر کی قوت تخئیل ان واقعات سے یہ نتیجہ پیدا کرلیتی ہے کہ یہ وہی پروانہ کا انتقام ہے کہ شمع ایک رات بھی زندہ نہ رہنے پائی،

قوت تخئیل ایک چیز کو سو سو دفعہ دیکھتی ہے اور ہر دفعہ اُسکو اُسمین ایک نیا کرشمہ نظر آتا ہے، پھول کو تمنے سیکڑون بار دیکھا ہوگا اور ہر دفعہ تمنے صرف اسکی رنگ و بو سے لطف اُٹھایا ہوگا، لیکن شاعر قوت تخئیل کے ذریعہ سے ہر بار نئے نئے پہلو سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ اسکو نیا عالم نظر آتا ہے، وہ اسکی خوشبو سے لطف اُٹھاتا ہی تو بے ساختہ معشوق کی بوے خوش یاد آجاتی ہے اور کہتا ہے، ع

اے گل بتو خرسندم تو بوے کسے داری — اے پھول مین تجھسے خوش ہون تجھسے کسی کی خوشبو آرہی ہے

وہ دیکھتا ہے کہ دو ہی چار روز کے عرصہ مین پھول کا درخت اُگا، کلی پھوٹی، پھول کھلا، اور پھر خشک ہو کر گر پڑا، اس سے اُسکو زمانہ کی بیوفائی کا خیال آتا ہے اور کہتا ہے،

بے مہری دہر بین کہ در یک ہفتہ — زمانہ کی سردمہری دیکھو کہ ایک ہی ہفتہ مین

گل سر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت — پھول نے سر نکالا، غنچہ ہوا، کھلا اور پھر گر پڑا،

پھول پر شبنم دیکھتا ہے تو کہتا ہے،

نہ شبنم است چمن را بروئے آتشناک — عرق زروئے توکردہ است گل بدامن پاک

یعنی شبنم نہین ہے بلکہ پھول نے اپنے دامن سے معشوق کے چہرہ کا پسینہ پونچھا ہے، ہری بھری ٹہنی مین پھول دیکھے توخیال پیدا ہوا کہ شراب کے لال لال گلاس مین اپھر یہ رشک ہوا کہ کاش مین بھی ایک ہاتھ مین اسقدر گلاس لے سکتا اس خیال کو یون ادا کرتا ہے

دیدہ ام شاخ گلے بر خویش مے پیچم کہ کاش — مین نے ایک پھول کی شاخ دیکھی مجھکو رشک آتا ہے کہ
می توانستم بہ یک دست این قدر ساغر گرفت — کاش مین بھی ایک ہات مین اتنے پیالے لے سکتا

پھول مین جو ریزے ہوتے ہین، اُنکو زرگُل کہتے ہین، کلی جب کھلتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرہ کھل رہی ہے ان دونون باتون کے مجموعہ سے شاعر نے یہ خیال پیدا کیا،

درچمن باد سحر، بوئے توسودا می کرد — باغ مین باد صبا، معشوق کی خوشبو فروخت کر رہی تھی
گل بہ کف داشت زر وغنچہ گرہ وا می کرد — اسلئے اسکو خریدنے کو پھول کے ہات مین زر تھا کلی گرہ کھول رہی تھی

اوچھے اور کمظرف لوگون کا قاعدہ ہے کہ ہر شخص سے پہلی ہی ملاقات مین بے تکلف ہوجاتے ہین اور کھُل کھیلتے ہین، لیکن باوقار لوگ جب کسی مجلس مین پہلے پہل شریک ہوتے ہین تو رُکے رُکے رہتے ہین، شاعر نے دیکھا کہ پھول جب نکلتا ہے تو غنچہ ہوتا ہے پھر کھل کر پھول بن جاتا ہے، اس سے اسکو خیال پیدا ہوا کہ یہ وہی اصول ہے چنانچہ کہتا ہے،

در مجلسے کہ تازہ در آئی گرفتہ باش   اوّل بباغ غنچہ، گرہ بر جبین زند

گرفتہ کے معنی "رکے رہنے" کے ہین، گرہ جبین زدن بھی اسکے قریب ہی شعر کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس مین پہلے پہل جاؤ تو خودداری کے ساتھ بیٹھو، غنچہ جب باغ مین آتا ہے تو اسکی پیشانی پر گرہ ہوتی ہے،

پھول کے پتہ کو ہوا مین اُڑتے دیکھا، تو خیال پیدا ہوا کہ باغ نے خط دیکر معشوق کے پاس قاصد بھیجا ہے،

برگِ گل را بکف بادِ صبا مے بینم   بادِ صبا کے ہات مین پھول کا پتہ نظر آتا ہے، غالباً

باغ ہم جانب او نامہ برے پیدا کرد   باغ نے معشوق کے ہان قاصد بھیجا ہے،

سُرخ سُرخ پھول دیکھے، تو خیال ہوا کہ باغ مین چراغان کیا گیا ہے، اوپر بادل نظر پڑے تو سمجھا کہ یہ اسیکا دھوان ہے،

ابر در صحن چمن دودِ چراغان گل است،

اگلے زمانہ مین دستور تھا کہ جب کوئی کتاب یا کاغذ بے کار ہو جاتا تھا تو اسکو پانی سے دھو ڈالتے تھے، شاعر نے پھول کا پتہ پانی مین تیرتا ہوا دیکھا تو خیال پیدا ہوا کہ

دفترِ حسن بہار است کہ در عہدِ تو شست   برگِ گل نیست کہ از بادہ در آب افتادہ ہست

یعنی یہ پھول کا پتہ نہین جو پانی مین نظر آرہا ہے، بلکہ بہار نے معشوق کا حُسن دیکھکر اپنے حُسن کا دفتر پانی سے دھو ڈالا،

کسی خوش رو حسین کے ہاتھ مین پھول دیکھا تو اُس سے زیادہ خوشنما معلوم ہوا جتنا اُسوقت معلوم ہوتا تھا، جب وہ ٹہنی مین تھا، اس بنا پر کہتا ہے،

زغارت چمنت، بر بہار منت ہا است — تو نے باغ کو لوٹا بہار پر احسان کیا کیونکہ تیرے ہاتھ مین

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند — پھول اُس سے زیادہ خوشنما ہی جتنا پہلے تھا یعنی جب ٹہنی مین تھا

بو پھٹتے جو روشنی پھیل جاتی ہے، اسکو شیر صبح کہتے ہین، تبسم اور ہنسی کو شیرین باندھتے ہین، صبح کے وقت پھولون کا کھلنا نہایت خوشگوار ہوتا ہے، ان باتون سے شاعر کی قوت تخئیل نے یہ خیال پیدا کیا،

شیرینی تبسم ہر غنچہ را مپرس — در شیر صبح خندۂ گل ہا شکر گذاشت

یعنی غنچہ کے تبسم مین جو شیرنی ہے اُسکا بیان نہین ہو سکتا یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیر صبح مین خندۂ گل نے شکر گھول دی ہے،

اس قسم کے سیکڑون خیالات ہین، جو قوت تخئیل نے صرف ایک پھول سے پیدا کیے، اس سے اندازہ کر سکتے ہو کہ قوت تخئیل کی موشگافیان اور دقیقہ آفرینیان کس حد تک ہین،

شاعر قوت تخئیل سے تمام اشیا کو نہایت دقیق نظر سے دیکھتا ہے وہ ہر چیز کی ایک ایک خاصیت ایک ایک وصف پر نظر ڈالتا ہے پھر اور اور چیزون سے انکا مقابلہ کرتا ہے، انکے باہمی تعلقات پر نظر ڈالتا ہے، انکے مشترک اوصاف کو ڈہونڈھکر ان سبکو ایک سلسلہ مین مربوط کرتا ہے، کبھی اسکے برخلاف

جو چیزین یکسان اور متحد خیال کی جاتی ہین ان کو زیادہ نکتہ سنجی کی نگاہ سے دیکھتا ہی اور ان مین فرق اور امتیاز پیدا کرتا ہے،

ذیل کی مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا،

چنان با دوست آمیزم بہ دل گرمی و جان سوزی | مین معشوق سے اسطرح شوق مین لپٹا ہون
کہ در ہنگام جانبازی بہ دشمن دشمن آمیزد | جسطرح لڑائی مین دشمن سے دشمن لپٹ جاتا ہے

دشمن کا دشمن سے، اور عاشق کا معشوق سے ملنا متضاد حالتین ہین، لیکن دونون مین شاعر نے قدر مشترک پیدا کیا، عاشق مدت کے بعد معشوق سے جب ملتا ہے تو جس جوشش اور تڑپ سے ملتا ہے، اسکی ظاہری ہئیت اُس سے مشابہ ہوتی ہے جب دشمن دشمن سے غصہ مین لپٹ جاتا ہے،

اے برہمن! چہ زنی طعنہ کہ در معبد ما | سبحۂ نیست کہ آن غیرت زنار تو نیست

برہمن طعنہ دیتا تھا کہ مسلمانون کے پاس زنار نہین، شاعر کہتا ہے کہ آجکل مسلمانون کے افعال اور اقوال وہی ہین جو کافرون کے ہین، اسلئے ان مین اور کافرون مین فرق نہین، اس بنا پر انکی تسبیح زنار سے کم نہین، زنار اور تسبیح بالکل مختلف بلکہ متضاد چیزین ہین، لیکن شاعر نے دونون کو قدر مشترک کے لحاظ سے دیکھا تو ایک نکلے،

نالہ مے کشم از درد تو گاہے لیکن | تا بہ لب میرسد از ضعف نفس میگردد

مُسلّماتِ شاعری مین ہے کہ معشوق عاشقون کی فریاد اور نالہ سے خوش

ہوتے ہین شاعر اس شعر مین معشوق سے خطاب کرتا ہے کہ تو مجھکو چپ دیکھکر
یہ سمجھتا ہے کہ مین نالہ نہین کرتا، لیکن یہ صحیح نہین، مین نالہ کرتا ہون لیکن ضعف اسقدر
ہے کہ لب تک آتے آتے وہی نالہ سانس بنکر رہجاتا ہے اس مین ضمناً یہ بھی ثابت
کرنا ہے کہ مین ہر وقت نالہ کرتا ہون کیونکہ میرا ہر سانس نالہ ہی ہے جو ضعف کی
وجہ سے سانس بن گیا ہے،

من آن نیم کہ حرام از حلال نشناسم　　　　شراب با تو حلال است و آب بے تو حرام

شراب اور پانی مختلف الحکم چیزین ہین، یعنی شراب حرام ہی اور پانی حلال،
شاعر کہتا ہے کہ دراصل دونون کا ایک ہی حکم ہے، معشوق کے ساتھ پی جائے
تو شراب اور پانی دونون حلال ہین، اور معشوق کے بغیر پی جائے تو دونون
حرام ہین، اس مضمون کو نہایت لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے، پہلے مصرع مین
کہتا ہے، کہ مین ایسا شخص نہین کہ حرام اور حلال کی مجھکو تمیز نہ ہو، یعنی مین فقہ
کے مسائل سے باخبر ہون، اور فقیہ ہون، پھر معشوق سے خطاب کرکے کہتا
ہے تیرے ساتھ شراب پی جائے تو حلال ہے اور پانی تیرے بغیر پیا جائے
تو حرام ہے، دونون حالتون مین دعوے کے ایک ایک جزُ کو چھوڑ دیا ہے
کہ کہنے کی حاجت نہین،

بہ تکلّم بہ خموشی بہ تبسم بہ نگاہ　　　　می توان برد بہ ہر شیوہ دل آسان از من

گفتگو اور سکوت بالکل متضاد چیزین ہین، لیکن چونکہ معشوق کا سکوت اور

گفتگو دونون دلربا ہین، اسلئے دل ربائی کے وصف کے لحاظ سے دونون یکسان ہین، اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے، اول تو متناقض چیزون کو اثر کے لحاظ سے یکسان ثابت کیا حالانکہ مختلف چیزون کا اثر مختلف ہونا چاہئے اسکے ساتھ "بہر شیوہ" سے یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ تکلم اور خموشی کی تخصیص نہین بلکہ معشوق کی جو ادا ہے دل کے چھیننے کے لئے کافی ہے، "آسان" کے لفظ سے یہ ثابت کرتا ہے کہ دل فطرۃً درد آشنا ہے کہ ہر ادا پر فوراً لوٹ جاتا ہی،

تخئیل کے لئے مواد

اکثر لوگون کا خیال ہے کہ تخئیل کے لئے معلومات و مشاہدات کی ضرورت نہین، یا ہے تو بہت کم کیونکہ تخئیل کا عمل واقعی موجودات پر موقوف نہین وہ خیالی باتون سے ہر قسم کا کام لے سکتی ہے، اسکی عمارت کے لئے محالات کا مصالحہ اُسیطرح کام آسکتا ہے، جسطرح ممکنات کا، وہ ایک چھوٹی سی چیز سے سیکڑون ہزارون خیالات پیدا کرسکتی ہے، چنانچہ اُن شعرا نے جنھون نے واقعات یا مشاہدات کو ہاتھ تک نہین لگایا خیالات کا گوناگون عالم پیدا کردیا، جلال اسیر، زلالی، شوکت بخاری، بیدل، ناصر علی وغیرہ نے صرف گل وبلبل سے دیوان طیار کردے اور شاعری کو چمنستان خیال بنا دیا،

لیکن یہ خیال نہایت غلط ہے اور اسی غلطی نے متاخرین کی شاعری کو تباہ کردیا، اولاً تو کوئی خیال مشاہدات اور واقعات کے بغیر پیدا نہین ہوسکتا جن چیزون کو ناممکن کہتے ہین اُنکا خیال بھی درحقیقت ممکن ہی کے مشاہدہ سے

پیدا ہوا ہے مثلاً ہم کہتے ہین کہ یہ "ناممکن ہو کہ ایک چیز ایک ہی وقت مین موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو" موجود اور معدوم الگ الگ ممکن ہین ان دونون کو ترکیب دیکے موجود معدوم ایک فرضی مفہوم بنایا تو محال ہو گیا لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس مرکب کے دونون اجزا الگ الگ ممکن ہین،

شاعری مین اکثر ناممکنات یا غیر موجود چیزون سے کام لیتے ہین مثلاً گھوڑے کی تیز روی کی تعریف کرتے ہین تو دریائے آتش کہتے ہین، ع

آتشے می دوید آب چکان

شراب کو یاقوت سیال سے تشبیہ دیتے ہین ابونواس شراب کے بلبلون کی تعریف مین کہتا ہے،

حصباء در علی ارضٍ من الذھب — سونے کی زمین پر موتی کے خزف ریزے ہین،

یہ سب چیزین فرضی ہین، لیکن انکا خیال واقعی ہی چیزون سے پیدا ہوا ہے، مثلاً آگ اور دریا الگ الگ واقعی اور خارجی چیزین ہین انھین دونون کو ملا کر "دریائے آتش" ایک خیالی مفہوم پیدا کر لیا گیا اور اس سے تیز گھوڑے کو تشبیہ دیگئی، اس سے ثابت ہوگا کہ کوئی خیال مشاہدات کے بغیر پیدا نہین ہو سکتا اسلئے تخئیل کی وسعت کیلئے واقعات کا کثرت سے ملاحظہ کرنا خواہ مخواہ لازمی ہے،

ابن الرومی عرب کا مشہور شاعر تھا، ایک دفعہ اسکو کسی نے طعنہ دیا کہ تم ابن المعتز سے بڑھکر ہو، پھر ابن المعتز کی سی تشبیہین کیون نہین پیدا کر سکتے؟ ابن الرومی

نے کہا کہ ابن المعتز کی کوئی تشبیہ سناؤ جسکا جواب مجھ سے نہ ہوسکا ہو، اسنے یہ شعر پڑہا،

فانظر الیہ کزورقٍ من فضۃٍ   قد اثقلتہ حمولۃٌ من عنبر

یہ شعر ماہ نو کی تعریف مین ہی، شعر کا مطلب یہ ہی کہ پہلی رات کا چاند ایسا ہے جسطرح ایک چاندی کی کشتی جسپر اسقدر عنبر لاد دیا گیا ہے کہ وہ دب گئی ہے، کشتی پر جب بار زیادہ ہوجاتا ہی تو اسکا زیادہ حصہ پانی مین اُتر جاتا ہے، اور صرف کنارے دکھلائی دیتے ہین اس لئے ماہ نو کو کشتی کے کنارے سے تشبیہ دی ہے، اور چونکہ آسمان کا رنگ نیلگون ہوتا ہے اسلئے قرار دیا کہ کشتی پر عنبر لدا ہوا ہے، ابن الرومی یہ سنکر چیخ اُٹھا کہ "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا"،

(خدا کسی کو اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہین دیتا) ابن المعتز بادشاہ اور بادشاہ زادہ ہے، گھر مین جو دیکھتا ہی وہی کہدیتا ہی مین یہ خیالات کہان سے لاؤن لہ،

چاندی اور عنبر کوئی نایاب چیز نہین لیکن چونکہ ابن الرومی نے چاندی سونے کے ظروف نہین دیکھے تھے اسلئے وہ چاندی کی کشتی کا خیال پیدا نہ کرسکا،

سیف الدولہ کا وہ مشہور قطعہ جسمین اُس نے قوس قزح کی تشبیہ دی ہے، اسکی نسبت عام اہل ادب لکھتے ہین کہ یہ بادشاہانہ تشبیہ ہے جو ہر ایک کے خیال مین نہین آسکتی، یعنی جب تک شاہانہ ساز و سامان نظر سے نہ گذرے ہون اس قسم کا خیال نہین پیدا ہوسکتا،

لہ عمدہ ابن رشیق جلد دوم صفحہ ۱۸۴،

ہمکو اس سے انکار نہین کہ ایک معمولی سے معمولی چیز پر قوت تخئیل مدتون صرف کی جا سکتی ہی اور سیکڑون مضامین پیدا کئے جا سکتے ہین جسکی محسوس مثال شعرائے متاخرین کی نکتہ آفرینیان ہین، لیکن اس کی مثال سرکس کے گھوڑے کی ہے جو ایک خیمہ کے اندر طرح طرح کے تماشے دکہا سکتا ہے، لیکن طے منازل مین، میدان جنگ مین، گھوڑ دوڑ مین کام نہین آسکتا، اسیطرح تخئیل کا عمل بھی ایک محدود دائرہ مین جاری رہ سکتا ہے، لیکن اسکی وسعت کیا ہوگی؟ اور ایسی شاعری کس کام آئیگی؟ وہ شاعری جو ہر قسم کے جذبات کا آئینہ بن سکتی ہو، جو فطرت انسانی کا راز کھول سکتی ہو، جو تاریخی واقعات کو دلچسپی کے منظر پر لا سکتی ہو، جو فلسفۂ اخلاق کے دقائق بتا سکتی ہو، اسکے لئے ایسا محدود تخئیل کیا کام آسکتا ہی، **تخئیل** جسقدر قوی باریک، متنوع اور کثیر العمل ہوگی اسیقدر اسکے لئے مشاہدات کی زیادہ ضرورت ہوگی، جسقدر بلند پرواز طائر ہوگا اُسیقدر اسکے لئے فضا کی وسعت زیادہ درکار ہوگی، **فردوسی** نے شاہنامہ لکھا تو سیکڑون ہزارون مختلف واقعات لکھنے پڑے، اسلئے قوت تخئیل کو پورا موقع ملا، یہی سبب ہی کہ شاہنامہ مین شاعری کے تمام انواع موجود ہین، مثلاً شاعری کا ایک بڑا میدان جذبات انسانی کا اظہار ہے، جذبات کے بہت سے انواع ہین، مثلاً محبت و عداوت، غیظ و غضب، حیرت و استعجاب، رنج و غم، پھران مین سے ایک ایک کے مختلف انواع ہین، مثلاً باپ بیٹے کی محبت، بھائی بھائی کی محبت، مان بیٹے کی محبت، زوجہ اور شوہر کی محبت، اہل وطن کی محبت

فردوسی کو یہ تمام مواقع ہاتھ آئے، اور ہر موقع پر وہ تخئیل سے کام لے سکا، چنانچہ
اُس نے جس جذبہ کا جہان پر اظہار کیا ہی، تخئیل کے عمل سے موثر اور جانگداز کردیا ہے
تفصیل ان باتون کی آگے آئے گی،

تخئیل کی بے اعتدالی

شعر کی اس سے زیادہ کوئی بدقسمتی نہین کہ تخئیل کا بیجا استعمال
کیا جائے، طبیعیات کے متعلق جسطرح یونانی حکما، کی قوتین بیکار گئین اور آجتک انکے
پیرو، ہیولیٰ اور صورۃ کی فضول بحثون مین اُلجھکر کائنات کا ایک عقدہ بھی حل نکر سکے، بعینہ
ہمارے متاخرین شعرا کا یہی حال ہوا، ان کی قوت تخئیل، قدما، سے زیادہ ہی، لیکن
افسوس بالکل رایگان صرف کی گئی، ایک شاعر کہتا ہے،

گو تہارا آشیانِ مرغ آتشخوارہ کرد   برق عالم سوز یعنی شعلۂ غوغائے من

اس شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کو پہلے ذہن نشین کرلینا چاہئے،

(۱) مرغ آتشخوارہ ایک پرند ہے جو آگ کہاتا ہی،

(۲) آہ اور فریاد مین چونکہ گرمی ہوتی ہی اس لئے آہ اور فریاد کو شعلہ سے تشبیہ
دیتے ہین،

(۳) مرغ آتشخوارہ وہان رہتا ہے جہان آگ ہوتی ہی شاعر کہتا ہی کہ میری فریاد
مین اسقدر گرمی ہے کہ کانون مین پہونچی تو وہان آگ پیدا ہو گئی، اس بنا پر مرغ آتشخوار
نے لوگون کے کانون مین جاکر گھونسلے بنا لئے ہین کہ یہان آگ نصیب ہوگی،

متاخرین کی اکثر نکتہ آفرینیان اسی قسم کی ہین، جسکی وجہ یہی ہے کہ قوت تخئیل کا

استعمال بیجا طور سے ہوا ہی، قوت تخیل کی بے اعتدالی کی تمیز اگرچہ صرف مذاق صحیح کرسکتا ہے، تاہم صرف مذاق صحیح کا حوالہ کافی نہین، اسلئے جہان تک ممکن ہی ہم کسی قدر اس کی تشریح کرتے ہین،

(۱) قوت تخیل کو سب سے زیادہ بے اعتدالی کا موقع مبالغہ مین ملتا ہے، یہ تسلیم کرلیا گیا ہی کہ مبالغہ کے لئے اصلیت اور واقعیت کی ضرورت نہین، اس بنا پر قوت تخیل جی کھول کر بلند پروازی دکھاتی ہے اور کجروی اور بیراہ روی کی اسکو پروا نہین ہوتی مثلاً ایک شاعر گھوڑے کی تعریف مین کہتا ہی،

بہ لوح سنگ نگیر د شبیہ او آرام　　　　بہ کشوریکہ درو نام تازیانہ برند

یعنی اگر کسی پتھر پر اس گھوڑے کی تصویر کندہ کرائی جائے، اور اُس ملک مین جہان یہ پتھر ہو، کوڑے کا نام لے لیا جائے، تو تصویر پتھر سے اُڑ جائے گی، اصل بات اسقدر تھی کہ گھوڑا اسقدر تیز ہے کہ کوڑے کے اشارے سے قابو مین نہین رہتا، اب مبالغہ کے مدارج دیکھو،

(۱) گھوڑے کی تیزروی کا اثر، تصویر تک مین آگیا ہی،

(۲) تازیانہ لگانے کی ضرورت نہین بلکہ تازیانہ کا نام لینا کافی ہے،

(۳) تصویر کے سامنے تازیانہ کا نام لینے کی ضرورت نہین بلکہ اُس ملک مین نام لے لینا کافی ہے،

(۴) پتھر پر کندہ ہونے کی حالت مین بھی تصویر مین یہ اثر ہے،

شاعر کو چونکہ ایک محال پر قناعت نہین اسلئے وہ محالات کی تہ پر تہ قائم کرتا جاتا ہی، لیکن یہ قوت تخئیل کی سخت بے اعتدالی ہے، قوت تخئیل کی خوبی یہ ہے کہ محال بات اس انداز سے ادا کی جائے کہ بظاہر ممکن بن جائے، مثلاً میر انیس اس موقع پر جہان حضرت **عباس** کا نہر کے پاس پہونچنا لکھا ہے، لکھتے ہین،

ابھرین ورود پڑھتی ہوئین مچھلیان بہم | بولے حباب آنکھون پہ شاہا ترے قدم
دریا مین روشنی ہوئی اجسم حضور سے | لے لین بلائین پنجۂ مرجان نے دور سے

مچھلیون کا درود پڑھکر ابھرنا، حباب کا بولنا، پنجۂ مرجان کا بلائین لینا، سب ناممکنات سے ہین، لیکن تخئیل کی طلسم سازی نے ایک واقعی تصویر پیش نظر کر دی ہے، شاعر نے اوّل تو ان واقعات کو اُس شخص کے متعلق لکھا ہے جسکے معجزہ کی بدولت (اُسکے نزدیک) سب کچھ ہو سکتا ہے، دوسرے، واقعہ کے بعض اجزا صحیح یا صحیح کے مشابہ ہین، مچھلیان پانی مین ابھرتی ہین، حباب آنکھ کے مشابہ ہوتا ہے، مرجان کی شکل پنجہ کی ہوتی ہے، ان باتون کی مجموعی حالت اور اسپر شاعر کی لطافت بیانی کیوجہ سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ واقعی حالت کی تصویر ہے،

(۲) وہ تخئیل اکثر بیکار اور بے اثر ہوتی ہے جس مین تمام عمارت کی بنیاد صرف کسی لفظی تناسب یا ایہام پر ہوتی ہے، متاخرین کی اکثر نکتہ آفرینیان اسی قسم کی ہین مثلاً ایک شاعر کہتا ہے،

ستانہ کشتگان تو ہر سو فتادہ اند | تیغ ترا مگر کہ بہ بے آب دادہ اند

شعر کا مطلب یہ ہے کہ "معشوق کی تلوار کے مارے ہوئے ہر طرف مست پڑے ہوئے ہین مستی کی وجہ یہ ہے کہ معشوق نے جس تلوار سے قتل کیا ہے اُسپر شراب کی باڑھ رکھی گئی تھی"

اس خیال کی تمام تر بنیاد "آب" کے لفظ پر ہے، آب تلوار کی چمک دمک اور باڑھ کو کہتے ہین، آب کے معنی پانی کے بھی ہین، شراب بھی پانی کیطرح سیال ہے، تلوار کی باڑھ کو پانی سے کوئی تعلق نہین بلکہ پانی سے تلوار کو زنگ لگ جاتا ہے، لیکن چونکہ باڑھ کو فارسی مین آب کہتے ہین اسلئے یہ قرار دیا کہ تلوار مین پانی ہے اور جہان پانی مستعمل ہوسکتا ہے شراب بھی ہوسکتی ہے اسلئے تلوار مین شراب کی باڑھ ہے، اسلئے مقتولین نشہ مین چور ہین، اس تمام عمارت کی بنیاد آب کے لفظ پر ہے، اس لفظ کے اگر دو معنی نہوتے تو یہ گورکھ دہندا قائم نہین رہ سکتا تھا،

سیکڑون ہزارون اشعار جو نازک خیالی کے نمونے سمجھے جاتے ہین انکی تمام تر بنیاد اسی قسم کی لفظی خصوصیتون پر ہے، چنانچہ انکا اگر کسی اور زبان مین ترجمہ کردیا جائے تو تخئیل بالکل باطل ہوجاتی ہے،

مرزا دبیر تلوار کی تعریف مین فرماتے ہین،

جل بُھن کے آب تیغ نکی رن مین دھوان ہوئی   تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی

تلوار کی آب کو پہلے پانی فرض کیا، پھر اُسکا جلنا، بُھننا اور دھوان ہوجانا جو کچھ پایا ثابت کرتے چلے گئے،

(۳) تخئیل کی بے اعتدالی کا بڑا موقع استعارات اور تشبیہات ہین، استعارے اور تشبیہین جب تک لطیف، قریب الماخذ اور اصلیت سے ملتی جلتی ہوتی ہین، شاعری مین حسن پیدا کرتی ہین، لیکن جب تخئیل کو بے اعتدالی کا موقع ملتا ہے تو وہ دور ازکار اور فرضی استعارات اور تشبیہین پیدا کرتی ہے اور پھر اسپر اور بنیادین قائم کرتی جاتی ہے مثلاً مرزا بیدل کہتے ہین،

تبسم کہ بہ خون بہار تیغ کشید ۔۔۔ کہ خندہ بر لب گل نیم بسمل افتادہ است

اصل خیال اسقدر تھا کہ معشوق کا تبسم پھول کے نیم شگفتہ ہونے کی حالت سے زیادہ خوشنما ہے،

اس مضمون کو یون ادا کیا ہے کہ تبسم ایک قاتل ہے اس نے بہار کی خونریزی کے لئے تلوار کھینچی ہے اس کا وار خندۂ گل پر پڑا، خندۂ گل نیم بسمل ہو کر رہ گیا،

اس تخئیل مین جو بے اعتدالی ہے استعارات کی وجہ سے ہے، بہار کا خون، تبسم کی تلوار، خندۂ گل کا بسمل ہونا دور ازکار استعارات ہین،

(۴) تخئیل کی ایک بے اعتدالی یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دیتے ہین پھر اُس شے کے جسقدر اوصاف اور لوازم ہین سب اس مین ثابت کرتے ہین حالانکہ اُسے کسی قسم کی مناسبت نہین ہوتی، مثلاً کمر کو بال سے تشبیہ دیتے ہین، اب اسکے بعد بال کے جتنے اوصاف ہین کمر مین ثابت کرتے ہین مثلاً ناسخ کہتے ہین

ابھی ہر چند وہ بت نوجوان ہے ۔۔۔ سفید اسکا مگر موئے میان ہے

یعنی بال بڑھاپے مین سفید ہوتے ہین لیکن تعجب یہ ہے کہ معشوق کی کمر کا بال جوانی ہی مین سفید ہو گیا ہے، سیم بدن ہونے کے لحاظ سے کمر کو سفید کہا ہے،

یا مثلاً غنی فرماتے ہین،

دیدم میان یار و ندیدم دہان یار — مین نے معشوق کی کمر دیکھی اور منہ نہ دیکھ سکا،
نتوان بہیچ دید چو در دیدہ مو فتد — کیونکہ جب آنکھ مین بال پڑجاتا ہے تو کوئی چیز نظر نہین آتی

قاعدہ ہے کہ آنکھون مین جب بال پڑجاتا ہی تو چبھتا ہے اور پھر آنکھین کھولی نہین جاتین، شاعر کہتا ہے کہ مین نے معشوق کی کمر دیکھی لیکن اسکا منہ نہ دیکھ سکا کیونکہ جب آنکھو نمین بال آگیا تو کوئی چیز نظر نہین آئی،

یا مثلاً ایک شاعر نے **ناف** کی نسبت لکھا ہے کہ "موے کمر مین گرہ پڑ گئی" یا مثلاً ابرو کو تلوار باندھا، تو تلوار کے تمام لوازم آب و تاب، دم خم، جوہر، ناب، ڈاب، قبضہ، میان، سب کچھ اسکے لئے ثابت کرتے جاتے ہین،

۵- تخئیل کی ایک بڑی جولانگاہ حُسن تعلیل ہے یعنی شاعر قوت تخئیل سے ایک چیز کو ایک چیز کی علت قرار دیتا ہے حالانکہ در اصل وہ اس کی علت نہین ہوتی مثلاً شاعر کہتا ہے،

کسی کے آگے کوئی ہات پسارے کیا دخل — مٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تو لد کو دک

بچے جب مان کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہین تو انکی مٹھی بندھی ہوتی ہے، اب شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ ممدوح نے تمام لوگون کو اسقدر مالا مال کر دیا ہے

کہ کسی کو کسی چیز کی حاجت نہین رہی، اس لئے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسکی مٹھیان بند ہی ہوتی ہین،

اکثر شاعرانہ مضامین اسی حسن تعلیل پر مبنی ہین، لیکن جب قوت تخئیل سے اعتدال کے ساتھ کام نہین لیا جاتا تو اسمین اکثر بے اعتدالیان ہوجاتی ہین مثلاً ایک شاعر اپنے معشوق کی تعریف مین کہتا ہے،

گفتم سخنت شکستہ وش چون آید　　　با آن کہ ہمہ چو درِّ مکنون آید
گفتا کہ بہ این دہان تنگے کہ مراست　　　گر نشکنمش چگونہ بیرون آید

یعنی مین نے معشوق سے کہا کہ تیری زبان سے جو لفظ ادا ہوتے ہین ٹوٹ ٹوٹ کر کیون ادا ہوتے ہین، اُس نے کہا کہ میرا دہن اتنا چھوٹا ہے کہ جب تک بات توڑ کر ریزہ ریزہ نہ کرلی جائے مُنھ سے کیونکر باہر نکل سکتی ہے، ان چند مثالون سے تخئیل کی بے اعتدالی کا کسی قدر تم نے اندازہ کیا ہوگا،

تخئیل کے استعمال کی غلطی،

تخئیل اور **محاکات** اگرچہ دونون شاعری کے عنصر ہین لیکن بلحاظ اکثر دونون کے استعمال کے موقع الگ الگ ہین، یہ سخت غلطی ہے کہ ایک کے بجائے دوسرے کا استعمال کیا جائے، مثلاً مناظر قدرت کا بیان محاکات مین داخل ہے یعنی مثلاً اگر بہار، خزان، باغ، سبزہ، مرغزار، آب روان کا بیان کیا جائے تو محاکات سے کام لینا چاہئے، یعنی اسطرح بیان کرنا چاہئے کہ ان چیزون کا اصلی سمان آنکھون کے سامنے پھر جائے، متاخرین کی سخت غلطی جس سے انکی شاعری

بالکل برباد ہوگئی" یہ ہے کہ وہ ان موقعون پر محاکات کے بجائے تخئیل سے کام لیتے ہین مثلاً بہار کی تعریف مین کلیم کہتا ہے،

بہ نوعے آتشِ گل درگرفتہ است کہ بلبل رفت و در آب آشیان کرد

یعنی پھولون کی وجہ سے باغ مین اسطرح آگ لگ گئی ہے کہ بلبل نے جاکر پانی مین گھونسلا بنایا،

رطوبت برگ را از بس روان کرد بہ صورت بید مجنونِ آبشار ست

بید مجنون ایک درخت ہوتا ہے جسکی شاخین زمین تک لٹکتی رہتی ہین شاعر کہتا ہے کہ بہار کی وجہ سے اس قدر رطوبت بڑہ گئی ہے کہ بید مجنون ایک آبشار یعنی پانی کا جھرنا معلوم ہوتا ہے،

زمانہ الیست کہ بر قفل اگر نسیم وزید بسان غنچہ اش از انبساط خندان کرد

یعنی آب و ہوا کا یہ اثر ہے کہ قفل کو اگر ہوا لگ جاتی ہے تو کلی کی طرح کھل جاتا ہے،

غور کرو ان اشعار سے بہار کی کسی قسم کی کیفیت دل پر طاری ہوسکتی ہے؟ افسوس یہ ہے کہ متاخرین کا کلام تمام تر اسی قسم کی شاعری سے بھرا پڑا ہے ظہوری کا ساقی نامہ جسکی اسقدر دھوم ہے انہین قسم کے خیالات دور از کار کا مخزن ہے،

اسی طرح مدحیہ شاعری محاکات مین داخل ہے یعنی کسی شخص کی مدح کی جائے تو اُس کے واقعی اوصاف بیان کرنے چاہیئن جس سے اس شخص کی عزت اور عظمت دلون مین پیدا ہو، لیکن اکثر شعرا مدح مین تخئیل سے کام لیتے ہین اور اس قسم کے

خیالی مضامین پیدا کرتے ہین جنکو محاکات اور اصلیت سے کچھ واسطہ نہین ہوتا،

تشبیہ و استعارہ | یہ چیزین شاعری بلکہ عام زبان آوری کی خط و خال ہین جنکے بغیر انشاپردازی کا جمال قائم نہین رہ سکتا، ایک عامی سے عامی بھی جب جوش یا غیظ و غضب مین لبریز ہو جاتا ہی تو جو کچھ اسکی زبان سے نکلتا ہی استعارات کا قالب بدل کر نکلتا ہے، غم اور رنج کی حالت مین انشاپردازی اور تکلف کا کسکو خیال ہو سکتا ہے، لیکن اس حالت مین بھی بے اختیار استعارات زبان سے ادا ہوتے ہین، مثلاً کسی کا عزیز مرجاتا ہے تو کہتا ہے "سینہ پھٹ گیا" "دل مین چھید ہو گئے" "آسمان لوٹ پڑا" "مجکو کسی کی نظر کھا گئی"، یہ سب استعارے ہین، اس سے ظاہر ہو گا کہ استعارہ دراصل فطری طرز ادا ہے لوگون نے بے اعتدالی سے تکلف کی حد تک پہونچا دیا، اس بنا پر ہم تشبیہ اور استعارے کی بحث تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین، جس سے ظاہر ہو کہ انکی حقیقت کیا ہے؟ کہان اور کیونکر کام آتے ہین؟ انمین ندرت اور لطافت کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ کس طرح ایک بڑے سے بڑا وسیع خیال ان کے ذریعہ سے ایک لفظ مین ادا ہو جاتا ہے،

تشبیہ کی تعریف | اگر ہم یہ کہنا چاہین کہ فلان شخص نہایت شجاع و بہادر ہے، تو اگر انہین لفظون مین اس مضمون کو ادا کرین تو یہ معمولی طریقۂ ادا ہے، اسی بات کو اگر یون کہین کہ "وہ شخص شیر کے مثل ہے" تو یہ تشبیہ ہو گی اور معمولی طریقہ کی بہ نسبت کلام مین کچھ زیادہ زور پیدا ہو جائے گا، اگر یون کہین کہ وہ "شخص شیر ہے" تو زور اور بڑھ جائیگا لیکن اگر اس شخص کا مطلق ذکر نہ کیا جائے اور یون کہا جائے کہ "مین نے ایک شیر

دیکھا" اور اس سے مراد وہی شخص ہو تو استعارہ ہے اسی مطلب کے ادا کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ شیر کا نام بھی نہ لیا جائے بلکہ شیر کے جو خصائص ہین اس شخص کی نسبت استعمال کئے جائین مثلاً یون کہا جائے کہ "وہ جب میدان جنگ مین ڈکارتا ہوا نکلا تو ہل چل پڑ گئی" (ڈکارنا خاص شیر کی آواز کو کہتے ہین) یہ بھی استعارہ ہے اور پہلے طریقہ کی بہ نسبت زیادہ لطیف ہے۔

تشبیہ و استعارہ کی ضرورت اور انکا اثر

۱- اکثر موقعون پر تشبیہ یا استعارہ سے کلام مین جو وسعت و زور پیدا ہوتا ہے وہ اور کسی طریقہ سے نہین پیدا ہو سکتا، مثلاً اگر اس مضمون کو کہ فلان موقع پر نہایت کثرت سے آدمی تھے" یون ادا کیا جائے کہ "وہان آدمیون کا جنگل تھا، تو کلام کا زور بڑھ جائے گا، یہان کلام کا اصلی مقصد، آدمیون کی کثرت کا بیان کرنا ہے، جنگل کی تشبیہ کی وجہ سے کثرت کا خیال متعدد وجہون سے زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، جنگل کی زمین مین قوت نامیہ بہت ہوتی ہے اسلئے اس مین گھانس، پودے اور درخت کثرت سے پاس پاس اُگتے ہین، اسکے ساتھ نمو کا سلسلہ برابر قائم رہتا ہے، یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز جہان کثرت سے پیدا ہوتی ہے بے قدر ہو جاتی ہے اسی بنا پر جنگل مین درخت اور گھانس کی کچھ قدر نہین ہوتی، مثال مذکورہ مین تشبیہ نے یہ تمام باتین پیش نظر کر دین یعنی آدمی اس کثرت سے تھے، جسطرح جنگل مین گھانس ہوتی ہے، آدمیون کا سلسلہ منقطع نہین ہوتا تھا بلکہ بھیڑ بڑھتی جاتی تھی، ایک جاتا تھا تو دس آجاتے تھے، کثرت کی وجہ سے آدمیون کی کچھ قدر نہ تھی، یہ تمام باتین جنگل

وجہ سے کثرت کے مفہوم مین وسعت پیدا ہوگئی ایک جنگل کے لفظ مین مضمر ہین اور چونکہ یہ تمام باتین صرف ایک لفظ نے ادا کر دین اسلئے خود بخود کلام مین زور آگیا، فارسی مین اس قسم کے خیال ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے،

بہ برقعِ مہ کنعان کہ بود حسن آباد — ماہ کنعان کی نقاب کی قسم جو کہ حسن آباد تھا

بہ حجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زار — زلیخا کے خلوت کدہ کی قسم جو کہ یوسف زار تھا

پہلے مصرع مین حضرت یوسفؑ کے چہرہ کا حسن بیان کرنا تھا، اسکو یون ادا کیا کہ اونکا نقاب حسن آباد تھا، حسن آباد کے معنی وہ بستی جہان حسن کی آبادی ہو گویا حضرت یوسفؑ کا نقاب ایک بستی ہے جہان حسن نے سکونت اختیار کی ہے، دوسرے مصرع مین یہ مضمون ادا کرنا تھا کہ حضرت یوسفؑ کی وجہ سے زلیخا کا خلوت کدہ روشن ہوگیا تھا، اسکو یون ادا کیا کہ وہ یوسف زار ہوگیا تھا، گویا سیکڑون ہزارون یوسفؑ بھر گئے تھے،

۲- بعض موقعون پر جب شاعر کوئی غیر معمولی دعوے کرتا ہے تو اسکے ممکن الوقوع ثابت کرنے کے لئے تشبیہ کی ضرورت پڑتی ہے،

بہ سوزِ عشق شاہان را چہ کار است — کہ سنگ لعل، خالی از شرار است

شاعر دعوے کرتا ہے کہ بادشاہون مین عشق اور محبت کی جلن نہین ہوتی یہ بظاہر ایک غلط دعوے ہے کیونکہ بادشاہت اور عشق و محبت مین کوئی مخالفت نہین، اسلئے شاعر اسکو تشبیہ کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے کہ ہر قسم کے پتھر مین شرر

ہوتے ہین یعنی اُنپر چوٹ پڑے تو چنگاریان جھڑنے لگتی ہین، لیکن الماس اور لعل مین شرر نہین ہوتے اور یہ ظاہر ہے کہ پتھر کے اقسام مین الماس گویا بادشاہ ہے،

اسی دعوے کا دوسرا ثبوت یہ ہے،

زور و عشق شہ، بیگانہ باشد — کہ جاے گنج در ویرانہ باشد

عربی مین اسکی نہایت عمدہ مثال متنبی کا یہ شعر ہے،

فان فی الخمر معنی لیس فی العنب — جو بات شراب مین ہے، وہ انگور مین نہین

دعوے یہ ہے کہ بادشاہ تمام انسانون سے مرتبہ مین بڑھکر ہے اسکو تشبیہ کے ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے کہ شراب انگور سے بنتی ہے لیکن جو بات شراب مین ہے انگور مین نہین،

مثالیہ شاعری جس نے متاخرین کے زمانہ مین نہایت وسعت اختیار کی تشبیہ وتمثیل ہی پر مبنی ہے،

۳۔ جب کسی نہایت نازک اور لطیف چیز یا حالت کا بیان کرنا ہوتا ہے تو الفاظ اور عبارت کام نہین دیتی اور یہ نظر آتا ہے کہ الفاظ نے اگر انکو چھوا تو انکو صدمہ پہنچ جائیگا جسطرح حباب چھونے سے ٹوٹ جاتا ہی، ایسے موقعون پر شاعر کو تشبیہ سے کام لینا پڑتا ہی وہ اسی قسم کی لطیف اور نازک صورت کو ڈھونڈھ کر پیدا کرتا ہے اور پیش نظر کر دیتا ہی مثلاً نظیری کہتا ہے،

ہمہ شب بر لب و رخسار و گیسو منزلم بوسہ — مین معشوق کے لب ورخسار اور گیسو کو تمام رات چومتا رہا

گل ونسرین وسنبل راھمہ باد خرمن آتشب | آج گل ونسرین وسنبل کے خرمن مین ہوا گھس آئی ہے

لب ورخسار کی نزاکت اور انکا نام اور لطیف بوسہ، الفاظ کی برداشت کے قابل نہ تھا، اسلئے شاعر نے اسکو اس حالت سے تشبیہ دی کہ گویا ہلکی ہلکی ہوا پھولون کو چھو کر گذر جاتی ہے اور بار بار آکر چھوتی اور نکل جاتی ہے،

یا مثلاً یہ شعر

نہ گفت ومن بشنیدم، ہر آنچہ گفتن داشت | اس نے کچھ نہین کہا اور مین نے اسکی بات اسوجہ سے

کہ دربیان نگہش کرد برزبان تقدیم | سُن لی کہ اسکی نگاہ نے زبان سے پیشدستی کی،

لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت | جب اسکے ہونٹ نے اپنی باری لی تو میرے

فتاد سامعہ درموج کوثر وتسنیم | کان کوثر کی موج مین ڈوب گئے،

یہ اسوقت کا بیان ہے جب عرفی ممدوح کے دربار مین گیا ہے اور ممدوح نے پہلے نگاہ لطف سے اسکو دیکھا ہے پھر باتین کی ہین، کہتا ہے کہ "ممدوح نے کچھ نہین کہا اور مین نے وہ سب باتین سن لین جو وہ کہنا چاہتا تھا، کیونکہ اسکی نگاہون نے اداے مطلب مین زبان سے پیشدستی کی، پھر جب اسکے ہونٹون کی باری آئی تو سامعہ کوثر کی موج مین ڈوب گیا" محبوب کی باتون سے قوت سامعہ جو لطف اُٹھاتی ہے اسکو اس طریقہ کے سوا اور کیونکر ادا کیا جاسکتا تھا کہ سامعہ کوثر کی موج مین ڈوب گیا،

تشبیہ مین حسن کیونکر پیدا ہوتا ہے،

تشبیہ ایک ایسی عام چیز ہے کہ ہر شخص اس سے کام لیتا ہے اسلئے جب تک تشبیہ مین کوئی ندرت اور خاص خوبی نہ ہو وہ کوئی اثر

پیدا نہین کرسکتی، تشبیہ مین جن جن اسباب سے خوبیان پیدا ہوتی ہین اگرچہ انکا احصاء نہین ہوسکتا تاہم چند صورتین مثال کے طور پر ہم لکھتے ہین جن سے ایک عام خیال قائم ہوسکے گا،

(۱) ہر تشبیہ ابتدا مین نادر اور پرلطف ہوتی ہے، لیکن بار بار کے استعمال سے اسکی تازگی اور ندرت جاتی رہتی اور بے اثر ہوجاتی ہے اسلئے شاعر کا فرض یہ ہے کہ نادر اور جدید تشبیہین اور استعارے ڈہونڈھکر پیدا کرے، بڑے بڑے شعرا کا معیار کمال یہی ہے کہ انکے کلام مین اچھوتی تشبیہین اور نئے نئے استعارے پائے جاتے ہین، مثلاً بوسہ کو ایشیائی شعرا شیرین شکرین گوسوز، کہتے آتے ہین، لیکن یورپ کا جادو طراز کہتا ہے کہ "وہ ایک پیمان وفا ہے جو مجسم بن جاتا ہے" "ایک راز پنہان ہے جو سامعہ کے بجائے ذائقہ سے کہا جاتا ہے" "ایک نسیم ہے جو دل کی خوشبو لاتی ہے" "لذت آلود نگاہین ہین جو سمٹ کر نقطہ بن گئی ہین"، اس قسم کے نازک اور لطیف استعارے فارسی زبان مین، عرفی اور طالب آملی کے ہان مل سکتے ہین، عرفی نے ایک قصیدہ مین بہت سی چیزون کی قسم کہائی ہے اس مین ایک موقع پر کہتا ہے ؎

بہ بر شگفتن امروز، و غنچہ گشتن دی

کل کا دن جو گذر گیا اور آج کا دن جو شروع ہورہا ہے اسکو کھلنے والے پھول اور مرجھانے والی کلی سے تشبیہ دی ہے،

جہانگیر ایک دفعہ طالب آملی سے ناراض ہوگیا تھا اور اسکو دربار سے الگ کردیا

کسی امیر نے اسکو اپنے یہان بلالیا اور دربار مین جو بڑا شاعر تھا اُس سے مقابلہ کرایا طالب غالب رہا، امیر نے یہ دیکھکر جہانگیر سے طالب کی تقریب کی اور وہ دوبارہ دربار مین باریاب ہوا ان واقعات کو طالب نے نہایت لطیف استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ مین ادا کیا ہے،

بہ نسبتِ گہرم، دادہ بودی از کف خویش	تو نے مجھکو موتی سمجھکر پھینک دیا تھا، تو نے
ترا زجود زیان نے چنین ہزار افتاد	سخاوت کی وجہ سے ایسے بہت سے نقصان اٹھائے ہین،
چو رد شدم زکفت، چرخم از ہوا بربود	جب تو نے مجھکو پھینکدیا تو آسمان نے مجھکو لپک لیا
بہ گرمی کہ زبانم بہ زینہار افتاد	اس تیزی کیساتھ کہ مین الامان بول اُٹھا،
یکے، مقابلِ خورشید داشت آئنہ ام	آسمان نے تھوڑی دیر میرے آئنہ کو آفتاب کے سامنے
بدید کز عرقش، موج بر عذار افتاد	رکھا، آفتاب کے چہرہ پر پسینہ آگیا،
ازین نشاط، مگر دستِ آسمان لرزید	غالبًا اسی خوشی سے آسمان کا ہات کانپ اُٹھا
کہ باز در کف خاقانِ کامگار افتاد	کہ مین پھر شاہنشاہ کے ہات مین آکر گرا،

(۲) تشبیہ مرکب عمومًا زیادہ لطیف ہوتی ہے، مرکب سے یہ مراد ہے کہ کئی چیزون کے ملنے سے جو مجموعی حالت پیدا ہوتی ہے وہ تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کیجائے، مثلاً

کان مثار النقع فوق رؤسنا   واسیافنا لیل تھاوی کواکبہ

یعنی میدان جنگ مین جو گرد اُڑتی ہے اور اُس مین تلوارین چمکتی ہین تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کو تارے ٹوٹ رہے ہین،

یہان الگ الگ چیزون کی تشبیہ مقصود نہین بلکہ ایک مجموعی حالت کو ادا کرنا ہے؛

جسکے اجزا یہ ہین، گرد جو فضا مین چھا گئی ہے، اُس[1] مین تلوارین تلواروں[2] کا چلنا اور چمکنا، تلواروں[3] کے چلنے مین بے ترتیبی اور اختلاف جہت، ان سب باتون سے جو مجموعی سمان پیدا ہوتا ہے اسکی تشبیہ ستارون سے دی ہے جو رات کی تاریکی مین سیدھے ترچھے اُڑے ہر طرف ٹوٹتے ہین،

یا مثلاً

دو زلفِ تابدارِ اُو بہ چشمِ اشکبارِ من | چو چشمہ کہ اندرو شنا کنند مارہا

یعنی میری پر اشک آنکھون مین، معشوق کی زلفون کا عکس اس طرح پڑتا ہے گویا چشمہ مین سانپ لہرا رہے ہین،

بادِ در کہسار، جامِ لالہ را بر سنگ زد | ہوا نے لالہ کا پیالہ اُٹھا کر زمین پر پٹک دیا
گل بہ خندہ گفت، آرے این چنین باید ہمی | پھول نے ہنسکر کہا خوب یہی کرنا چاہیے تھا،

ہوا جب تیز چلتی ہے تو نازک ٹہنیان اور پھول زمین پر گرگر پڑتے ہین اس حالت کو یون ادا کیا ہے کہ گویا ہوا نے لالہ کا پیالہ اُٹھا کر زمین پر پٹک دیا،

نرگس کہ شب نخفت ز فریادِ بلبلان | نرگس کو رات بلبلون کے شور و غل سے نیند نہین
بنہاد سر بہ بالشِ گل میل خواب کرد | آئی تھی اسلئے پھول کے تکیہ پر سر رکھکر سو گئی،

جدّت و لطفِ ادا — شاعری کے لئے یہ سب سے مقدم چیز ہے بلکہ بعض اہل فن کے نزدیک جدّتِ ادا ہی کا نام شاعری ہے، ایک بات سیدھی طرح سے کہی جائے تو ایک معمولی بات ہے اُسکو اگر جدید انداز اور نئے اسلوب سے ادا کر دیا جائے تو یہ شاعری ہے،

ایک دفعہ حجاج نے ایک بدو سے پوچھا کہ تم سے کوئی راز کی بات کہی جائے تو تم اُسکو چھپا سکتے ہو یا نہین، اس نے کہا کہ "میرا سینہ راز کا مدفن ہے" "راز سینہ مین مر کر رہجاتا ہے، سینہ سے نکل کیونکر سکتا ہے" اس بات کو وہ اگر یون ادا کرتا کہ "مین راز کو کسی حالت مین کبھی ظاہر نہین کرتا"، تو معمولی بات ہوتی، لیکن طرز ادا کے بدل دینے نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا اور اب وہی بات شعر[1] بنگئی، شاعری، انشاپردازی، بلاغت، اُن تمام چیزون کی جادوگری اسی جدت ادا پر موقوف ہے، جدت ادا کی منطقی تعریف اور اسکے اصول اور قواعد کا انضباط سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے، وہ ایک ذوقی چیز ہے جسکا صحیح ادراک صرف ذوق صحیح سے ہو سکتا ہے اسکا پیرایہ ہر جگہ الگ ہے اور اسقدر غیر محصور ہے کہ نہ اُن سب کا شمار ہو سکتا ہے نہ اُنین کوئی خاص قدر مشترک پیدا کیا جاسکتا ہے، اس لئے جدت ادا کے مفہوم کے ذہن نشین کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی تدبیر نہین کہ متعدد مثالین پیش کر کے بتایا جائے کہ اصل خیال کیا تھا؟ اسکو کس جدید انداز سے ادا کیا گیا؟ اور جدت نے کیا اثر پیدا کیا؟ ہم چند مثالین ذیل مین لکھتے ہین،

زخم ہا بر داشتیم و فتح ہا کردیم لیک — ہم نے بہت زخم کہائے اور فتحین کین لیکن

ہرگز از خونِ کسے رنگین نشد دامانِ ما — کسیکے خون سے ہمارا دامن رنگین نہین ہوا

اصل خیال یہ تھا کہ "ہمکو حریفان فن سے مقابلہ کا اکثر اتفاق ہوا، لوگون نے ہمکو بُرا بھلا کہا، بدزبانیان کین، لیکن ہم نے صبر و سکوت سے کام لیا، رفتہ رفتہ ہمارے

[1] جن لوگون کے نزدیک شعر مین وزن ضروری نہین وہ ہر شاعرانہ انداز بیان کو شعر کہتے ہین،

علم وفضل کا سکہ لوگونکے دلون پر بیٹھتا گیا، یہان تک کہ حریف بھی قائل ہو گئے اور سب نے ہماری عظمت تسلیم کر لی" اس خیال کو یون ادا کیا ہے کہ میدان جنگ مین ہم نے زخم اُٹھا کر فتحین حاصل کین، لیکن ہمارا دامن کسی کے خون سے رنگین نہین ہوا، اُس طرز ادا مین علاوہ اسکے کہ تشبیہ مین ندرت ہے یہ تعجب انگیز بات ثابت کی ہے کہ میدانِ جنگ مین کوئی زخمی نہین ہوا اور معرکہ فتح ہو گیا،

ساقی تو ئی وسادہ دلی بین کہ شیخ شہر　　　　باور نمی کند کہ ملک مے گسار شد

شعر کا مطلب یہ ہے، کہ معشوق جب ساقی بنا تو فرشتون یعنی فرشتہ خو لوگون نے بھی شراب پینی شروع کر دی، اس مطلب کو یون ادا کیا ہے کہ معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے، "واعظ کی حماقت دیکھتے ہو، تم ساقی ہو اور اسکو یقین نہین آتا کہ فرشتہ نے شراب خواری اختیار کی" جدت کے علاوہ اس طریقۂ ادا مین بلاغت یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ واقعہ کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے، تو اسکے صحیح ہونے مین شبہ ہو سکتا ہے، اسلیے شاعر اسکو واقعہ کی حیثیت سے نہین بیان کرتا بلکہ ایک مسلّمہ واقعہ قرار دیکر واعظ کی حماقت پر تعجب کرتا ہے گویا اسکو فرشتہ کی میخواری بیان کرنی مقصود نہین نہ اسکے نزدیک یہ کوئی التعجب انگیز واقعہ ہے جو بیان کرنے کے قابل ہو، البتہ واعظ کی حماقت حیرت انگیز ہے کہ اسکو ایسے بدیہی واقعہ کا یقین نہین آتا،

شاعر نے خود واعظ کو مخاطب نہین کیا، اور نہ خیال ہوتا کہ شاید یون ہی واعظ کو چھیڑنے کے لئے کہا ہے، معشوق سے خطاب کرنے مین یہ بلاغت بھی ہے کہ اسکی

ملک فرنگی کی تعریف اس انداز سے کی ہے کہ تعریف مقصود نہین، صرف واعظ کی حماقت پر حیرت کا اظہار ہے[۱]،

اے کہ ہمراہ موافق بجہان می طلبی	اگر تم سچا دوست، دنیا مین ڈہونڈہتے ہو
آن قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید	تو اتنا ٹہر جاؤ کہ عنقا سفر سے واپس آجائے

یہ ایک پامال مضمون ہے کہ جب کسی چیز کو نایاب کہنا چاہتے ہین تو کہتے ہین کہ "عنقا ہے" شعر کا اصلی مطلب اسقدر ہے کہ ہمراہ موافق یعنی سچا دوست ملنا محال اور عنقا ہے، اس کو یون کہتا ہے کہ "اگر تمکو سچے دوست کی تلاش ہے تو اتنا ٹہر جاؤ کہ عنقا جو سفر مین گیا ہے وہ واپس آجائے" یعنی نہ عنقا واپس آسکتا ہے نہ سچا دوست مل سکتا ہے، اسمین بلاغت کا یہ پہلو ہے کہ پہلے اُمید دلائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچا دوست ملسکتا ہے، البتہ ذرا انتظار کرنا پڑے گا، پھر جس بات پر محوّل کیا ہے وہ بھی بظاہر ناممکن نہین کیونکہ کسی کا سفر سے واپس آجانا کوئی ناممکن بات نہین، اس حالت کے بعد جب نا اُمیدی طاری ہوتی ہے تو نا امیدی کا اثر زیادہ سخت اور رنج دہ ہوتا ہے گویا یہ دکہانا ہے کہ سچے دوست کی تلاش مین امید بھی ہوگی تو اسی قسم کی ہوگی کہ خاتمہ ناکامی پر ہو،

نہ باندازۂ بازدست کمندم ہیہات	ورنہ با گوشۂ بامیم سروکارے ہست

۱ یہانپر شعر العجم ۲ طبع اوّل صفحہ ۸۹ سطر ۱-۲-۳ مین غیر مفہوم عبارت تھی اصل دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کٹی ہوئی عبارت تھی کاتب نے غلطی سے اُسکو لکھدیا تھا، لہذا وہ سواد و سطرین حذف کر کے مطابق اصل کر دی گئین وہ منقطعہ عبارت یہ ہے:-

"اتفاق سے کوئی مدمقابل نہ تھا، اسلئے بہرحال انہین پر لوگون کی نظر پڑی اور زیادہ دام لگے، اسلئے افسوس کے طور پر کہتا ہے کہ "کیا کہئے اس سال بھی انکی قیمت زیادہ ہی رہی"

شعر کا مطلب اسقدر ہے کہ "مین معشوق تک پہونچنا تو چاہتا ہون لیکن رسائی کا کوئی سامان نہین، اسکو یون ادا کیا ہی کہ مجھکو ایک گوشۂ بام سے کچھ کام تو ہے لیکن کیا کیجے جتنی قوت میرے بازو مین ہی اسکے موافق کمند نہین ہے، بام اور سروکار ے کی تکریر نے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے،

حسن الفاظ | یہ ایک نہایت ضروری بحث ہی، اسلیے ہم اسکو تفصیل سے لکھتے ہین، کتاب العمدہ مین باب فی اللفظ والمعنی ایک خاص عنوان قائم کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے،

لفظ جسم ہے اور مضمون روح ہے دونون کا ارتباط باہم ایسا ہے جیسا روح اور جسم کا ارتباط کہ وہ کمزور ہوگا تو یہ بھی کمزور ہوگی، پس اگر معنی مین نقص نہو اور لفظ مین ہو تو شعر مین عیب سمجھا جائیگا جسطرح لنگڑے یا لنجے مین روح موجود ہوتی ہے، لیکن بدن مین عیب ہوتا ہے اسی طرح اگر لفظ اچھے ہون لیکن مضمون اچھا نہو تب بھی شعر خراب ہوگا، اور مضمون کی خرابی، الفاظ پر بھی اثر کریگی، اگر مضمون بالکل لغو ہو اور الفاظ اچھے ہون تو الفاظ بھی بیکار ہون گے، جسطرح مردہ کا جسم کہ یون دیکھنے مین سب کچھ سلامت ہے، لیکن درحقیقت کچھ بھی نہین، اسی طرح مضمون گو اچھا ہو لیکن الفاظ اگر برے ہین تب بھی شعر بیکار ہوگا کیونکہ روح بغیر جسم کے پائی نہین جاسکتی،

"اہل فن کے دو گروہ بنگئے ہین ایک لفظ کو ترجیح دیتا ہے اور اسکی تمامتر کوشش الفاظ کے حسن و خوبی پر مبذول ہوتی ہے، عرب کا اصلی انداز یہی ہے، بعض لوگ مضمون کو ترجیح دیتے ہین اور الفاظ کی پروا نہین کرتے یہ ابن الرومی اور متنبی کا مسلک ہے

لیکن زیادہ تر اہل فن کا یہی مذہب ہے کہ لفظ کو مضمون پر ترجیح ہے، وہ کہتے ہین کہ مضمون تو سب پیدا کر سکتے ہین لیکن شاعری کا معیار کمال یہی ہے کہ مضمون ادا کن الفاظ مین کیا گیا ہے؟ اور بندش کیسی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ **شاعری** یا انشا پردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ ہی پر ہے **گلستان** مین جو مضامین اور خیالات ہین، ایسے اچھوتے اور نادر نہین لیکن الفاظ کی فصاحت اور ترتیب اور تناسب نے ان مین سحر پیدا کر دیا ہے، انھین مضامین اور خیالات کو معمولی الفاظ مین ادا کیا جائے تو سارا اثر جاتا رہے گا، **ظہوری** کا ساقی نامہ نازک خیالی، موشگافی، مضمون بندی کا طلسم ہے لیکن سکندر نامہ کا ایک شعر پورے ساقی نامہ پر بھاری ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ **ساقی نامہ** مین الفاظ کی وہ متانت، اور شان و شوکت، اور بندش کی وہ پختگی نہین جو سکندر نامہ کا عام جوہر ہے، حافظ کا شعر ہے،

گفت آن روز کہ این گنبدِ مینا میکرد ۔۔۔ گفتم این جام جہان بین بتو کے داد حکیم

جو خیال اس شعر مین ادا کیا گیا ہے اسکو الفاظ بدل کر ادا کرو، شعر خاک مین ملجائیگا۔ ذیل کے دونون مصرعون مین،

؎ تھا بلبلِ خوشگو کہ چہکتا ہے چمن مین،

؎ بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول مین۔

مضمون بلکہ بعض الفاظ تک مشترک ہین پھر بھی زمین آسمان کا فرق ہے،

حضرت امام حسین علیہ السّلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کیا اور

تو اپنے اسلحہ اور لباس کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورثہ مین پائے تھے، دکھاکر پوچھا ہے کہ یہ کسکے تبرکات ہین؟ اس واقعہ کو میر ضمیر نے یون ادا کیا ہے،

پہچانتے ہو؟ کسکی مرے سر پہ ہے دستار
دیکھو تو؟ عبا کسکی ہے کاندھے پہ نمودار
یہ کسکی زرہ؟ کسکی سپر؟ کسکی ہے تلوار؟
مین جسپہ سوار آیا ہون کسکا ہے یہ رہوار
باندھا ہے کمر جس سے یہ کس کی ردا ہے؟
کیا فاطمہ زہرا نے نہین اسکو سیا ہے؟

بعینہ اسی واقعہ کی میر انیس ادا کرتے ہین،

یہ قبا کسکی ہے؟ بتلاؤ یہ کس کی دستار
یہ زرہ کسکی ہے؟ پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کسکا ہے؟ یہ چار آئینہ جوہر دار
کسکا رہوار ہے؟ یہ آج مین جسپر ہون سوار
کسکا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کسکی ہے

دونون بندون مین مضمون اور معنی بالکل مشترک ہین الفاظ کے اول بدل اور الٹ پلٹ نے کلام کو کہان سے کہان تک پہونچا دیا ہے،

اس تقریر کا یہ مطلب نہین کہ شاعر کو صرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہئے اور معنی سے بالکل بے پروا ہو جانا چاہئے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ مضمون کتنا ہی بلند اور نازک ہو لیکن اگر الفاظ مناسب نہین ہین تو شعر مین کچھ تاثیر نہ پیدا ہو سکے گی، اسلئے شاعر کو یہ سوچ لینا چاہئے کہ جو مضمون اسکے خیال مین آیا ہے، اسی درجہ کے الفاظ اسکو میسر آسکین گے یا نہین؟

اگر نہ اُسکین تو اسکو بلند مضامین چھوڑ کر اُنھین سادہ اور معمولی مضامین پر قناعت کرنی چاہیے جو اسکے بس کے ہین، اور جنکو وہ عمدہ پیرایہ اور عمدہ الفاظ مین ادا کر سکتا ہے، کسی نے نہایت سچ کہا ہے،

برائے پاکی لفظے شبے بروز آرد   کہ مرغ و ماہی باشند خفتہ او بیدار

یعنی ہر شاعر ایک ایک لفظ کی تلاش مین رات رات بھر جاگتا رہ جاتا ہے، جبکہ مرغ اور مچھلیان تک سوتی ہوتی ہین" یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک عمدہ سے عمدہ خیال، عمدہ سے عمدہ مضمون، عمدہ سے عمدہ نظم، اسوجہ سے برباد ہو جائے کہ اس مین صرف لفظ اپنے درجہ سے گر گیا،

جن بڑے مشہور شعرا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اِن کے کلام مین خامی ہے، اسکی زیادہ تر وجہ یہی ہے کہ ان کے ہان الفاظ کی متانت، وقار، اور بندش کی درستی مین نقص پایا جاتا ہے، متوسطین اور متاخرین نے جو شاہنامے لکھے، مضامین اور خیالات مین فردوسی کے شاہنامہ سے کم نہین ہین، لیکن فردوسی کے شاہنامہ کے سامنے انکا نام لینا بھی سفاہت ہے، اسکی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ فردوسی جن الفاظ مین اپنے خیالات کو ادا کرتا ہے اُسکے سامنے اوروں کے الفاظ بالکل کم رتبہ اور بے وقعت معلوم ہوتے ہین، شاید یہ اعتراض کیا جاے کہ الفاظ کا اثر بھی معنی ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، یعنی ایک لفظ اسی بنا پر پُر عظمت ہوتا ہے کہ اس کے معنی مین عظمت ہوتی ہے،

مثلاً نظامی کا یہ شعر

دراں دجلۂ خون بلند آفتاب   چو نیلوفر افگند زورق بر آب

اس شعر مین اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اگر دجلہ کے بجاے چشمہ، اور زورق کے بجاے کشتی کردیا جاے تو گو معنی وہی رہین گے لیکن شعر کم رتبہ ہوجاے گا، لیکن زیادہ غور سے دیکھا جاے تو اسکی وجہ لفظ کی خصوصیت نہین بلکہ معنی کا اثر ہے، **دجلہ** کے معنی مین چشمہ سے زیادہ وسعت ہے کیونکہ چشمہ چھوٹی سی نالی کو بھی کہہ سکتے ہین بخلاف اسکے دجلہ ایک بڑے دریا کا نام ہے، اسی طرح **زورق** اور کشتی کی حقیقت مین فرق ہے، اس بنا پر دجلہ اور زورق مین جو عظمت ہے وہ معنی کے لحاظ سے ہے نہ لفظ کی حیثیت سے،

یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہی لیکن اولاً تو بہت سے ایسے لفظ ہین جنکے معنی مین نہین بلکہ صوت اور آواز مین رفعت اور شان ہوتی ہے، ضیغم، اور شیر معنیً بالکل ایک ہین، لیکن لفظون کے شکوہ مین صاف فرق ہے، اسکے علاوہ اس قسم کے الفاظ مین لفظی حیثیت اس قدر غالب آگئی ہی کہ گو وہ رفعتِ معنی ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے تاہم سامع یہی سمجھتا ہے کہ یہ لفظ ہی کا اثر ہے، اسلئے ایسے الفاظ کا اثر بھی الفاظ ہی کی طرف منسوب کرنا چاہیے،

الفاظ کے انواع اور اُنکے مختلف اثر

اس امر کے ثابت کرنے کے بعد کہ شاعری کا مدار زیادہ تر الفاظ پر ہے ہمکو کسی قدر تفصیل سے بتانا چاہیے کہ الفاظ کے کیا انواع ہین اور ہر نوع کا کیا خاص اثر ہے؟ اور کون الفاظ کہان کام آتے ہین ؟

الفاظ متعدد قسم کے ہوتے ہین بعض نازک، لطیف، شستہ، صاف، رواں اور

شیرین اور بعض پُرشوکت متین بلند، پہلی قسم کے الفاظ عشق و محبت کے مضامین کے ادا کرنے کے لئے موزون ہین، عشق اور محبت، انسان کے لطیف اور نازک جذبات ہین، اسلئے اُنکے ادا کرنے کے لئے لفظ بھی اُسی قسم کے ہونے چاہئین، یہی بات ہے کہ قدما کی بہ نسبت متاخرین کی غزل اچھی ہوتی ہے، قدما کے زمانے تک فوجی تمدن باقی تھا اسلئے اسکا اثر تمام چیزون مین پایا جاتا تھا، یہانتک کہ الفاظ بھی بلند متین، پرزور ہوتے تھے، فردوسی نے شاہنامہ کے بعد زلیخا لکھی تو اسکا یہ انداز ہے،

بدادی جوابے کہ سربستہ بود ❊ بگفتی حدیثے کہ بگسستہ بود

بہ بیہودہ گویم نسب ساختی ❊ سخنہائے ناخوش درانداختی

زہر گونہ گفتی سخنہائے سُست ❊ سرانجامش این گفتی اے نیکبخت

کہ گر آزمائی مرا، آزمائے ❊ کہ دارد دلم، پائے دانش بجائے

کنون دلبرا گفت من کارکن ❊ دلت را بدین مہربان یارکن

اس موقع سے بڑھکر رقت اور درد اور سوز و گداز کا کیا موقع ہوسکتا تھا فردوسی نے خیالات وہی ادا کئے جو ایک عاشق معشوق سے کرسکتا ہے لیکن الفاظ اور طرز ادا ایسا ہے کہ میدان جنگ کا رجز معلوم ہوتا ہے،

نظامی نے جہان اس قسم کے مضامین ادا کئے ہین ایسے لب و لہجہ مین ادا کئے ہین کہ پتھر کا دل پانی ہوجاتا ہے،

سعدی جو غزل کے بانی خیال کئے جاتے ہین اسکی وجہ زیادہ تر یہی ہے کہ

اُنھون نے غزل مین رقیق، نازک، شیرین اور پُر درد الفاظ استعمال کئے، اسپر بھی کہین کہین پرانے روکھے اور سخت الفاظ آجاتے ہین تو وہ بات جاتی رہتی ہے، مثلاً

تو میر دی و خبر نداری | واندر عقبت قلوب والبصار
این قاعدۂ خلاف بگذار | وین خوے معاندت رہا کن
گر برائی نزود، درود باز آید | ناگزیر است مگس دکہ حلوائی را

متنبّی کے کلام پر علامہ ثعلبی نے جو نکتہ چینیان کی ہین انمین ایک یہ بھی ہے کہ وہ غزل اور تشبیب مین ایسے الفاظ لاتا ہے جو عاشقانہ خیالات کے لئے موزون نہین،

بلند اور پُر شوکت الفاظ، رزمیہ مضامین اور قصائد وغیرہ کے لئے موزون ہین متاخرین یعنی کلیم و صائب وغیرہ کی نسبت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ قصیدہ اچھا نہین کہتے، اسکا سبب یہی ہے کہ اُنکے زمانہ مین، تمدن اور معاشرت مین نہایت نزاکت پرستی آگئی تھی اور عشقیہ جذبات عام ہو گئے تھے، اسکا اثر زبان پر بھی پڑا یعنی زبان زیادہ نازک اور لطیف ہو گئی جو غزل گوئی کے لئے موزون تھی لیکن قصائد کی دہوم دھام اور شان و شوکت کے قابل نہ تھی،

عرفی قصیدہ مین عید کے عیش و عشرت کا بیان کرتا ہے تو اُسکا یہ انداز ہے

صباحِ عید کہ در تکیہ گاہِ ناز و نعیم | گدا کلاہِ نمد کج نہاد و شہ دیہیم

کلیم نے ایک قصیدہ کی تمہید مین ہندوستان کی عیش انگیزی کا سمان باندھا ہے اُس کا مطلع ہے،

اسیر کشور ہندم کہ از وفور سرور | گدا بدست گرفت ست کاسۂ طنبور

ان دونون شعرون مین جو فرق ہی، اسی بنا پر ہے کہ عرفی کے وقت تک عیش و عشرت کے خیالات، اور اسکا اثر چندان عام نہین ہوا تھا، نظیری نیشاپوری اکبر کے عہد کا شاعر ہے لیکن غزل کا مذاق غالب تھا، اور زبان مین نہایت گھلاوٹ اور نزاکت آگئی تھی، اسلئے اسکے قصیدون مین زور نہین ہے اور تشبیب تو صاف غزل معلوم ہوتی ہے، قصیدہ کی ابتدا مین جو عشقیہ مضامین لکھتے ہین اسکو تشبیب کہتے ہین اور وہ گویا غزل ہوتی ہی تاہم نکتہ دانانِ فن ہمیشہ لحاظ کر لیتے ہین، کہ وہ چونکہ قصیدہ کا جزو ہے اسلئے اسکی زبان غزل کی زبان سے نہ ملنے پائے، اسی بنا پر عرفی تشبیب لکھتا ہی تو اس انداز سے لکھتا ہی،

منم آن سیر ز جان گشتہ کہ با تیغ و کفن	مین ایسا جان سے سیر ہو چکا ہون کہ تیغ و کفن
تا درِ خانۂ جلاد غزل خوان رفتم،	لیکر جلاد کے گھر تک غزل پڑھتا ہوا گیا،
کس عنان گیر نہ شد ورنہ من از بیت حرم	کسی نے روک ٹوک نہ کی ورنہ مین تو کعبہ سے
تا در بتکدہ در سایۂ ایمان رفتم	بتکدہ تک، ایمان کے سایہ مین گیا،
زان شکستم کہ بدنبال دل خویش مدام	مین نے اسوجہ سے شکست کھائی کہ اپنے دل کے
در نشیب شکنِ زلفِ پریشان رفتم	پیچھے پیچھے زلف کی شکنون مین اُترتا گیا،

قصیدہ کے علاوہ مثنوی مین بھی اس قسم کی زبان پسندیدہ ہی اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین مثنوی اچھی نہین لکھ سکتے، انکی زبان بالکل غزل کی زبان بنگئی ہے، اس لئے جو کچھ کہتے ہین غزل بنجاتی ہے، البتہ عشقیہ مثنویان اس سے مستثنیٰ ہین یعنی ان مین وہی غزل کی زبان استعمال کرنی چاہئے نلدمن اور نوعی کے سوز و گداز چونکہ عشقیہ مثنویان ہین

اِس لئے اُن مین یہی زبان موزون تھی لیکن فیضی نے یہان بھی وہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے کہ جہان اپنا فخریہ لکھا ہی زبان بدل کر قصیدہ کی شان وشوکت آگئی ہی، ملاحظہ ہو،

امروزنہ شاعرم حکیم	مین آج شاعر نہین بلکہ فلسفی ہون،
دانندۂ حادث و قدیم،	مین حادث اور قدیم کا عالم ہون،
بانگ قلم درین شب تار	میرے قلم کی آواز نے، اس اندھیری رات مین
صدمعنی خفتہ کرد بیدار	سیکڑون سوتے ہوئے مضامین کو جگادیا،
روبہ منشان بمن چہ دارند	لومڑیون کو مجھ سے کیا کام؟ یہ شیر کی
پیشانی شیر را چہ خارند	پیشانی کیون کھجلاتی ہین؟ جن لوگون
آنانکہ بہ من نظر فگندند	نے میری طرف نظر اُٹھائی میرے
در معرکہ ام سپر فگندند	مقابلہ مین سپر ڈال دی؟

یہ تمام تر بحث، الفاظ کی انفرادی حیثیت سے تھی، لیکن اس سے زیادہ مقدم الفاظ کا باہمی تعلق اور تناسب ہے یہ ممکن ہے کہ ایک شعر مین جسقدر لفظ آئین الگ الگ دیکھا جائے تو سب موزون اور فصیح ہون لیکن ترکیبی حیثیت سے ناہمواری پیدا ہو جائے، اسلئے یہ نہایت ضروری ہے، کہ جو الفاظ ایک ساتھ کسی کلام مین آئین اُن مین باہم ایسا توافق، تناسب، موزونی اور ہم آوازی ہو کہ سب ملکر گویا ایک لفظ یا ایک ہی جسم کے اعضا بن جائین یہی بات ہی جسکی وجہ سے شعر مین وہ بات پیدا ہوتی ہے جسکو عربی مین انسجام کہتے ہین اور جسکا نام ہماری زبان مین سلاست، صفائی

اور روانی ہے، یہی چیز ہے جسپر خواجہ حافظ کو ناز ہے اور جسکی بنا پر اپنے حریف کی شان مین کہتے ہین، ؎

صنعتگرست اما شعرِ روان ندارد

یہی وصف ہے جسکی وجہ سے شعر مین موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے اور شاعری اور موسیقی کی سرحدین ملجاتی ہین،

علی حزین کا ایک شعر ہے،

چون سر کنم حدیثِ لبِ لعلِ یار را	جب مین معشوق کے لب کی بات شروع کرتا ہون
گرد از نہادِ چشمۂ حیوان بر آورم	تو چشمۂ حیوان سے گرد اڑنے لگتی ہے

خان آرزو نے پہلے مصرع مین یون اصلاح دی۔

چون سر کنم حدیثے از ان خطِ پشتِ لب

آرزو کے مصرع مین جسقدر الفاظ ہین یعنی حدیث، خط، پشت، لب، سب بجائے خود فصیح ہین لیکن ان کے ملانے سے یہ حالت پیدا ہو گئی ہی کہ مصرع پڑھنے کیوقت معلوم ہوتا ہی کہ ہر قدم پر ٹھوکر لگتی جاتی ہے، بخلاف اس کے حزین کا مصرع موتی کیطرح ڈھلکتا آتا ہی

معنی کے لحاظ سے الفاظ کا اثر

یہانتک الفاظ کی نسبت جو بحث تھی وہ زیادہ تر لفظ کی حیثیت یعنی آواز اور صورت اور لہجہ کے لحاظ سے تھی، لیکن شاعری کا اصلی مدار، الفاظ کی معنوی حالت پر ہے یعنی معنی کے لحاظ سے الفاظ کا کیا اثر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان مین کیونکر اختلاف مراتب ہوتا ہے۔

ہر زبان مین مترادف الفاظ ہوتے ہین جو ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہین لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو اِن الفاظ مین باہم فرق ہوتا ہے یعنی ہر لفظ کے مفہوم اور معنی مین کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو دوسرے مین نہین پائی جاتی، مثلاً خدا کو فارسی مین خدا، پروردگار، داور، داوار، ایزد، آفریدگار، سب کہتے ہین، بظاہر ان سب الفاظ کے ایک ہی معنی ہین لیکن درحقیقت ہر لفظ مین ایک خاص بات اور خاص اثر ہی جو اسکے ساتھ مخصوص ہی، اسلئے شاعری کی نکتہ دانی یہ ہے کہ جس مضمون کے ادا کرنے کیلئے خاص جو لفظ موزون اور موثر ہے، وہی استعمال کیا جائے ورنہ شعر مین وہ اثر نہ پیدا ہوگا، یہ ایک دقیق نکتہ ہے، اور بغیر اسکے کہ ایک خاص مثال مین ایک ایک لفظ پر بحث کرکے نہ سمجھایا جائے سمجھ مین نہین آسکتا۔

فیضی کا شعر ہے،

بانگِ قلم درین شب تار　　　　بس معنی خفتہ کرد بیدار

"شعر کا اصل مضمون یہ ہی کہ" شاعری مین مین نے بہت سے نئے مضمون پیدا کئے" اسکو استعارہ کے پیرایہ مین یون ادا کیا ہے کہ" میرے قلم کی آواز نے بہت سے سوتے ہوئے مضمونون کو جگا دیا" اب اسکے ایک ایک لفظ پر خیال کرو۔

بانگ خاص اُس آواز کو کہتے ہین جسمین بلندی اور فخامت ہو جو جگانے کیلئے موزون ہی، بانگ اور آواز اور صریر ہم معنی ہین اسلئے بانگِ قلم کی بجائے آوازِ قلم اور صریرِ قلم بھی کہہ سکتے ہین اس موقع کے لئے صرف بانگ، موزون ہی۔

قلم کو فارسی مین خامہ اور کلک بھی کہتے ہین، لیکن قلم کے لفظ مین جو فخامت اور رعب ہے اور لفظون مین نہین متکلم کے میم نے ملکر اس فخامت کو اور بڑہا دیا ہے بانگ اور قلم کی ترکیب نے لفظ کو زیادہ پُر وزن کر دیا ہے،

تار کو تیرہ اور تاریک بھی کہتے ہین لیکن اس مصرع مین حُسنِ صوت کے لحاظ سے تار ہی موزون ہے،

بس کے ہم معنی بہت سے الفاظ ہین مثلاً بسیار، مختے، خیلے، وغیرہ لیکن بس کے لفظ مین کثرت کی جو توسیع ہے اور لفظون مین نہین ہے،

ان تمام باتون پر غور کرو تب یہ نکتہ حل ہو گا کہ اس شعر مین جو اثر ہے اسکا سبب یہ ہے کہ مضمون کی ایک ایک خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے جو الفاظ درکار تھے اور جن کے بغیر وہ خصوصیت ادا نہین ہو سکتی تھی سب شاعر نے جمع کر دئے اور ان باتون کے ساتھ اصل مضمون مین اصلیت، اور طرز ادا مین جدت اور ندرت پیدا کی،

بڑے بڑے خیالات اور جذبات لفظ کے تابع ہوتے ہین، ایک لفظ ایک بہت بڑے خیال یا بہت بڑے جذبہ کو مجسم کر کے دکھا سکتا ہے، ایک بہت بڑا مصوّر ایک مرقع کے ذریعہ سے غیظ و غضب، جوش اور قہر، عظمت اور شان کا جو منظر دکھا سکتا ہے، شاعر صرف ایک لفظ سے وہی اثر پیدا کر سکتا ہے مثلاً فردوسی نے جہان رستم و سہراب کی داستان شروع کی ہے لکھتا ہے،

کنون جنگ سہراب و رستم شنو — اب سہراب و رستم کی لڑائی سنو، بہت سے واقعات

دگر ہا شنیدستی این ہم شنو — سن چکے ہو اب ذرا اسکو بھی سنو،

اس شعر مین یہ ظاہر کرنا تھا کہ سہراب کا واقعہ تمام گذشتہ واقعات سے زیادہ موثر، زیادہ عجیب، زیادہ پُر درد، اور زیادہ عبرتناک ہی شاعر نے صرف **این ہم** کے لفظ سے جو خیال ادا کر دیا ہے وہ ان سب باتون کو شامل ہے اور پھر ان پر محدود نہین بلکہ اور آگے بڑھتا ہے یعنی معلوم نہین اس داستان مین اور کیا اثر ہو گا!!

سکندر جب دارا کے پاس عالم نزع مین گیا ہی تو دارا اس سے کہتا ہی،

زمین را منم تاج تارک نشین — مین زمین کے سر کا تاج ہون، مجھکو

مجنبان مرا تا نجنبد زمین — نہ ہلا، ورنہ زمین ہل جائے گی،

دوسرے مصرع نے وہ اثر پیدا کیا ہے جو ایک لشکر جرار نہین پیدا کر سکتا،

بہت سے لفظ ایسے ہوتے ہین جنکے معنی گو مفرد ہوتے ہین لیکن اُس مین مختلف حیثیتین ہوتی ہین اور اس لحاظ سے وہ لفظ گویا متعدد خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے، اس قسم کا ایک لفظ ایک وسیع خیال ادا کر سکتا ہے اور اسلئے اسکے بجائے اگر اُسکے مرادف الفاظ استعمال کئے جائین تو مضمون کا اثر اور وسعت کم ہو جاتی، مثلاً کعبہ کو حرم بھی کہتے ہین لیکن کعبہ کے لفظ سے ایک خاص عمارت مفہوم ہوتی ہے، بخلاف اسکے حرم کے لفظ مین متعدد مفہوم شامل ہین، عمارت خاص، یہ خیال کہ وہ ایک محترم جگہ ہے، یہ خیال کہ وہان قتل وقصاص ناجائز ہے، یہ خیالات اس بنا پر ہین کہ حرم کے لغوی معنی ہی سے اسی مناسبت سے اُس عمارت کا یہ نام پڑا، اور اب گو یہ لفظ علم بن گیا ہے تاہم لغوی

معنی کی جھلک ابتک موجود ہی اس بنا پر حرم کا لفظ جن موقعون پر جو اثر پیدا کر سکتا ہے کعبہ کا لفظ نہین پیدا کر سکتا۔ خاندان نبوت کو بھی **حرم** کہتے ہین اور وہان بھی عزت اور حرمت کی خصوصیت ملحوظ ہے،

ان باتون کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہو گا کہ ذیل کے شعر مین حرم کا لفظ کیا اثر پیدا کرتا ہے اور اگر یہ لفظ بدلجائے تو شعر کا درجہ کیا رہ جائے گا،

ازصاحب حرم چہ توقع کنند باز　　　　آن ناکسان کہ دست بر اہل حرم زنند

یہ شعر اہل بیت کی شان مین ہے اور اس موقع کی طرف اشارہ ہی جبکہ یزید کی فوج نے اہل بیت کے خیمون مین گھسکر انکے زیور اور کپڑے لوٹنے شروع کئے ہین، شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اہل بیت پر ہاتھ ڈالتے ہین انکو صاحب حرم یعنی خدا سے مغفرت کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

فصیح اور مانوس الفاظ کا انتخاب شاعر کے لئے نہایت ضرور ہے کہ فصیح اور مانوس الفاظ کا تفحص کرے اور کوشش کرے کہ کوئی لفظ فصاحت کے خلاف نہ آنے پائے **فصاحت** کی تعریف اگرچہ اہل فن نے منطقی طور پر جنس و فصل کے ذریعہ سے کی ہے، یعنی حروف مین تنافر نہو، لفظ نادر الاستعمال نہو، قیاس لغوی کے مخالف نہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فصاحت کا معیار صرف ذوق اور وجدان صحیح ہے، ممکن ہے کہ ایک لفظ مین تنافر حروف، ندرت استعمال، مخالفت قیاس کچھ نہو، باوجود اسکے وہ فصیح نہو، یہ بھی ممکن ہی کہ ایک لفظ بالکل نادر الاستعمال ہو اور پھر فصیح ہو، زبان کے الفاظ جو کبھی ہم نے استعمال

نہین کئے تھے بلکہ ہمارے کانون مین نہین پڑے تھے، اوّل اوّل جب ہم سنتے ہین تو انمین سے بعض ہمکو فصیح معلوم ہوتے ہین، اور بعض نامانوس اور مکروہ، حالانکہ ندرت استعمال مین دونون برابر ہین،

ایک نکتہ خاص طور پر یہان لحاظ رکھنے کے قابل ہے، اکثر الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ اُن مین ثقل ہوتا ہے لیکن ابتدائی زمانہ مین جب لوگون کا احساس نازک نہین ہوتا تو انکا ثقل محسوس نہین ہوتا، کثرت استعمال اس ثقل کو اور کم کردیتی ہے لیکن بالآخر جب احساس نازک ہوجاتا ہے تو وہ الفاظ صاف کھٹکنے لگتے ہین اور رفتہ رفتہ متروک ہوجاتے ہین، لیکن نکتہ دان اور لطیف المذاق شاعر فتوی عام سے پہلے اس قسم کے الفاظ ترک کردیتا ہے، اور اسکا چھوڑنا گویا ان الفاظ کے متروک کرنے کا اعلان ہوتا ہے، یہی شعرا ہین جنکی شاعری زبان کا آئین اور قانون بنجاتی ہے، اسکی مثال اردو مین شیخ امام بخش ناسخ ہین بہت سے بدمزہ اور ناگوار الفاظ مثلاً "آئے ہے" "جائے ہے" "کہوے ہے"، یا اردو الفاظ کی فارسی جمعین مثلاً "خوبان"، وغیرہ وغیرہ الفاظ ناسخ کے زمانہ مین عموماً مروّج تھے اور اور تمام شعراے دہلی اور لکھنؤ انکو برتتے تھے، لیکن ناسخ کے مذاق صحیح نے برسون کے بعد آنے والی حالت کا پہلے اندازہ کرلیا اور یہ تمام الفاظ ترک کردئے جو بالآخر دلی والون کو بھی ترک کرنے پڑے، خواجہ حافظ نے معلوم نہین کے سوبرس کے آیندہ احساسات کا اندازہ کرلیا تھا کہ آج تک انکی زبان کا ایک لفظ متروک نہین ہوا، غرض یہ ہے کہ شاعر جسطرح مضامین کی جستجو مین رہتا ہے، اسکو ہر وقت الفاظ کی

جانچ پڑتال، اور ناپ تول مین بھی مصروف رہنا چاہئے اسکو نہایت وقت نظر سے دیکھنا چاہئے
کہ کون سے الفاظ مین د،مخفی اور دور از نگاہ ناگواری موجود ہے جو آیندہ چلکر سب کو
محسوس ہونے لگے گی۔

یہ بات بھی بتادینے کے قابل ہے کہ بعض الفاظ گو فی نفسہ ثقیل ہوتے ہین لیکن
گرد و پیش کے الفاظ کا تناسب اُنکے ثقل کو مٹا دیتا ہے یا کم کر دیتا ہے اسلئے شاعر کو
مجموعی حالت پر نظر رکھنی چاہئے، اگر معنی کے لحاظ سے اس قسم کا لفظ اسکو کسی موقع پر مجبوراً
استعمال کرنا ہے تو کوشش کرنی چاہئے کہ ایسے موقع پر اسکے لئے جگہ ڈھونڈھے کہ یہ
عیب جاتا رہے یا کم ہو جائے۔

سادگی ادا | سادگی ادا کے یہ معنی ہین کہ جو مضمون شعر مین ادا کیا گیا ہے، بے تکلف سمجھ
مین آجائے یہ بات اسباب ذیل سے حاصل ہوتی ہے،

۱۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا جملون کے اجزا کی وہ ترتیب قائم رکھی جائے جو عموماً اصلی حالت
مین ہوتی ہے، وزن اور بحر و قافیہ کی ضرورت سے اجزائے کلام اپنی اپنی مقررہ جگہ
سے زیادہ نہ ہٹنے پائین،

۲۔ مضمون کے جسقدر اجزا ہین ان کا کوئی جُز درہ نہ جائے جسکی وجہ سے یہ معلوم ہو کہ
بیچ مین خلو رہ گیا ہی جس طرح زینہ سے کوئی پایہ الگ کر لیا جاتا ہی مثلاً انوری کا یہ شعر،

تا خاک کف پائے ترا نقش نہ بستند | اسباب تپ لرزہ ندادند قسم را

اس شعر کا مطلب سمجھنا امور ذیل کے ذہن نشین کرنے پر موقوف ہے، جھوٹی قسم

کہانے سے تپ لرزہ آجاتا ہی ممدوحؐ کے خاک پاکی لوگ قسم کہاتے ہین شعر کا مطلب یہ ہے کہ قسم مین جو تاثیر رکھی گئی ہی کہ کوئی جھوٹی قسم کہائیگا تو اسکو تپ چڑھ آئیگی یہ بات اسوقت سے ہوئی ہے جب سے ممدوح کے کف پا کا نقش زمین پر بنا، اب اگر کوئی شخص ممدوح کے کف پا کی قسم جھوٹ کہاتا ہی تو اسکو لرزہ چڑھ آتا ہے، ورنہ پہلے جھوٹ قسم کہانے سے کچھ نقصان نہین ہوتا تھا۔

اس مضمون مین یہ جز کہ "جھوٹی قسم سے تپ آجاتی ہے" مذکور نہین نہ اسقدر یہ مشہور ہے کہ تپ کے ذکر سے اسکا خیال آجائے، اکثر اشعار مین جو تعقید اور پیچید گی رہ جاتی ہی اسکی یہی وجہ ہوتی ہی کہ مضمون کا کوئی ضروری جز دچھوٹ جاتا ہے۔

اسکے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اکثر موقعون پر بعض اجزائے مضامین کا چھوڑ دینا خاص لطف پیدا کرتا ہے یہ وہ موقع ہوتے ہین جہان سننے والون کا ذہن خود بخود اس جز کیطرف منتقل ہوسکتا ہے مثلاً یہ شعر۔

چھیڑتا تھا تو کوئی شکوہ بیجا کرتا
سخت شرمائے ہین اتنا نہ سمجھتا تھا انھین

شعر کا مطلب یہ ہی کہ مین معشوق کو بھولا بھالا سمجھتا تھا اس لئے مین نے اسکو چھیڑنا چاہا تو سچی شکایتین کین کہ وہ اس سے ناراض یا شرمندہ نہ ہوگا لیکن وہ سمجھ گیا اور بہت شرمایا، اب مجھکو افسوس ہے فقط چھیڑنا مقصود تھا اس لئے جھوٹی شکایت کرنی چاہیے تھی کہ وہ شرمندہ بھی نہوتا اور چھیڑ چھاڑ کا لطف بھی قائم رہتا، اس مضمون مین سے یہ حصے کہ "مین نے دل لگی سے ان کو چھیڑا" اور "سچی شکایتین کین" چھوڑ دئے گئے ہین لیکن مضمون کے بقیہ حصے انکو

پورا کر دیتے ہین، یہ شاعری کا ایک خاص نازک پہلو ہے اور مرزا غالب کا یہ خاص انداز ہے

۳- استعارے اور تشبیہین دور از فہم ہون، اسکی تفصیل استعارہ اور تشبیہہ کی بحث مین آے گی۔

۴- اکثر اشعار، مین قصہ طلب حوالے ہوتے ہین اور انپر اکثر شاعرانہ مضامین کی بنیاد قائم ہوتی ہے انکو تلمیحات کہتے ہین، یہ تلمیحات ایسی نہین ہونی چاہئین جو کسی کو معلوم نہون، خاقانی کی تمامتر شاعری اسی قسم کی غیر متعارف تلمیحات پر مبنی ہے اور اسیوجہ سے اُسکے اکثر اشعار لوگون کے سمجھ مین نہین آتے، مثلاً

رد کم ترکو ابر خوان،	زرین ترہ کو بر خوان،	کسرے وترہ زرین،	پرویز و ترنج زر

پرویز کا ترنج زر تو خیر لوگون کو معلوم بھی ہو گا لیکن کسرے کے ترہ زرین کو کون جانتا ہے، اور کم ترکوا کی طرف تو بجز نہایت جید حافظ کے جو عالم بھی ہو کسی کا خیال بھی نہین منتقل ہو سکتا۔

۵- سادگی ادا مین اس بات کو بہت دخل ہے کہ روزمرّہ اور بول چال کا زیادہ لحاظ رکھا جاے، روزمرہ چونکہ عام زبانون پر چڑھا ہوتا ہے، اسلئے ایک لفظ ادا ہونے کے ساتھ فوراً پورا جملہ ذہن مین آجاتا ہے اور اسکے سہارے سے مشکل سے مشکل مضمون کے سمجھنے مین آسانی ہوتی ہے، بڑے بڑے نامور شعرا کا اصلی کمال یہی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ خیال روزمرّہ اور بول چال مین اس طرح ادا کرتے ہین کہ گویا معمولی بات ہی، مثلاً حضرات صوفیہ کے ہان، منازلِ سلوک مین بعض مرحلے مثلاً توکّل، رضا، ترک خودی دشوار

گذارہین۔

داغ نے اس مسئلہ کو کس سادگی سے ادا کیا ہے،

رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہی ۔۔۔ اس مین دو چار بہت سخت مقام آتے ہین

یہان شاید کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ سادگی کوئی عام چیز نہین قرار پاسکتی عوام کے لئے معمولی خیالات بھی عسیر الفہم ہین اور خواص مشکل مضامین کو بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہین لیکن یہ خیال صحیح نہین، سادگی یہی ہے کہ عام وخاص دونون بے تکلف سمجھ سکین، فرق جو ہوگا یہ ہوگا کہ عام آدمی شعر کا ظاہری اور سرسری مطلب سمجھ لین گے لیکن خواص کی نظر اسکے نکات، لطائف اور دقائق تک پہونچے گی اور اُن پر شعر کا اثر عوام سے زیادہ ہوگا، مثلاً یہ شعر

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم ۔۔۔ اے بے خبر زلذت شراب مدام ما

اسکا مطلب ہر خاص وعام سمجھ سکتا ہے، البتہ اس مین تصوف کا جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ خاص ارباب حال کے سمجھنے کی چیز ہے۔

شاعری کی بڑی خوبی جدت ادا ہے، جدت ادا مین بات کو خواہ مخواہ کسی قدر معمولی پیرایہ سے بدلکر اور اصلی راستہ سے ہٹ کر بیان کرنا ہوتا ہی اسلئے شاعر کو اس موقع پر سخت مشکل کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ اس صورت مین سادگی ادا کو قائم رکھنا گویا اجتماع النقیضین ہوتا ہے لیکن حقیقت مین شاعری کے کمال کا یہی موقع ہے، اسکی یہ صورت ہے کہ جدت کے سوا سادگی کی اور تمام باتین موجود

ہون یعنی الفاظ سہل ہون، تشبیہات قریب الفہم ہون، ترکیب مین پیچیدگی نہو روزمرہ اور محاورہ موجود ہو، ان سب باتون کے ساتھ جدت ادا مین اعتدال سے تجاوز نکیا جائے، اس صورت مین جدت کی وجہ سے سادگی مین کسی قدر فرق پیدا ہوگا، تو اور باتین اسکی تلافی کردینگی۔

جملون کے اجزا کی ترکیب یہ شعر کی خوبی کا بڑا ضروری جزو ہے، ہر زبان مین الفاظ کے تقدم وتاخر کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے کہ اس سے تجاوز جائز نہین جب اسی ترتیب سے یہ اجزا کلام مین آتے ہین تو مضمون بے تکلف سمجھ مین آجاتا ہے جب یہ اجزا اپنی اصلی جگہ سے ہٹ جاتے ہین تو مطلب مین پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے اور جسقدر یہ تبدیلی زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر کلام پیچیدہ ہوتا جاتا ہے لیکن شعر مین وزن اور بحر اور قافیہ کی ضرورت سے، اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تاہم شاعر کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ جہان تک ممکن ہو وہ کل کے پرزون کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھے اور کم سے کم یہ زیادہ نہ ہٹ جانے پائین، جسقدر یہ وصف شاعر کے کلام مین زیادہ ہوگا اسیقدر شعر مین زیادہ روانی اور سلاست ہوگی، یہی وصف ہے جس نے سعدی کے کلام کو تمام شعرا سے ممتاز کردیا ہے ان کے متعدد اشعار ایسے ہین کہ انکو نثر کرنا چاہین تو نہین کرسکتے کیونکہ ان مین جملہ کے اجزا کی وہی ترتیب ہے جو نثر مین ہوسکتی ہے اور ایسے تو بہت ہین جنکی نظم ونثر مین خفیف سا فرق ہے۔

مثلاً

خطِ سبز ولب لعلت بچہ ماند بہ دانی ۔۔۔ من بگویم بسرِ چشمۂ حیوان ماند
چکنند کشتۂ عشقت کہ نگویند غم دل ۔۔۔ تو پسندار کہ خون ریزی پنہان ماند

اے تماشا گاہ عالم روئے تو ۔۔۔ تو کجا بہر تماشا مے روی
بسیار خلاف وعدہ کردی ۔۔۔ آخر بہ غلط یکے وفا کن،

برخیز و در سرائے بربند
بنشین و قبائے بستہ وا کن

واقعیت — فن ادب کا یہ ایک معرکۃ الآرا اور مغالطہ انگیز مسئلہ ہے، ایک فریق کا خیال ہے کہ واقعیت، شعر کی ضروری شرط ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ محاسن شعری مین مبالغہ بھی ہے، اور ظاہر ہے کہ مبالغہ اور واقعیت، متناقض چیزین ہین، یہ مسئلہ مدت سے زیر بحث ہی اور فیصلہ اسوجہ سے نہین ہوتا کہ ہر فریق صرف اپنے دلائل پیش کرتا ہے اور مخالف کا استدلال ڈھونڈ لاکر کے دکھاتا ہے اسلئے ضرورت ہے کہ دونون طرف کے دلائل پورے زور کے ساتھ بیان کرکے انصافاً فیصلہ کیا جائے، ساتھ ہی یہ بھی بتایا جائے کہ فریق برسر غلط کو جو غلطی پیدا ہوئی ہے اسکے اسباب کیا ہین؟

مبالغہ کا طرفدار کہتا ہے کہ ائمہ شعر نے تصریح کی ہے کہ کذب اور مبالغہ شاعری کا زیور ہے نابغہ ذبیانی سے لوگون نے پوچھا کہ "اشعر الناس کون ہی؟" اُسنے کہا، من استجید کذبہ — یعنی "جسکا جھوٹ پسندیدہ ہو"[1]

[1] کتاب العمدہ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰ جلد دوم

نظامی فرماتے ہین۔

در شعر مپیچ و در فنِ او،	چون اکذب اوست احسنِ او،

تمام بڑے بڑے شعرا جن کی شاعری مسلمۂ عام ہی، ان کے کلام مین عموماً مبالغہ اور غلو موجود ہے اسکے علاوہ اکثر وہی اشعار کارنامۂ شاعری خیال کیے جاتے ہین جن مین کذب اور مبالغہ ہے۔ مثلاً **فردوسی** کے یہ اشعار،

بُن نیزہ و قبۂ بارگاہ	فرو شد بہ ماہی و بر شد بہ ماہ
زمین شش شد و آسمان گشت ہشت	ز بس گرد میدان کہ بر شد بہ دشت
زمشرق بہ مغرب تنیدہ طناب	یکے خیمۂ داشت افراسیاب

اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ بعض ائمۂ فن نے کذب اور مبالغہ کو حسن شاعری قرار دیا ہے لیکن زیادہ تر ائمۂ فن اسکے مخالف ہین۔

حسان بن ثابت کہتے ہین۔

بیت یقال اذا انشدتہ صدقا	وان اشعر بیت انت قائلہ

اچھا شعر وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو لوگ بول اُٹھین کہ سچ کہا۔

ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین اساتذہ کے بہت سے اقوال اسکے موافق نقل کیے ہین۔

جو شعرا بلاغت کے نکتہ شناس ہین، وہ زور طبیعت کی وجہ سے مبالغہ کرنا چاہتے ہین تو ساتھ ہی کوئی شرط لگا دیتے ہین جس سے مبالغہ نہین رہتا، مثلاً بحتری نے متوکل کی

مدح مین ایک نہایت پر زور قصیدہ لکھا ہے جس مین متوکل کے نماز عید مین جانے کا ذکر کیا ہے اس قصیدہ کا مشہور شعر یہ ہے۔

فلو ان مشتاقا تکلف فوق ما — فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر "کوئی شخص اپنے امکان سے زیادہ کام کرسکتا تو اے ممدوح، منبر تیری طرف بڑھکر چلا آتا"، چونکہ منبر کا حرکت کرنا محال بات تھی اسلئے شاعر نے قید لگادی کہ "اگر ایسا ممکن ہوتا تو یہ ہوتا"، یہان ایک خاص نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیے، شاعری اور انشاپردازی تمدن کے ساتھ ساتھ چلتی ہے یعنی جس قسم کا تمدن ہوتا ہی اسی قسم کی شاعری بھی ہوتی ہے۔ قوم کی ابتدائی ترقی کا جو زمانہ ہوتا ہے اسوقت شاعرانہ خیالات سادہ ہوتے ہین، جب ترقی کرتی ہے اور تمام شریفانہ جذبات مشتعل ہوجاتے ہین، تو گو شاعری مین جوش اور زور پیدا ہوجاتا ہے لیکن اب بھی سچائی اور راستی کے مرکز سے نہین ہٹتی، کیونکہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب قوم ہمہ تن عمل ہوتی ہے، اسکے بعد جب عیش اور ناز ونعمت کی نوبت آتی ہے تو ہر ہر بات مین تکلف، ساخت، اور آورد پیدا ہوجاتی ہے یہی زمانہ ہے جب شاعری مین مبالغہ شروع ہوتا ہے، اسیکا نتیجہ ہے کہ قدمائے اولین کے کلام مین بالکل مبالغہ نہین، جب عباسیہ کا دور آیا اور عیش پرستی کی ہوا چلی تو مبالغہ کا زور ہوا۔

اس تقریر سے یہ غرض ہے کہ جن شعرا کے کلام سے مبالغہ کی خوبی پر استدلال کیا جاتا ہے ان کی نسبت یہ دیکھو کہ وہ کس زمانہ کے ہین؟ اگر متاخرین مین ہین

تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تمدن کی خرابی ہے جسکا اثر مذاق پر بھی پڑا ہے کہ لوگ مبالغہ کو پسند کر رہے ہین ؟ اسلئے نہ شاعر سند کے قابل ہے نہ لپسند کرنے والون کے مذاق سے استدلال ہوسکتا ہے، بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تمدن کی خرابی نے شاعر اور سامعین، دونونکے مذاق کو خراب کر دیا ہے۔

جن لوگون نے کذب و مبالغہ کو شعر کا زیور قرار دیا ہے، ان کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ کذب و مبالغہ مین **تخئیل** کا استعمال کرنا پڑتا ہے، مثلاً اگر گھوڑے کی لسنبت یہ کہا جائے کہ وہ ایک منٹ مین ایک کرور کوس طے کر لیتا ہے، تو شعر بالکل بے مزہ اور مہمل ہوگا، اسلئے جب کوئی شاعر اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہے گا تو ضرور ہے کہ تخئیل سے کام لے مثلاً ایک شاعر کہتا ہے،

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو	پھینک دے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر	عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پایا منفک

ق

اس سے ظاہر ہوگا کہ مبالغہ مین اگر کوئی حسن پیدا ہوتا ہے تو تخئیل کی بنا پر ہوتا ہے، نہ اسلئے کہ وہ جھوٹ اور مبالغہ ہے، بعض مبالغون مین تخئیل کی بجائے اور کوئی شاعرانہ حسن ہوتا ہے،

مثلاً کمزوری اور لاغری کے مبالغہ مین یہ شعر۔

تنم از ضعف چنان شد کہ اجل جست و نیافت	نالہ ہر چند نشان داد کہ در پیرہن است

یعنی "میرا جسم ایسا گھل گیا کہ موت نے آکر بہت ڈھونڈھا لیکن نہ پایا جو دیکھ

نالہ نے پتہ بھی دیا کہ پیراہن مین ہے" اس شعر مین مبالغہ نے حسن نہین پیدا کیا ہے بلکہ حسن ادا کی خوبی ہے، اس بات کو کہ نالہ سے جسم کا وجود معلوم ہوسکتا تھا، یون ادا کیا ہے کہ گویا نالہ کوئی جاندار چیز ہے اور اسی نے پتہ بتایا،

غرض جب زیادہ غور اور کاوش کروگے تو معلوم ہوگا کہ مبالغہ کے جسقدر اشعار مقبول ہین، ان مین مبالغہ کے سوا اور خوبیان ہین اور دراصل یہ انہی کا اثر ہے۔

اس بحث مین ایک بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ شاعری کے مختلف انواع اور ان کی خصوصیات کا لحاظ نہین کیا جاتا، شعر کی دو قسمین ہین تخئیلی اور غیر تخئیلی تخئیل مین واقعہ سے غرض نہین ہوتی بلکہ زیادہ تر یہ مطمح نظر ہوتا ہے کہ قوت تخئیل کسقدر پرزور اور وسیع ہے، اس بنا پر اس قسم کی شاعری مین مبالغہ سے کام لیا جائے تو بدنما نہین، لیکن وہان بھی سامعین کی طبیعت پر استعجاب کا جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ مبالغہ کی وجہ سے نہین بلکہ قوت تخئیل کی بناپر ہوتا ہے، لیکن اور اقسام شاعری مثلاً فلسفیانہ، اخلاقی، تاریخی، عشقیہ، نیچرل، ان مین مبالغہ بالکل لغو چیز ہے، اسلئے اگر شعر مین مبالغہ جائز بھی ہو، تو صرف شعر کی ایک خاص نوع (تخئیل) مین ہوگا، اس سے عام خوبی نہین ثابت ہوسکتی۔

شاعری سے اگر صرف تفریح خاطر مقصود ہو تو مبالغہ کام آسکتا ہے، لیکن وہ شاعری جو ایک طاقت ہے، جو قومون کو زیروزبر کرسکتی ہے، جو ملک مین ہل چل ڈال سکتی ہے، جس سے عرب قبائل مین آگ لگادیتے تھے، جس سے نوحہ کیوقت

در و دیوار سے آنسو نکل پڑتے تھے، وہ واقعیت اور اصلیت سے خالی ہو تو کچھ کام نہین کر سکتی
تم نے تاریخ مین پڑھا ہوگا کہ جاہلیتہ مین، ایک شعر ایک معمولی آدمی کو تمام عرب مین روشناس
کر دیتا تھا، بخلاف اسکے ایران کے شعرا نے جن ممدوحون کی تعریف مین دفتر کے دفتر
سیاہ کر دیے، ان کا نام بھی کوئی نہین جانتا، اسکی یہی وجہ ہے کہ شعراے جاہلیت،
کے کلام مین واقعیت ہوتی تھی اسلئے اسکا واقعی اثر ہوتا تھا، ایرانی شعرا باتون کے
طوطے مینا بناتے تھے جس سے دم بھر کی تفریح ہو سکتی تھی، باقی ہیچ۔

یہ اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب شعر مین واقعیت ہو، ورنہ خالی باتون کی
شعبدہ کاری سے کیا ہو سکتا ہے، عرب کی شاعری مین جو یہ اثر تھا کہ قبیلہ کے قبیلہ مین
ایک شعر آگ لگا دیتا تھا اسی وقت تک تھا جبتک شاعری مین واقعیت تھی کہ جو
کچھ کہتے تھے سراسر سچ ہوتا تھا، جب عباسیہ کے دور مین مبالغہ شروع ہو گیا تو شاعری
ایک بانگ بے اثر رہ گئی، شعرا دیوان کے دیوان لکھ ڈالتے تھے اور کوئی خبر
نہین ہوتا تھا۔

یہ ضرور نہین کہ شعر مین جو کچھ کہا جائے وہ سرتاپا واقعیت ہو بلکہ غرض یہ ہے
کہ اصلیت کے اثر سے خالی نہ ہو، مثلاً ایک واقعہ واقع مین نہین ہوا لیکن شاعر کو
اسکا پورا یقین ہے یہ واقعہ شعر مین ادا ہوگا تو اثر سے خالی نہ ہوگا۔

میر انیس کہتے ہین۔

حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا — لنگر نہ ٹوٹ جاے زمین کے جہاز کا

اس شعر مین بظاہر مبالغہ ہے، کسی انسان کے حملہ سے زمین اپنی جگہ سے نہین ہل سکتی لیکن جب یہ تصور کیا جائے کہ یہ کلام کسکی زبان سے نکلا ہے تو کلام مین واقعیت کا اثر آجاتا ہے اور پھر مبالغہ نہین رہتا، دوسری صورت واقعیت کی یہ ہے کہ گو وہ واقعہ جسکی طرف منسوب کیا گیا ہے اُسکی طرف یہ نسبت صحیح نہین لیکن فی نفسہ واقعہ ممکن ہے اور پایا جا سکتا ہی، اس صورت مین شعر کا اثر باطل نہین ہوتا۔

عرفی نے خوب کہا۔

منکر نتوان گشت اگر دم زنم از عشق ۔۔۔ این نشہ بمن گر نبود بادگرے ہست

"یعنی مین اگر عشق کا دعوے کردن تو انکار نہین کرنا چاہئے، یہ نشہ مجھ مین نہی کسی نہ کسی مین تو ہے" عشقیہ اشعار مین مبالغے اسلئے چندان بدنما معلوم نہین ہوتے کہ شاعر مین گو وہ باتین نہ ہون لیکن عشق و محبت کے جوش مین اس قسم کے واقعات ناممکن نہین

شعر مین مبالغہ کے پیدا ہونے کا اصلی سبب یہ ہوا کہ شاعر کا احساس، عام لوگونکی بہ نسبت زیادہ قوی اور مشتعل ہوتا ہی، اسلئے ہر واقعہ اسپر اور دن کی بہ نسبت زیادہ اثر کرتا ہے، شاعر اسی اثر کو ادا کرتا ہے لیکن چونکہ عام لوگ اس درجہ کا احساس نہین رکھتے، ان کو وہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے اور اب جو لوگ دراصل شاعر نہین ہین اور شاعر بننا چاہتے ہین، وہ بہ تکلف مبالغہ شروع کرتے ہین، اور اصلی حد سے نکل جاتے ہین،

قدما اسی جائز حد تک مبالغہ کرتے تھے لیکن متاخرین نے جو دراصل فطرۃً شاعر نہ تھے بہ قصد و ارادہ اپنے احساس کو قوی تر بنانا چاہا اور چونکہ اسکا انکو خود تجربہ نہ تھا اسلئے کہین سے کہین نکل گئے یہان تک کہ جسقدر زیادہ ناممکن بات کا اظہار کیا جائے اسیقدر مبالغہ کا حسن سمجھا جانے لگا۔

کلام کے لئے واقعیت ایسی ضروری چیز ہے کہ بلاغت کے بہت سے اسالیب مین صرف اسی وجہ سے حُسن اور اثر پیدا ہوتا ہی کہ اسمین واقعیت کا پہلو ہوتا ہے مثلاً وہ موقع جہان شاعر کسی بات کو شک اور اشتباہ کے طور پر بیان کرتا ہے، مثلاً

دارد جمال روئے تو امشب تماشائی دگر　　　یا آن کہ من می بینمش بہتر ز شبہائی دگر

یعنی "معشوق کے چہرہ مین آج زیادہ جلوہ گری ہی، یا یہ کہ مجھی کو ایسا نظر آتا ہی" اس شعر مین تعریف کا اقتضا یہ تہا کہ شاعر قطعی طور سے دعوے کرتا کہ معشوق کا حُسن بڑھ گیا ہی لیکن اسنے شک ظاہر کیا اور کہا کہ یا تو حسن مین ترقی ہوئی، یا فی نفسہ ترقی نہین ہوئی لیکن مجھ پر خاص اثر ہی، چونکہ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہی، اور اسلئے اس مین واقعیت کا زیادہ پہلو ہے، اسلئے یہ طرز ادا زیادہ پر لطف معلوم ہوتا ہے، یا مثلاً

یا مگر کاوش آن نشتر مژگان کم شد　　　یا کہ خود زخم مرا لذتِ آزار نماند

یا مثلاً جہان کسی چیز کو کچھ گھٹا کر بیان کیا جاتا ہے وہان ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے یہ اسی واقعیت کا اثر ہے، مثلاً

پاس ادب سے رہ گئی فریاد کچھ ادھر　　　مین کیا کہون کہ چرخ برین کتنی دور تہا

غرض شعر اُسوقت تک کچھ اثر نہین پیدا کر سکتا جبتک اس مین واقعیت نہو، عرب مین شاعری کا اوج شباب جاہلیت کا زمانہ خیال کیا جاتا ہی، اس زمانہ مین شعرا جو کچھ کہتے تھے سرتاپا واقعہ ہوتا تہا، میدان جنگ سے شاعر اگر بہاگ آیا ہی تو اُسکو بہی ظاہر کر دیتا تہا ایک جہنی شاعر نے اپنا اور دشمنون کا معرکہ لکھا ہے، چونکہ لڑائی برابر رہی تہی، اسلئے ایک ایک بات مین مساوات کا پلّہ برابر رکہا ہی، یہان تک کہ کہتا ہی۔

فآبوا بالرماح مکسرات	وہ لوگ ٹوٹے ہوئے نیزون کے ساتھ واپس گئے
واُبنا بالسیوف قد انحنین	اور ہم۔ پلٹے تو ہماری تلوارین خم ہو گئی تہین۔

کسی رئیس، یا بادشاہ کی تعریف کرتے تھے، تو واقعیت سے تجاوز نہین کرتے تھے، سلامۃ بن جندل سے ایک رئیس نے کہا کہ "میری مدح لکھو" چونکہ اسمین کوئی وصف مدح کے قابل نہ تہا، شاعر نے انکار کیا اور کہا افعل حتی اقول، "تم کچھ کرکے دکھاؤ تو مین کہون"

تخئیل مین بظاہر واقعیت کی ضرورت نہین معلوم ہوتی لیکن درحقیقت تخئیل بھی اسیوقت پُر لطف اور پُر اثر ہوتی ہے جب اس کی تہ مین واقعیت ہو، مثلاً یہ شعر

منکہ زخمت را نہان از چشم سوزن داشتم	کے بہ ہر نامحرمے، چاک جگر خواہم نمود

شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ اے معشوق! مین نامحرم کو اپنے جگر کا چاک بھلا کیونکر دکھا سکتا ہون مین نے تو تیرے زخمون کو سوئی کی آنکھون سے بہی چھپا رکہا ہے۔

اس شعر مین سوئی کو ایک جاندار چیز قرار دینا اور اس سے زخم کا چھپانا تخئیل ہی لیکن مضمون کی اصلی بنیاد واقعیت پر مبنی ہی اصل مضمون یہ ہے کہ مین عام آدمیونکے

سامنے معشوق کے گلے نہین کرتا، بلکہ اپنے خاص ہمدرد لوگون سے بھی اپنے راز کو چھپاتا ہو

شعر کیون اثر کرتا ہے۔ یہ امر بدیہی ہو کہ شعر ایک مؤثر چیز ہے لیکن یہ بحث طلب ہو کہ اس اثر کا اصلی سبب کیا ہو؟ ارسطو نے کتاب الشعر مین اسکی جو وجہ لکھی ہو اسکا حاصل یہ ہے۔

"انسان مین نقالی اور محاکات کا فطری مادہ ہو جانورون مین یا تو یہ مادہ مطلق نہین ہوتا، یا ہوتا ہو تو کم ہوتا ہو، مثلاً طوطی صرف آواز کی نقالی کرسکتا ہو، حرکات، سکنات کی نقل نہین کرسکتا، بندر حرکات، سکنات کی نقل اُتارتا ہو لیکن آواز سے کام نہین لے سکتا بخلاف اسکے انسان آواز سے، اشارہ سے، حرکات سے، سکنات سے، اور اور مختلف طریقون سے ہر چیز کی نقل اتار سکتا ہے" "یہ بھی انسان کی فطرت ہو کہ اسکو محاکات سے ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہو، فرض کرو اگر ایک بدصورت جانور کی ہوبہو تصویر کھینچی جاے تو ہر شخص کو لطف آئیگا حالانکہ خود اس جانور کے دیکھنے سے طبیعت مکدر ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے کی محاکات خود لطف انگیز ہے، فی نفسہ وہ شے بری ہو یا بھلی اور چونکہ شعر بھی ایک قسم کی نقالی اور مصوری ہو اسلئے خواہ مخواہ اس سے طبیعت پر اثر پڑتا ہو۔

"دوسری وجہ یہ ہو کہ موسیقی اور راگ بالطبع موثر چیز ہے اور شعر مین موسیقی کا جزا شامل ہو اسلئے جس شعر مین زیادہ موسیقیت ہوتی ہو زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

ارسطو نے جو وجوہ بیان کئے، گو بجاے خود صحیح ہین، لیکن شعر کی تاثیر انہی باتون پر موقوف نہین، شعر مین اور بھی بہت سی باتین ہین جنکی وجہ سے وہ دلونکو متاثر کرتا ہو اس مضمون کے دلنشین ہونے کیلئے پہلے یہ نکتہ سمجھنا چاہیے کہ انسانی معاشرت کی کل فلسفہ اور

سائنس سے نہین بلکہ جذبات سے چل رہی ہے، فرض کرو ایک بڈھے شخص کا بیٹا مر گیا ہے اور لاش سامنے پڑی ہے، یہ شخص اگر سائنس سے رائے لے تو یہ جواب ملیگا کہ ایسے اسباب جمع ہو گئے جنکی وجہ سے دورانِ خون، یا دل کی حرکت بند ہو گئی، اسیکا دوسرا نام مرنا ہے یہ ایک مکانک واقعہ ہے جو ناگزیر وقوع مین آیا، اور چونکہ دوبارہ زندہ ہونے کی کوئی تدبیر نہین اسلئے رونا دھونا بیکار بلکہ ایک حماقت کا کام ہے، لیکن کیا تمام عالم مین ایک شخص کا بھی اسپر عمل ہے، کیا خود سائنس دان اس اصول سے کام لے سکتا ہے؟ بچون کا پیار، مان کی مامتا، محبت کا جوش، غم کا ہنگامہ موت کا رنج، ولادت کی خوشی، کیا ان چیزونکو سائنس سے کوئی تعلق ہے؟ لیکن یہ چیزین اگر مٹ جائین تو دفعتہً سناٹا چھا جائیگا اور دنیا قالب بیجان، شراب بے کیف، گل بےرنگ، گوہر بےآب ہو کر رہ جائیگی، دنیا کی چہل پہل، رنگینی، دلاویزی، دلفریبی، سائنس کیوجہ سے نہین بلکہ انسانی جذبات کیوجہ سے ہے جو عقل کی حکومت سے قریباً آزاد ہے۔

شاعری کو جذبات ہی سے تعلق ہے اسلئے تاثیر اسکا عنصر ہے، شاعری ہر قسم کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے اسلئے رنج، خوشی، جوش، استعجاب، حیرت مین جو اثر ہے شعر مین بھی وہی اثر ہوتا ہے، مصورانہ شاعری اسلئے دل پر اثر کرتی ہے کہ جو مناظر اثر انگیز ہین، شاعری ان کو پیش نظر کردیتی ہے۔

بادِ سحر کے جھونکے، آبِ رواں کی رفتار، پھولونکی شگفتگی، غنچون کا تبسم، سبزہ کی لہلہاہٹ خوشبوؤنکی لپٹ، بادل کی بہار، بجلی کی چمک، یہ منظر آنکھ کے سامنے ہو تو دلپر وجد کی کیفیت طاری ہو جائیگی، شاعری ان مناظر کو بعینہٖ پیش کر دیتی ہے اسلئے اسکی تاثیر سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے

شاعری، صرف محسوسات کی تصویر نہین کھینچتی، بلکہ جذبات اور احساسات کو بھی پیش نظر کر دیتی ہے، اگر ہم خود اپنے نازک، اور پوشیدہ جذبات سے واقف نہین ہوتے یا ہوتے ہین تو صرف ایک دہندلا دہندلا سا نقش نظر آتا ہے، شاعری، ان پس پردہ چیزونکو پیش نظر کر دیتی ہے، دہندلی چیزین چمک اٹھتی ہین، مٹا ہوا نقش اُجاگر ہو جاتا ہے، کہوئی ہوئی تجربات آجاتی ہے، خود ہماری روحانی تصویر، جو کسی آئینہ کے ذریعہ سے ہم نہین دیکھہ سکتے، شعر ہمکو دکہا دیتا ہے۔

دنیا کا کاروبار جسطرح چل رہا ہے اسکا اصلی فلسفہ، خود غرضی اور اُصول معاوضہ ہے، اور جب اسکو زیادہ وسعت دیجاے، تو ہمارے تمام اعمال اور افعال، ایک سلسلہ داد و ستد بنجاتے ہین، بچونکی محبت اور پرداخت اسلیے ہے کہ وہ آیندہ چلکر ہمارے کام آئینگے باپ کی اطاعت، اسکے پچھلے احسانات، کا معاوضہ ہے، مہمان نوازی اس اصول پر ہے کہ ہمکو بھی کبھی مہمان ہونے کی ضرورت پیش آئیگی، قومی کام اسلیے کیے جاتے ہین کہ واسطہ در واسطہ خود کرنے والے کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

اس فلسفہ سے بے شبہ عمل کی قوت بڑہ جاتی ہے، تجارت کو ترقی ہوتی ہے کاروبار وسیع ہو جاتے ہین، دولت کی بہتات ہو جاتی ہے لیکن تمام جذبات مر جاتے ہین دل مردہ ہو جاتا ہے، لطیف اور نازک احساسات فنا ہو جاتے ہین عشق و محبت برباد ہو جاتے ہین، اور تمام دنیا ایک بے حس کل بن جاتی ہے، جو خود غرضی کی قوت سے چل رہی ہے، اس حالت مین شعر شریفانہ جذبات کو تر و تازہ کرتا ہے وہ محسوسات کے

دائرہ سے نکال کر ہمکو ایک اور وسیع اور دلفریب عالم مین لے جاتا ہی، وہ ہمکو بے لاگ اور بے غرض دوستی کی تعلیم کرتا ہی، وہ ہمکو سچی خوشی اور سچی مسرت دلاتا ہے، جب کہ کاروبار کے ہجوم، مقابلہ کی کشمکش، معاملات کی الجھن، تردداتکی دارو گیر سے دل بالکل ہمت ہار دیتا ہی تو شعر مجسم سکون اور اطمینان بنکر ہمارے سامنے آتا ہی، اور کہتا ہی۔

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش | کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و از شر و شورش

جب کہ سائنس اور مشاہدات کی ممارست ہمکو سخت دل اور کرّا بنا دیتی ہی اور تمام معتقدات، اور مسلمات عامہ کے دلمین حقارت پیدا ہو جاتی ہی، کسی بات پر اعتبار نہین آتا، کسی چیز کا اثر نہین رہتا، مادہ کے سوا تمام چیزون کی حکومت دل سے اُٹھ جاتی ہی۔ اسوقت شاعری ہمارے دلکو رقیق اور نرم کرتی ہے، جس سے تسلیم، اثر پذیری اور اعتقاد پیدا ہوتا ہی، مادیت کے بجائے روحانیت قائم ہوتی ہی وہ ہمکو عالم تخئیل مین لے جاتی ہے جہان تھوڑی دیر کے لئے مشاہدات کی بے رحم حکومت سے ہمکو نجات ملجاتی ہی۔

جب کہ دولت اور امارت کی سحر کاریان ہمارے دلکو رشک اور حسرت سے بھر دیتی ہین، سلاطین اور امرا، کی نظر فروز زندگی ہمارے دلپر رشک کے چرکے لگاتی ہے، اسوقت ہاتف غیب کی یہ آواز۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار | چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

شاعری کا استعمال شعر ایک قوت ہی جس سے بڑے بڑے کام لئے جاسکتے ہین بشرطیکہ اسکا استعمال صحیح طور سے کیا جائے، عرب مین شاعری کی ابتدا ارجز سے ہوئی ہی یعنی میدان جنگ

مین دو حریف جب مقابلہ کیلئے بڑہتے تھے تو جوش مین فخریہ موزون فقرے انکی زبان سے نکلتے تھے، یہ دو چار شعر سے زیادہ نہین ہوتے تھے، لیکن طبل جنگ کا کام دیتے تھے، اسکے بعد مرثیہ شروع ہوا، یعنی جب کوئی عزیز یا دوست مرجاتا تہا تو اُسکی لاش پر نوحہ کرتے تھے بعض بعض شعراے تمام عمر مرثیہ کے سوا کچھ نہ کہا خنسا، ایک عورت تہی، وہ اپنے بہائی سے نہایت محبت رکہتی تھی، وہ مرگیا تو اسکو اسقدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر روئی چنانچہ اسکے سیکڑون ہزارون اشعار اسکے مرثیہ مین ہین متمم بن نویرہ کا بھی بہائی کے مرنے پر یہی حال ہوا شہر شہر مارا مارا پہرتا تہا جہان پہنچ جاتا، مرد وعورت اسکے پاس جمع ہو جاتے، بہائی کا مرثیہ پڑہتا خود روتا اور لوگونکو رلاتا۔

مرثیہ کے بعد قصیدہ شروع ہوا۔

شعراے عرب اکثر صاحب تیغ وعلم ہوتے، اسلئے قصائد مین اپنے معرکے لکہتے تھے عمرو بن ہند عرب کا مشہور بادشاہ گذرا ہے، جب اس کا تسلط تمام ملک پر ہوگیا تو اس نے ایک دن دربار مین کہا کہ کیا عرب مین آج کوئی ہے؟ جو میرے سامنے گردن نہ جہکائے۔ درباریون نے کہا، عمرو کلثوم شاعر، اگر آپ کا مطیع ہوجائے تو پھر کوئی شخص آپکے سامنے سر نہین اٹھاسکتا، بادشاہ نے عمرو کلثوم کو مع مستورات کے بلا بھیجا، عمرو کلثوم کی مان شاہی حرم مین گئی، اور وہ خود دربار مین بیٹھا، بادشاہ کی مان نے عمرو کلثوم کی مان سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اُٹھا دینا اسنے کہا کہ تم خود اُٹھالو، بادشاہ کی مان نے دوبارہ حکم دیا، اور پھر یہی جواب ملا تیسری دفعہ جب فرمائش کی تو عمرو کلثوم کی مان چیخ اُٹھی کر واتغلباہ (قبیلہ تغلب کی دہائی) عمرو کلثوم نے آواز سنی سمجھا کہ اسکی مان کی تحقیر کی گئی فوراً تلوار میان سے

گھسیٹ، بادشاہ کا سر اُڑا دیا، اور دربار سے نکل آیا، پھر بڑا ارن پڑا جسمین دونون طرف کے ہزارون آدمی مارے گئے، عکاظ کے میلہ کا دن آیا تو عمرو کلثوم نے مجمع عام مین کھڑے ہوکر قصیدہ پڑہا جسمین اس واقعہ کی تفصیل تہی، اس قصیدہ مین تمام واقعات، اور اپنی حمیت وغیرت کو اس جوش سے لکھا ہے کہ دو سو برس تک قبیلہ تغلب کا ہر بچہ اسکے اشعار بچپن ہی سے سیکھتا اور یاد کرتا تہا، اہل تاریخ کا بیان ہے کہ اس قصیدہ کی بدولت کئی سو برس تک اس قبیلہ مین شجاعت اور دلیری کے اوصاف قائم رہے، آج بھی یہ اشعار افسردہ دلونکو گرما دیتے ہین، یہ قصیدہ در کعبہ پر آویزان کیا گیا تھا اور اسوجہ سے سبعہ معلقہ مین داخل ہے۔

یہ شاعری کا صحیح استعمال تہا اور اسیکا اثر تہا کہ عرب مین قوم کی باگ شعرا کے ہات مین تھی، وہ قوم کو جدہر چاہتے تھے جہونک دیتے تھے، اور جدہر سے چاہتے تھے روک لیتے تھے، افسوس ہے کہ ایران نے کبھی یہ خواب نہین دیکھا، یہانکے شعرا ابتدا سے غلامی مین پلے اور ہمیشہ غلام رہے وہ اپنے لئے نہین بلکہ دوسرن کیلئے پیدا ہوئے تھے،

شریفانہ اخلاق پیدا کرنے کا، شاعری سے بہتر کوئی آلہ نہین ہوسکتا، علم اخلاق ایک مستقل فن ہے، اور فلسفہ کا ایک جزء اعظم ہے ہر زبان مین اس فن پر بہت سی کتابین لکھی گئی ہین لیکن اخلاقی تعلیم کیلئے ایک ایک شعر ایک ضخیم کتاب سے زیادہ کام دیسکتا ہے، شاعری ایک موثر چیز ہے اسلئے جو خیال اسکے ذریعہ سے ادا کیا جاتا ہے، دلمین اتر جاتا ہے اور جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے اس بنا پر اگر شاعری کے ذریعہ سے اخلاقی مضامین بیان کئے جائین اور شریفانہ جذبات مثلاً شجاعت، ہمت، غیرت، حمیت، آزادی کو اشعار کے

ذریعہ سے اُبھارا جائے تو کوئی اور طریقہ اسکی برابری نہین کرسکتا، اسلام سے پہلے عرب ایک سخت جاہل اور مفلس قوم تھی، گوے اور اونٹنی کے دودھ کے سوا، اور کچھ انکو میسر نہین آسکتا تہا مکان کے بدلے جھونپڑے یا کمبل کے تمبو تھے، رات دن آپس مین لڑتے اور کٹتے مرتے تھے باانیہمہ انہی وحشیون مین سچائی، ایفاے عہد، مہمان نوازی، جود وسخا ہمت وغیرت کے جو اوصاف پائے جاتے تھے آج شایستہ قومون کو نصیب نہین، نہایت سچ کہا ہے۔

جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے رہنما ~~~ اُن مین نہین پاتے ہم آج انکی نظیر

میدان جنگ مین جنگی باجے، وہ کام نہین دیسکتے جو رجز کا ایک ایک مصرع دیسکتا ہے، حضرت عایشہ صدیقہ جب حضرت عثمان کے خون کے دعوے سے جناب امیر علیہ السلام سے معرکہ آرا ہوئین اور انکی فوج پر شکست کے آثار پیدا ہوئے تو قبیلہ ضبتہ کے ایک شخص نے بڑھکر، ان کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور یہ اشعار پڑھے۔

نحن بنو ضبتہ اصحاب الجمل	ہم قبیلہ ضبتہ کے لوگ ہین، ہمکو موت شہد سے زیادہ
الموات احلی عندنا من العسل	شیرین معلوم ہوتی ہے، ہم عثمان رضی کے مرنیکی خبر برچھی
ننعی ابن عفان باطراف الاسل	کی زبان سے سناتے ہین، ہمارے شیخ (عثمان)
ردوا علینا شیخنا ثم بجل	کو واپس دیدو، پھر کچھ جھگڑا نہین۔

یہ شخص خود لڑکر مارا گیا لیکن یہ حالت ہوئی کہ پے در پے، بڑے بڑے سردار، آگے بڑہتے تھے، حضرت عایشہ کے اونٹ کی مہار تہامکر لڑتے تھے، اور مارے جاتے تھے، قریباً ڈیڑھ سو آدمیون نے اسطرح جانین دیدین۔

استقلال اور پامردی کی تعلیم ارسطو کی کتاب الاخلاق سے اسقدر نہین ہو سکتی جسقدر اس شعر سے ہو سکتی ہے۔

من آنگہ عنان باز پیچم ز راہ | مین اُسوقت، میدان سے ہٹون گا؟
کہ بایسر دہم یا ستانم کلاہ | کہ یا تو سر دیدون، یا تاج چھین لون؟

اخلاق کی کتابون مین ریاکاری کی برائی کے دفتر ہین، لیکن یہ ایک رباعی ان سب سے زیادہ اثر کر سکتی ہے۔

زاہد بزن فاحشہ گفتا مستی | کز خیر گسستی و بشر پیوستی
زن گفت چنان کہ مے نمایم ہستم | تو نیز چنان کہ مے نمائی ہستی

یعنی زاہد نے ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بڑی نالائق ہے عورت نے کہا مین جیسا اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہون، باطن مین بھی ویسی ہی ہون (یعنی میرا ظاہر باطن یکسان ہے، کیا حضور بھی باطن مین ایسے ہی ہین جیسا ظاہر مین نظر آرہے ہین، اخلاق جلالی، اور اخلاق ناصری، علم اخلاق کی نہایت مستند کتابین ہین، لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ ایرانیکے اخلاق و عادات پر، گلستان اور بوستان نے ان سے کہین زیادہ اثر کیا ہے،

شاعری کے جسقدر اقسام ہین، یعنی فلسفیانہ، اخلاقی، عشقیہ، تخئیلی، سب سے مفید کام لئے جا سکتے ہین، فلسفیانہ شاعری دقیق خیالات کو آسانی کیساتھ ذہن نشین کر سکتی ہے اخلاقی شاعری، اخلاق کو سنبھالتی ہے، عشقیہ شاعری سے زندہ دلی اور تازگی روح پیدا ہوتی ہے، تخئیل سے طبیعت کو اہتزاز اور انبساط ہوتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر

شعرائے ایران نے شاعری کا صحیح استعمال نہین کیا بہ لحاظ غالب، شاعری، صرف دو کام کیلئے مخصوص ہو گئی، سلاطین اور امرا کی مدّاحی جسمین کذب و افترا کا طومار باندھا جاتا تہا اور عشق و عاشقی جو دور از کار مبالغون اور فضول گوئیون سے معمور تھی۔

متاخرین نے تخئیل کو البتہ بہت وسعت دی، لیکن اس مین اسقدر اعتدال سے تجاوز کر گئے کہ تخئیل نہین رہی بلکہ معما بنگئی۔

شعر اور شاعری کی عظمت۔ عرب مین جب کوئی شاعر پیدا ہوتا تہا تو ہر طرف سے مبارکباد کی سفارتین آتی تہین، خوشی کے جلسے کئے جاتے تھے، قبیلہ کی عورتین جمع ہو کر فخریہ گیت گاتی تہین، قبیلہ کی عزت اور شان دفعتہً بلند ہو جاتی تھی، ایک ایک شعر ایک قبیلہ یا ایک شخص کا نام قیامت تک کے لئے زندہ کر دیتا تہا شماخ بن ضرار نے عرابہ اوسی کی شان مین یہ شعر کہا

اذا ما رایۃ رفعت لمجد	جب عظمت اور بڑائی کا جھنڈا کہین بلند کیا جاتا
تلقاھا عرابۃ بالیمین	ہے تو عرابہ اسکو داہنے ہاتھ سے تہام لیتا ہے

تو عرابہ کا نام تمام عرب مین مشہور ہو گیا اور آجتک یہ مصرع ضرب المثل ہو۔

عرب مین محلق ایک گمنام شخص تہا، اسکے تین بیٹیان تہین اور ان کو بر نصیب نہین ہوتا تہا، اتفاق سے اعشیٰ شاعر کا اسطرف گذر ہوا، محلق کی بیوی نے اسکی آمد سنی تو محلق سے کہا کہ یہ وہ شخص ہو کہ جسکی مدح کر دیتا ہو تمام ملک مین معزز ہو جاتا ہو، محلق نے اعشیٰ کی دعوت کی کہانے کے بعد شراب کا دور چلا تو اعشیٰ نے محلق سے اسکے اہل و عیال کا حال پوچہا محلق نے بیٹیونکا ذکر کیا کہ جوان ہو گئی ہین اور کہین سے شادی کا پیغام نہین آتا، اعشیٰ نے کہا اسکا

انتظام کر دیا گیا، تم مطمئن رہو عکاظ کے میلہ کا زمانہ آیا تو اعشیٰ نے مجمع عام مین قصیدہ پڑھا، تمہید کے بعد یہ شعر تھے۔

لعمری لقد لاحت عیون کثیرۃ   الی ضوء نارٍ بالبقاع تحرق

تشب لمقرورین یصطلیانھا   وبات لدی النار الندی والمحلق

قصیدہ ختم نہین ہونے پایا تھا کہ **محلق** کے گرد بھیڑ لگ گئی، شرفاے عرب نے آآکر اس سے قرابت کی خواہش کی اور تینون لڑکیان معزز گھرانون مین پہنچ گئین۔

نمیر ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، انکو اپنے حسب ونسب کا اسقدر غرور تھا کہ جب اس قبیلہ کے کسی آدمی سے کوئی شخص پوچھتا تھا کہ تم کس قبیلہ سے ہو تو غرور کے لہجہ مین بھاری آواز سے نمیر کا نام لیتا تھا، جریر جو مشہور شاعر تھا اسکو اس قبیلہ کے ایک آدمی سے رنج پہنچا جریر گھر مین آیا، بیٹے سے کہا آج چراغ مین تیل زیادہ ڈالنا، قبیلہ مذکور کی ہجو مین اشعار لکھنے شروع کئے جب یہ شعر زبان سے نکلا۔

فغض الطرف انک من نمیرٍ   فلا کعباً بلغت ولا کلابا

تو اچھل پڑا، اور کہا واللہ اخزیتہ اخر الدھر یعنی "خدا کی قسم مین نے اس کو ابد تک کیلیے رسوا کر دیا" تمام عرب مین یہ شعر مشہور ہو گیا اور یہ حالت ہوگئی کہ اس قبیلہ کے کسی آدمی سے لوگ قبیلہ کا نام پوچھتے تھے تو نمیر کا نام چھوڑ کر اوپر کی پشتون کا نام بتاتا تھا، یہانتک کہ سرے سے قبیلہ کا نام ہی مٹ گیا۔

سلطان محمود کی عظمت وشان، اور جبروت واقتدار محتاج اظہار نہین، لیکن

فردوسی نے ہجو کے جو شعر کہدے محمود کسی طرح انکو مٹا نہ سکا، تمام ملک مین منادی تھی کہ جسکے پاس یہ ہجو نکلے گی گرفتار ہوگا، فردوسی خود شہر بشہر روپوش بہاگا پھرتا تھا لیکن اُسکے اشعار بچہ بچہ کی زبان پر تھے، اور آج شاہنامہ کے جسقدر نسخے دنیا مین موجود ہین کوئی اس ہجو سے خالی نہین

عرب مین شاعر کا یہ رتبہ تھا کہ شاعر کسیکی مدح اور تعریف لکھنا عار سمجھتا تھا، ابتدائی شاعری سے ایک مدت تک مدحیہ قصائد نہین لکھے گئے، شاعر پر کوئی کچھ احسان کرتا تھا تو شکریہ کے طور پر اسکا ذکر کر دیتا تھا لیکن احسان کرنیوالا بادشاہ بھی ہوتب بھی مدح کا لفظ اسکی زبان سے نہین نکلتا تھا، سب سے پہلا شخص جسنے مدح لکھی نابغہ ذبیانی ہے، اگرچہ اس مدح کی بدولت نابغہ اس قدر دولت مند ہوگیا کہ سونے چاندی کے برتنون مین کھانا کھاتا تھا، لیکن عرب مین اسکی عزت جاتی رہی[1]، نابغہ کے بعد اعشیٰ نے شاعری کو پیشہ بنالیا جا بجا مدح کہتا اور انعام لیتا پھرتا تھا، رفتہ رفتہ یہ عام رواج ہوگیا اور اب ایک مدت سے قصیدہ، اور کاسۂ گدائی، مرادف الفاظ ہین، تاہم اسلام کے زمانہ مین بھی بعض بعض شعرا مدح سے عار رکھتے تھے، عمر بن ابی ربیعۃ القرشی جو غزل گو شاعر تھا اسنے کبھی کسیکی مدح نہین کی، اور جب خلیفہ عبد الملک نے اس سے مدح کی فرمایش کی تو اسنے کہا کہ "مین مردونکی نہین بلکہ عورتون کی مدح کرتا ہون"، جمیل ایک دفعہ ولید بن عبد الملک کا ہم سفر تھا ولید نے جمیل سے کہا کہ شعر سناؤ، اسکو خیال تھا کہ جمیل اسکی مدح کہے گا، جمیل نے اپنی شان مین یہ فخریہ شعر پڑھا،

انا جمیل فی السنام من معد ۔۔۔ فی الذروۃ العلیا و الرکن الاشد

---

[1] کتاب العمدہ، جلد اول صفحہ ۴۹۔

اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ولید وہ شخص ہے جس نے ایک طرف اسپین اور دوسری طرف سندھ فتح کیا تھا اور بنو امیہ مین اس سے بڑھکر کوئی بادشاہ نہین گذرا، تاہم جمیل سے کچھ تعرض نہ کرسکا۔

مروان بن ابی حفصہ کہتا ہے۔

ماذلت انفٌ ان أولف مدحۃً　　　　الا لصاحب منبرو سریر

یعنی مجھکو مدح سے ہمیشہ عار رہا اور مدح کرتا ہون تو صاحب تاج و تخت کی کرتا ہون

ابن میادہ نے خلیفۂ منصور کی مدح مین قصیدہ لکھا اور بغداد جانے کا ارادہ کیا کہ دربار مین سنائے تھوڑی دیر کے بعد نوکر دودھ لیکر آیا، ابن میادہ نے دودھ پیکر پیٹ پر ہاتھ پھیرا، اور کہا جبتک یہ میسّر ہے مجھکو منصور کی کیا غرض ہے۔

سیف الدولہ کی جاہ و جلالت مشہور ہے متنبی اسکے دربار کا شاعر تھا سیف الدولہ اسکو اور درباری شاعرون کے ساتھ برابر بٹھاتا تھا متنبی نے جلکر قصیدہ لکھا، اور دربار مین سنایا سیف الدولہ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے۔

وما انتفاع اخی الدنیا بناظرہٖ　　　　اذا استوات عندہ الانوار والظلم

یعنی انسان کو آنکھ سے کیا حاصل جب اسکو روشنی اور تاریکی یکسان نظر آتی ہے۔

یا اعدل الناس الا فی معاملتی　　　　فیک الخصام وانت الخصم والحکم

یعنی اے سب سے زیادہ انصاف کرنیوالے (بجز میرے معاملہ کے) تیری ہی بابت جھگڑا ہے اور تو ہی فریق مخالف ہے اور تو ہی پنچ ہے

یہ قصیدہ سنا کر، دربار سے چلا گیا اور مصر مین آیا، مصر سے بغداد ہوتا ہوا شیراز کا ارادہ کیا، شیراز مین عضد الدولہ حکمران تھا جو شاہنشاہ کا لقب رکھتا تھا اور جس کا ہمسر اس زمانہ مین کوئی بادشاہ نہ تھا، عضد الدولہ کو خبر ہوئی تو اسکے استقبال کے لئے دربانون کو بھیجا، متنبی دربار مین آیا، لیکن ان شرائط پر کہ دربار مین شعرا کے ساتھ نہین بیٹھے گا، اور قصیدہ کھڑے ہو کر نہین پڑھے گا، عضد الدولہ نے یہ شرطین منظور کین، ایک موقع پر عضد الدولہ نے کسی سے کہا کہ متنبی نے جو قصیدے شام مین لکھے یہ قصیدے اس رتبہ کے نہین متنبی نے کہا کہ جس درجہ کا شخص ہوتا ہے اُسی کے موافق شعر کہا جاتا ہے،

باب دوم

تاریخ

ایران مین شاعری کی ابتدا کیونکر ہوئی

یہ بحث پہلے حصہ مین گذر چکی ہے لیکن یہان اسکا اعادہ اس غرض سے ضروری ہے کہ گذشتہ کے واقعات کا سلسلہ مربوط ہو جائے، اس ضمن مین گذشتہ باتون کے متعلق بھی نئی معلومات کا اضافہ ہو جائے گا۔

اسلام سے پہلے ایران مین اگرچہ اور تمام علوم و فنون کمال کے درجہ تک پہونچ چکے تھے لیکن شاعری کا بہت کم پتہ چلتا ہے، مسٹر براؤن جو اسکے وجود کے مدعی ہین اس سے زیادہ کوئی ثبوت نہ پیش کر سکے کہ بارید کے راگ مدت تک زبان پر تھے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

نوائے بارید ماندہ است دستان

لیکن بارید کے راگ بول تھے شعر نہ تھے عوفی یزدی لباب الالباب مین لکھتا ہے،

"در عہد پرویز نوائے خسروانی کہ از بارید در صورت آوردہ است بسیارست فاما از وزن شعرو قافیت و مراعات نظائر آن دورست، بدان سبب تعرض بیان آن کردہ نیامد[۱]۔

---

[۱] لباب الالباب عوفی یزدی جلد اول مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۹۔

ترجمہ پرویز کے زمانہ مین خسروانی بول جسمین باربد نے راگ باندہے تھے، بہت پیدا ہوئے لیکن ان مین وزن، قافیہ اور لوازم شاعری نہین ہین، اسلئے انکا بیان مین نے نہین کیا۔

ہماری زبان کے ایک مشہور مصنف نے ایران کی قدیم شاعری پر، ان اشعار سے استدلال کیا ہے۔

ہژیرا، بہ گیہان انوشہ بدی ‫ ‫ ‫ جہان را بدیدار تو شتہ بدی

منم آن پیل دمان و منم آن شیر یلہ ‫ ‫ ‫ نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

زن شاہ است درداور گروا ‫ ‫ ‫ گوز گردونہ دار دبیم از کس

ان اشعار کے ساتھ یہ استدلال بھی پیش کیا ہی کہ "ایران اسقدر شایستہ اور ترقی یافتہ ملک زمین گلزار، آب وہوا فرحت انگیز، ولولہ خیز، کیونکر ممکن تہا کہ وہان دلون کے جوش، شعر کی صورت مین موزون ہوکر نہ نکلتے، اسکے علاوہ، فارسی کی خاص بحرین عرب کی بحر سے نہین ملتین اہل عروض نے ان کو خواہ نخواہ زحافون کے تراش دیکر عربی بحرون مین داخل کرلیا ہی۔

اس استدلال کے عقلی حصہ کا جواب یہ ہے کہ ایران کی آب وہوا کی فرحت انگیزی مین شبہہ نہین۔

لیکن یہ بھی بدیہی واقعات ہین کہ ایران کی سیکڑون تلمیحات اور روائتین آج موجود ہین ایران کا فلسفہ اور علوم نہین رہا لیکن حکمائے ایران کے نام اور انکے اقوال، آجتک کتابون مین نقل ہوتے چلے آتے ہین، یورپ کے محققون نے پہلوی زبان کی بہت سی کتابین ڈھونڈھ ڈھونڈھکر نکالین لیکن چار شعر بھی ہات نہ آئے، فارسی کے قدیم اشعار نہ ملتے تو نہ ملتے لیکن شعرا کا

نام زبان پر ہوتا جب یہ کچھ نہین، تو صرف زمین کی ولولہ خیزی کی شہادت کہانتک کام دیسکتی ہے

شعر نقل کئے ہین، ان مین سے پہلا شعر تو دعائیہ فقرہ ہی جو اتفاقاً موزون ہوگیا ہے۔

شاہنامہ مین جب کوئی درباری بادشاہ سے کچھ عرض معروض کرنی چاہتا ہے تو پہلے یہی شعر پڑہتا ہے۔

دوسرے شعر کی یہ کیفیت ہی کہ بہرام گور اتفاق سے عرب بادیہ نشینون مین پلا، انکے ساتھ رہنے سہنے سے عربی زبان اسکی مادری زبان ہوگئی، عرب مین شاعری عام تھی، اسلئے اسکو بھی مذاق پیدا ہوا، عوفی یزدی نے لکھا ہی[1] کہ مین نے بخارا کے کتب خانۂ سرکار مین اسکا عربی دیوان دیکھا تہا اور اسمین سے چند اشعار نقل کر لئے تھے جنمین سے چند شعر یہ ہین۔

یروصون تزویجی من الکفو طالباً	وہ لوگ چاہتے ہین کہ میری شادی برابر کے لوگون مین
ومالی من جنس الملوک عدیل	کردین لیکن میرا ہمسر کہان ملسکتا ہے، میرا خیال
اری ان مثلی کالمحال وجوده	ہے کہ میری نظیر محال ہے اور محال چیز کے
ولیس الی نیل المحال سبیل	ملنے کی کوئی تدبیر نہین۔

اگرچہ ان اشعار کی زبان ہرگز اُس زمانہ کی زبان نہین، زمانۂ جاہلیت مین مُحال کا لفظ کہان پیدا ہوا تہا، تاہم عوفی کے اس بیان سے ہمکو انکار نہین کہ بہرام عربی زبان مین کچھ کہتا ہوگا، بہرحال بہرام چونکہ عربی زبان کے ذریعہ سے شعر وشاعری سے واقف ہوگیا تہا اسلئے کبھی کبھی فارسی مین بھی اُسکی زبان سے موزون فقرے نکل جاتے تھے، عوفی یزدی لکھتا ہی

[1] لب اللباب جلد اول مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۹۔

"وقتے آن بادشاہ در مقام نشاط و موقف انبساط این چند کلمہ موزون بلفظ راند"

منم آن شیر گلہ، منم آن پیل یلہ
نام من بہرام گور و کنیتم بوجبلہ"

یہان چند باتین لحاظ کے قابل ہین، اولاً تو عوفی اس شعر کو "چند کلمہ موزون" سے تعبیر کرتا ہے شعر نہین کہتا، دوسری روایتون کی تحریف و تغیر کی یہ حالت ہے کہ تمام فارسی تذکرہ نویس اس شعر کو بہرام گور کے نام سے نقل کرتے ہین اور انکا ماخذ یہی عوفی یزدی کی روایت ہے لیکن اُسکے الفاظ اسطرح الٹ پلٹ کر دیئے ہین کہ شعر کی بحر اور وزن بالکل بدل گیا ہے عوفی نے جسطرح لکھا ہے وہ نثر سے ملتی جلتی بحر ہے، جو عرب کا مذاق ہے، بخلاف اسکے اور تذکرہ نویسون نے اسکو آجکل کی مروجہ فارسی بحرون کے موافق کر دیا ہے۔

غرض بہرام گور کے چند موزون کلمات کو شاعری کا سنگِ بنیاد نہین کہہ سکتے۔

تیسرا شعر بھی ایسے بڑے تاریخی مسئلہ کا جواب نہین ہو سکتا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام جب ایران مین آیا تو ایک مدت تک عرب براہ راست حکمران رہے، یہانتک کہ بنو امیہ کے زمانہ تک صوبون اور اضلاع کے حاکم بھی عرب ہی ہوتے تھے عباسیون کے دور مین وزارت عجم کے ہاتھ مین آئی، اور برامکہ کے مشہور خاندان نے اسقدر اقتدار حاصل کر لیا کہ عنان سلطنت بھی گویا اُسکے قبضہ مین آگئی، مامون الرشید ماں کی طرف سے عجمی تھا اسلئے ایرانی اسکو اپنا بھانجا کہتے تھے، مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر عجم ہی مین گذرا شخصی سلطنتون مین علوم و فنون بھی سلطنت ہی کے زیر اثر ہوتے ہین، اسلئے جب تک ایران مین خالص عرب کی حکومت رہی، فارسی شاعری نے زبان نہین کھولی اس زمانہ

مین عجم مین ہزارون شعرا پیدا ہوئے لیکن جو کچھ کہتے تھے عربی ہی مین کہتے تھے چنانچہ علامہ ثعلبی نے کتاب یتیمۃ الدہر مین انکے نام استقصا کے ساتھ لکھے ہین لیکن مامون چونکہ ننھال کی طرف سے عجمی تھا اسکی زبان مادری فارسی تھی، درباری بھی عموماً عجمی تھے، ان اسباب سے ملکی شعرا کو خیال پیدا ہوا کہ ملکی زبان کی قدر دانی کا بھی وقت آگیا، چنانچہ عباس مروزی نے یہ قصیدہ لکھکر پیش کیا

اے رسانیدہ بدولت، فرق خود بر فرقدین

گسترانیدہ بفضل وجود، درعالم، بدین

مر خلافت را تو شایستہ چو مردم، دیدہ را	تو خلافت کے لئے اسقدر موزون ہے جتنا آنکھو نکیلئے پتلی
دین یزدان را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین	خدا کے دین کیلئے تو اسیقدر ضروری ہو جتنا چہرہ کیلئے دو آنکھیں
کس برین منوال پیش از من چنین شعرے نگفت	کسی نے مجھسے پہلے اس انداز کے شعر نہین کہے
مر زبان پارسی را ہست تا این نوع بین	فارسی زبان کو اس انداز سے بیر ہے
لیک زان گفتم من این مدحت ترا تا این لغت	لیکن مین نے اسلئے یہ مدح لکھی کہ زبان بھی
گیرد از مدح وثنائے حضرت تو زیب وزین	تیری مدح سے زینت پاجائے۔

مامون نے ہزارون اشرفیان صلہ مین دین، ان اشعار سے ثابت ہوتا ہی کہ ابھی تک فارسی اور عربی زبان مین آمیزش نہین ہوئی تھی، اسلئے دونون زبانین آپس مین ملنے پر بھی رُکی رُکی معلوم ہوتی ہین۔

معلوم ہوتا ہے کہ مامون چونکہ چند روز کے بعد بغداد مین چلا آیا، فارسی شاعری پھیلنے نہ پائی اسلئے ایک مدت تک، فارسی شعر کا پتہ نہین چلتا، عوفی یزدی، عباس مروزی کے

اشعار مذکورہ بالا نقل کرکے کہتا ہے "بعد از وے کس شعر پارسی نگفت"

مامون الرشید کے بعد جب خلافت عباسیہ کے اقتدار مین ضعف کے آثار شروع ہوئے تو افسران ملکی خود مختاری کا خواب دیکھنے لگے، اس سلسلہ مین سب سے مقدم خاندان طاہریہ تہا جسکا بانی طاہر ذوالیمینین تہا۔ یہ خاندان ۵۴ برس تک حکمران رہا سنہ ۲۵۹ھ مین اسکا خاتمہ ہو گیا، یہ خاندان اگرچہ عربی النسل تہا، دربار کی زبان بھی عربی تھی، فارسی کیطرف انکو رغبت بھی نہ تھی، تاہم چونکہ مستقر حکومت خراسان تہا اسلئے شاعری نے ترقی کی اور حنظلہ، محمود وراق، فیروز مشرقی بہت سے شعرا پیدا ہو گئے،

واقعات مذکورہ سے ظاہر ہو گا کہ ایران مین شاعری کی ابتدا قدرتی طور سے نہین بلکہ اکتسابی طور سے ہوئی، عرب مین شاعری اس طریقہ سے شروع ہوئی کہ جب دو حریف لڑائی کیلئے بڑھتے تھے تو پہلے فخریہ اپنا حسب ونسب بیان کرتے تھے، یہ فقرے پہلے نثر مین ہوتے تھے، پھر موزون ہونے لگے اور رجز بنگئے، چنانچہ اہل ادب نے لکھا کہ عرب مین اقسام شاعری مین سب سے پہلے رجز شروع ہوا اور رجز کے بعد قصیدہ کا آغاز ہوا، لیکن انمین کسی کی مدح وذم نہین ہوتی تھی بلکہ جو جذبات دلمین پیدا ہوتے تھے، انھین کو ادا کر دیتے تھے، اور مجمع عام مین سُنا دیتے تھے، مدت تک لکھنا پڑھنا کچھ نہ تہا، شعرا اور رواۃ کو تمام اشعار زبانی یاد ہوتے تھے، بخلاف اسکے ایران مین شاعری کی ابتدا تعلم اور تعلیم کے ذریعہ سے ہوئی، یعنی جو لوگ عربی زبان کے ماہر تھے اور عرب کی شعر وشاعری انکے پیش نظر تھی، انھون نے اپنی زبان کی ترقی کیلئے بلکہ زیادہ تر

مداحی اور زرطلبی کیلئے شاعری شروع کی، اس سے مفصلۂ ذیل نتائج پیدا ہوئے۔

۱۔ ایران مین شاعری کی ابتدا مداحی اور قصیدہ گوئی سے ہوئی۔

۲۔ جو شخص شاعر ہونا چاہتا تھا کتابون کے ذریعہ سے اسکی تعلیم حاصل کرتا تھا۔

نظامی عروضی چہار مقالہ مین لکھتا ہے۔

اما شاعر بدین درجہ نرسد الا کہ در عنفوان شباب و در روزگار جوانی، بست ہزار شعر از اشعار متقدمین یاد گیرد، ہزار کلمہ از آثار متاخرین در پیش چشم کند، و پیوستہ دواوین استادان خواند و عروض بخواند و گرد تصانیف استاد ابوالحسن بہرامی سرخسی گردد مانند غایۃ العروضیین و کنز القافیہ و نقد معانی و نقد الفاظ و سرقات و تراجم و انواع این علوم بخواند۔

نظامی عروضی شاعری کیلئے متقدمین کے بیس ہزار، اور متاخرین کے ہزار شعر کا یاد رکھنا، استادون کے دیوانون کا ہمیشہ دیکھتے رہنا، فن عروض پڑھنا، بہرامی سرخسی کی تصنیفات کا زیادہ نظر رکھنا، غایۃ العروضیین وغیرہ کا مطالعہ کرنا، ضروری قرار دیتا ہے لیکن عرب کا شاعر صرف صحیفۂ فطرت پڑھ کر شاعر بنتا تھا۔

شاعری کی تدریجی رفتار اسقدر ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ فارسی شاعری کے مختلف دور ہین اور ہر دور کا جدا انداز ہے، اب ایک نکتہ سنج کا یہ فرض ہے کہ ہر دور کی تمام خصوصیتون کا پتہ لگائے نہ صرف انکا جو سطح پر نظر آتے ہین بلکہ انکا بھی جو تہ مین ہین اور جنپر عام نگاہین نہین پڑسکتین، اسکے ساتھ ان خصوصیتون کے وجوہ اور اسباب بتائے، یعنی کیونکر پیدا ہوئین؟ اور کسطرح ایک رنگ دوسرے رنگ سے بدلتا گیا؟

شعر اگرچہ غیر مادی چیز ہے، لیکن وہ مادیات کے ساتھ ساتھ چلتی ہی۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم ترقی کرتی ہے، تو ابتدا مین تمام چیزین خوراک، پوشاک، مکان، اسباب، آرایش، وضع، قطع، بے تکلف اور سادہ ہوتی ہین، رفتہ رفتہ نفاست، لطافت، اور تکلف پیدا ہوتا ہی اور روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے یہانتک کہ حد سے بڑھجاتا ہی اور اسوقت ترقی رُک کر قوم برباد ہو جاتی ہے۔

مثلاً ابتدا مین رہنے سہنے کے لئے پھوس کے جھونپڑے اور خس پوش کچی دیوارین ہوتی ہین پھر پختہ عمارتین بنتی ہین، پھر اُن مین مختلف حصے، شہ نشین، دالان، صحنچیان، بالاخانے قائم کئے جاتے ہین، کمرے فرش فروش سے سجاتے ہین، جھاڑ فانوس دیوارگیریان لگاتے ہین، تاہم اعتدال سے آگے نہین بڑھتے۔

پھر سنگ مرمر کی عمارتین بننی شروع ہوتی ہین، جواہرات کی پچی کاری ہوتی ہی دیوارون پر طلائی نقش و نگار بنتے ہین، اطلس و کمخواب کا فرش بچھتا ہے، دروازون پر گوہر نگار پردے آویزان کرتے ہین کافوری شمعین جلاتے ہین یہ ترقی کا آخر درجہ ہے اسکے بعد تنزل شروع ہوتا ہی اور قوم تباہ ہوجاتی ہے

شاعری کی بھی یہی حالت ہی، ابتدا مین سیدھے سادے صاف صاف اور بے تکلف خیالات ہوتے ہین، تشبیہات اور استعارے کہین کہین آجاتے ہین، الفاظ مین تراش خراش نہین ہوتی، جس مضمون کو ادا کرنا چاہتے ہین بغیر کسی اینچ پیچ کے بے تکلف ادا کردیتے ہین، اس سے قدم آگے بڑھتا ہے تو خیالات مین بلندی شروع ہوتی ہے، استعارے رنگین ہوجاتے ہین، تشبیہون مین نزاکت آجاتی ہے، مبالغون مین زور پیدا ہوجاتا ہے، الفاظ مین

تراش خراش شروع ہوتی ہے، جس مضمون کو ادا کرتے ہین استعارون کے رنگ مین ادا کرتے ہین، اسکے بعد وقت آفرینی اور باریک بینی شروع ہوتی ہو مبالغے آسمان تک پہنچ جاتے ہین، بال کی کھال نکالی جاتی ہو، استعارہ مین استعارہ پیدا کرتے ہین، محسوسات سے گذر کر صرف خیالی چیزون پر مدار رہجاتا ہو، یہ ترقی کی اخیر منزل ہے جو تنزل سے ہمدوش اور ہم آغوش ہے، اس اصول کی بنا پر فارسی شاعری کے دور اول کی سب سے پہلی خصوصیت سادگی اور بے تکلفی ہے، ایران مین جب شاعری شروع ہوئی تو تمدن اور معاشرت کا اوج شباب تھا، شاعری کا جو نمونہ سامنے تہا وہ متنبی، ابو نواس، ابن المعتز، بحتری، ابو تمام کی رنگینی بیان اور طلسم کاریان تھین، باوجود اسکے فارسی شاعری مین ابتدا ًا ایسے سادے، بے تکلف اور سرسری خیالات نظر آتے ہین کہ گویا قوم مین کسی طرح کا تمدن پیدا نہین ہوا ہے، یہ وہی بات ہے کہ ہر چیز ابتدا مین نہایت سادہ اور بے تکلف ہوتی ہے، ہماری زبان دیکھو ولی دکنی نے اردو شاعری کی بنیاد ڈالی، وہ ناصر علی، اور بیدل کا معاصر تہا جو مضمون بندی اور خیال آفرینی مین بال کی کہال نکالتے تھے، ولی ان لوگون سے راہ و رسم رکھتا تہا، اسکے ساتھ فارسی شاعری کا ماہر تہا، تاہم اردو مین شاعری شروع کی تو اسکا یہ انداز ہے

جسے عشق کا زخم کاری لگے ہے ۔۔۔ تو پھر زندگی اسکو بہاری لگے ہے

سادگی کا یہ وصف قدما کے اخیر دور تک قائم رہا لیکن مدارج مین فرق آتا گیا کیونکہ جسقدر زمانہ گذرتا تھا، سادگی کے بجائے آورد اور تکلف آتا جاتا تہا، وہ کہتا ہے،

اس مضمون کو کہ کمینہ آدمی تربیت سے شریف نہیں ہو سکتا ابوشکور بلخی نے اسطرح ادا کیا تھا

درختے کہ تلخش بود گوہرا — جس درخت کی اصل تلخ ہے

اگر چرب و شیرین دہی مر ورا — اگر اسکو چرب اور شیرین غذا دو

ہمان میوۂ تلخت آرد پدید — تب بھی وہی کڑوا پھل پیدا کریگا

از و چرب و شیرین نخواہی مزید — اس سے شیرین پھل نہیں پیدا ہو سکتا۔

اسی مضمون کو فردوسی یون ادا کرتا ہے۔

درختے کہ تلخست ویرا سرشت — گرش بر نشانی بہ باغ بہشت

ور از جوئے خُلدش بہ ہنگام آب — بہ بیخش شکر ریزی و شہد ناب

سر انجام گوہر بہ کار آورد — ہمان میوۂ تلخ بار آورد،

بات وہی ہے، لیکن بندش کی چستی اور نشست الفاظ نے مضمون کو کہان سے کہان پہنچا دیا ہے، شعرا" دل کو آگ سے مشابہت دیتے ہین اور یہ عام مضمون ہے، لیکن اول جب یہ خیال ادا کیا گیا تو اسکی یہ صورت تھی۔

احوال دلم مپرس کان بیچارہ — میرے دل کا حال نہ پوچھو وہ ایک

چوبے است در و فتادہ آتش دل نیست — لکڑی ہے جس مین آگ لگ گئی ہے

اسی خیال کو متاخرین نے یون ادا کیا، ۶

یک پارہ آتشے است، دلش نام کردہ اند

ایک ذرا سے تغیر سے مصرعہ چست ہو گیا، چوب کا لفظ بیہدا تھا وہ نکل گیا اسکے بجائے

پارۂ آتش" نے لطافت پیدا کر دی، "نام کردہ اند" نے لطافت کو اور بڑھا دیا یہ مضمون کہ "معشوق گو نامہربان اور دشمن ہو، تاہم اسکی محبت دل سے نہین جاتی" اوّل اوّل فرخی نے اسکو یون ادا کیا تھا۔

ہمہ دشمنی از تو دیدم ولیکن	مین نے تجھسے ہمیشہ دشمنی کا برتاؤ دیکھا
نگویم کہ تو دوستی را نشائی	تاہم مین نہین کہتا کہ تو دوستی کے ناقابل ہے

اسی خیال کو **سعدی** ادا کرتے ہین۔

بلطف و خوبی او در جہان ندیدم کس	مینے معشوق کی لطافت اور خوبی کے برابر دنیا مین کسیکو
کہ دشمنی کند و دوستی بیفزاید	نہین دیکھا کہ دشمنی کرتا ہو اور باوجود اسکے محبت اور بڑھتی ہے

شعرا معشوق کی کمر اور عاشق کے جسم کو، لاغر کہتے ہین، اسیطرح معشوق کے دہن اور عاشق کے دلکو تنگ باندھتے ہین، یہ مضمون قدما کے ہان ابتدائی حالت سے ادا ہوا تھا، متاخرین نے اسکو صرف بندش سے نہایت خوبصورت کر دیا۔

فرخی کا شعر ہے۔

گفتم بتا تن و دل من چیست بمر ترا	یعنی مینے پوچھا کہ میرا جسم اور میرا دل کیا چیز ہے معشوق نے
گفتا یکے میان من است، و یکے دہن	کہا جسکو تم اپنا جسم سمجھتے ہو وہ میری کمر ہے اور جسکو اپنا دل کہتے ہو وہ میرا دہن ہے۔

اسی بات کو **سعدی** یون کہتے ہین۔

دہان تنگ تو آموخت تنگی از دل من	وجود من ز میان تو لاغری آموخت

سعدی کا مشہور شعر ہے۔

زندہ ست نام فرخ نوشیروان بعدل گرچہ بسے گذشت کہ نوشیروان نماند

سعدی سے پہلے قدما کے عہد مین یہ خیال یون ادا ہوا تھا[1]،

آن خسروان کہ نام نکو کسب کردہ اند رفتند و یادگار از ایشان جز آن نماند

نوشیروان اگرچہ بسے داد نقش گنج بود جز نام نیک از پس نوشیروان نماند

ان مثالون سے اندازہ کرسکتے ہو کہ ابتدا مین ہر خیال کسقدر سادہ بھدا، اور انگھڑ ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ لطیف، شوخ اور رنگین ہوجاتا ہے، یہ ایک قدرتی بات ہے، اسمین خارجی اسباب کو دخل نہین،

سادگی کا اثر نہ صرف طرز ادا اور بندش مین ہوتا ہے، بلکہ تمام چیزین سادہ ہوتی ہین، متاخرین "ممدوح کے جاہ وحشم کا ذکر کرتے ہین، تو سواری کے لئے "اسپ فلک" اور "ابلق ایام" کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن قدما، معمولی ہاتھی گھوڑون کا بیان کرتے تھے اور اس سے بڑھکر سادگی یہ تھی کہ ممدوح کے دولت و مال کی تعریف مین مویشی خانہ اور گائے بیل کا بھی تذکرہ کرتے تھے۔

فرالاوی اس پایہ کا شاعر گذرا ہے کہ **رودکی** نے اسکی مدح کی ہے، وہ ایک قصیدہ لکھتا ہے۔

مادہ گاوان گلہ ات ہریک شاہ پرور بود چو **برمایون**

برمایون اُس گائے کا نام ہے جسکے دودھ سے فریدون نے پرورش پائی تھی،

[1] لباب الالباب عوفی یزدی جلد اول صفحہ ۱۳۔

شاعر کہتا ہے کہ تیرے گلہ مین جسقدر گائین ہین سب "بر مالیون" ہین۔

عشقیہ خیالات مین بھی اکثر نہایت سادگی پائی جاتی ہے، چہرہ پر زلفون کا ہوا سے اڑنا ایک دلکش منظر ہے اور متاخرین شعرا نے اسکے لئے نہایت لطیف تشبیہین پیدا کی ہین، لیکن محمد بن صالح مروزی جو سلطان محمود کے زمانے سے قبل کا شاعر ہے کہتا ہے۔

آن سیہ زلف، بر آن عارض او گوئی راست   به پر زاغ کسے آتش را باد کند

یعنی چہرہ پر زلفین ایسی معلوم ہوتی ہین گویا کوئی شخص کوّے کے پرون سے آگ بھڑکا رہا ہے۔

اگرچہ یہ تشبیہ درحقیقت نیچرل تشبیہ ہے، لیکن آج کا مذاق، اسکو کہان گوارا کر سکتا ہے؟

یہ ایک اجمالی بیان تھا اب ہم تفصیل سے ابتدائی حالت کا اثر ایک ایک چیز کے متعلق لکھتے ہین۔

صحت الفاظ کی پروا نہ تھی | ابتدائی حالت کا پہلا اثر یہ ہے کہ لفظون کی تراش خراش اور صحت الفاظ کا چندان خیال نہین ہوتا، قدما کے ہان اس کثرت سے غلط الفاظ پائے جاتے ہین کہ آج کسی کے کلام مین ایک دو لفظ بھی ایسے پائے جائین تو استادی کے رتبہ سے گر جائے، چند مثالین[1] ملاحظہ ہون۔

	غلط	صحیح
بہرامی۔ نہ ہست اکنون نہ باشد و نہ بود است ہرگیز	ہرگیز	ہرگز
فیروز مشرقی۔ شعر بکشاده و بر روے زنان ناخونا،	ناخون	ناخن

[1] یہ مثالین اکثر المعجم فی معائیر اشعار العجم اور دیوان منوچہری سے ماخوذ ہین

فیروز شرقی- سخنوران جہان، پاک پیش او ابلاہ	ابلاہ	اَبلَہ
مُعزّی- چو خورشید ترازو آید ترا،	ترازو	بترازو
" کدام دل کہ نگشت از غم زمانہ سقم	سقم	سقیم
" نگرد نیز ہمچو تو داد نگیرد	نگرد	نہ گیرد
" چون خواجہ البوالعباس آمد	البوالعَباس	ابوالعبّاس
فرخی- رای موافق و نیّت و اعتقاد او	نیّت	نیت
" تا تو بگیر بختی بحیلہ و چار	چار	چارہ
کسائی- اے میر بو محمد کہ ہمہ محمدت ہمی	بو محمد	ابو محمد
معروفی- آب انگور و آب نیلوفل	نیلوفل	نیلوفر

منوچہری- قوموا شرب الصبوح یا ایہا النائمین-

فارسی مین تشدید نہین ہے قدما بے تکلف جس لفظ کو چاہتے تھے مُشدّد باندھ دیتے تھے، رودکی کا ایک قصیدہ ہے، اسکے چند اشعار معجم مین نقل کیے ہین-

خزّ بجائے ملحم و خرگاہ — بدل باغ و بوستان آمد
مورد بجائے سوسن آمد باز — مے بجائے ارغوان آمد

ان اشعار مین بجاے خز اور مے کو مُشدّد باندھا ہے-

قافیہ کی ضرورت سے جس لفظ کو چاہتے تھے اس مین اشباع کا الف بڑہا دیتے تھے مثلاً ع نوبہار آمد آورد گل و یاسمنا

عروض کے قواعد کا چندان لحاظ نہ تہا

قافیہ مین اب جو قیدین ضروری قرار پائی گئی ہین، ابتدا مین ان کا چندان لحاظ نہین تہا، یہان تک کہ ابتدا مین حرف کا اتحاد بھی ضروری نہ تہا، قریب المخرج حرفون کو ہم قافیہ کر دیتے تھے، مثلاً

روبجاے آر، اندرین کار احتیاط ۔۔۔ زان کہ جز بر تو ندارم اتحاد

اس مین ط اور د کو ہم قافیہ کیا ہی۔

گفتی کہ با مخالف تو زین سپس مرا ۔۔۔ بنود بہیچ حالے بے امر تو حدیث،

رفتی و راز گفتی با دشمنان من ۔۔۔ وان کس کہ گوش دار تو بود آن ہم شنید

اس مین ث اور د کو ہم قافیہ کیا ہے۔

زندگانی اور گزینی کا قافیہ جائز سمجھتے تھے،

کنی ناخوش بہ ما بر زندگانی ۔۔۔ اگر از ما دمے دوری گزینی

ایطاے جلی آج سخت معیوب ہے، قدما کے ہان عام طور پر شائع ہے۔

تشبیہ کی سادگی

تشبیہین نہایت سادہ اور نیچرل ہوتی تھین، مثلاً انگلی کو قاقم کی دم سے تشبیہ دیتے تھے۔

پشت دستش بہ مثل چون شکم قاقم نرم ۔۔۔ چون دُم قاقم کردہ سر انگشت سیاہ

چہرہ اور زلف کی تشبیہ مین کہتے ہتے کہ برف پہ کالا کوا بیٹھا ہے

بر روے برف، زاغ سیہ را نگاہ کن ۔۔۔ چون زلف بر رُخ بتم آن شمسہ سیاہ

ہوا مین جو برف کے گالے اُڑتے ہین، اُسکی تشبیہ مین ایک شاعر کہتا ہی۔

بہ ہوا در نگر کہ لشکر برف	ہوا کو دیکھو کہ برف کا لشکر کسطرح
چون کند اندروہمی پرواز	اس مین اُڑتا جارہا ہے ،
راست ہمچون کبوتران سفید	ٹھیک اسطرح، جسطرح سفید کبوتر
راہ گم کردگان، زہیبت باز	باز کے خوف سے، اپنا راستہ بھولجائین

چہرہ اور سبزۂ خط کی تشبیہ مین، کسائی مروزی کہتا ہے۔

روے و موے تو نامۂ خوبی است	تیرا چہرہ اور زلف خوبصورتی کی کتاب ہے
چہ بود نامہ جز سفید و سیاہ	کتاب مین کالے اُجلے کے سوا اور کیا ہوتا ہے

اس زمانہ مین دہن کو غنچۂ البستہ وغیرہ سے تشبیہ دیتے تھے، متاخرین نے پہلے تو اسکو ذرہ، نقطہ، جوہر فرد بنایا پھر سرے سے غائب کر دیا، زلف کو سنبل، صلیب، خوشۂ انگور، کمند کہتے تھے، متاخرین نے، دام نظر، تسلسل وغیرہ تشبیہین ایجاد کین، کمر کو قد مار شاخ گل، کہتے تھے، پھر بال کہنے لگے تھے، متاخرین نے رگ گل، تار نظر وغیرہ کہتے کہتے معدوم کر دیا۔

مدح مین سادگی

مدحیہ خیالات مین بھی سادگی اور واقعیت تھی ابوالفرج بادشاہ کی مدح مین کہتا ہے

ہمت بلند باید کردن کہ تو ہنوز	تجھکو ہمت بلند کرنی چاہیے کیونکہ تو ابھی
بر پایۂ نخستین از نردبانیا	زینہ کی پہلی سیڑہی پر ہے ،

متاخرین کے دور مین کسی بادشاہ کی مدح مین اگر یہ کہا جائے کہ آپ ابھی ترقی کے پہلے زینہ پر ہین، تو صلہ کے بجائے قتل کا حکم ہوگا۔

لیکن اُس زمانہ مین اس قسم کے خیالات معیوب نہ تھے. قدما کے دور کا ایک شاعر بادشاہ کی مدح مین کہتا ہے، ؏

ما مرغکان گرسنہ ایم و تو خرمنی

یعنی ہم بھوکے مرغ مین اور تو خرمن ہی۔

اس زمانہ مین شعرا جہان بادشاہ سے اور چیزین صلہ مین مانگتے تھے، خوبصورت غلام بھی مانگتے تھے اور یہ گستاخی نہین سمجھی جاتی تھی ایک شاعر کہتا ہے۔

عیدی و نوروزی ازشہ ہیچ نستانم مگر ۔۔۔ بارگیرِ خاص و تُرکے دُرجِ گوہر بریان

مدحیہ قصائد مین بادشاہ کے منظور نظر سیپنون کی بھی تعریف کرتے تھے اور بادشاہ اس سے ناخوش نہین ہوتا تھا بلکہ انعام دیتا تھا عضاری نے ایک قصیدہ مین سلطان محمود کے ایما سے ایاز کے حسن کی تعریف کی اور دو توڑے انعام مین پائے۔

فرخی ایاز کے متعلق علانیہ کہتا ہے۔

نہ بر خیرہ بدو دل داد محمود ۔۔۔ دلِ محمود را بازی مپندار

یعنی محمود جو ایاز پر مرتا ہے، تو یون ہی نہین مرتا، محمود کا دل کوئی معمولی چیز نہین

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ اسوقت تک اسقدر واقعیت اور سادگی تھی کہ سوسائٹی کی جو حالت تھی بے تکلف صاف صاف کہدیتے تھے، یہ بات نہ تھی کہ بادشاہ یون تو ہزارون رندون کا ایک رند ہے لیکن قصائد مین ظل سبحانی اور خدا کا اوتار ہے۔

| عاشقانہ خیالات مین سادگی | اسوقت تک عاشقانہ خیالات بھی نہایت سادہ اور نیچرل تھے،

محبت اور عشق کی دقیق اداؤں اور واردا توں سے واقف نہ تھے پیار اور محبت کے جو خیالات پیدا ہوتے، صاف صاف کہدیتے تھے اس زمانہ کی غزل کا یہ انداز ہے،

همه جز قصد جفاے نکنی | حاجتم، ہیچ رواے نکنی
نکنی بر من بیچاره سلام | در کنی جز بہ ریاے نکنی

اس سادگی کو دیکھو کہ معشوق سے کہتا ہے "تو تو کبھی مجھکو سلام نہین کرتا اور کرتا بھی ہے تو ریاکاری سے کرتا ہے"

منوچہری کہتا ہے۔

چہ دعا کردی جانان کہ چنین خوب شدی | کہ چنین چاکر تو نیز دعاے تو کند

یعنی "اے معشوق تونے ایسی کیا دعا کی کہ اسقدر حسین ہو گیا، مجھکو بھی بتادے تو مین بھی دعا کرکے حسین ہو جاؤن"

ان بھولی بھولی باتون پر متاخرین کی ہزارون رنگین بیانیان نثار ہین،

فتوحی مروزی

نہ دہی ہر دو سہ ماہے یک بوس | دو تین مہینہ مین بھی ایک بوسہ نہین دیتا
ور دہی نیز بصد ناز دہی | اور دیتا بھی ہے تو سیکڑون ناز سے دیتا ہے
از سر بندہ نوازی چہ شود | بندہ نوازی کے لحاظ سے یہ کوئی بڑی بات نہین
گر مرا یک شبے آواز دہی | اگر کسی رات مجھکو آواز دیدو (یعنی بلالو)

غزل مین ضعف اور ناتوانی کا مضمون، عام مضمون ہے، اس مین متاخرین کی

نازک خیالیان تو یہ ہین کہ

تنم از ضعف چنان شد کہ اجل جست و نیافت ـــــ نالہ ہر چند نشان داد کہ در پیرہن است

یعنی میرا جسم ایسا دبلا ہو گیا کہ موت نے ڈہونڈا اور نپایا، ہر چند نالہ پکارا کیا کہ پیرہن مین ہے۔

لیکن قدما، کا یہ انداز ہے،

منصور رازی

یک موئے بدزدیدم از زلفت ، ۔	مین نے تیری زلف سے ایک بال چرالیا
چون زلف زدی اے صنم بشانہ	جب تونے بالون مین کنگھی کی
چونانش بہ سختی ہمی کشیدم	مین اس کو اسطرح بمشکل کھینچتا تہا
چون مور کہ گندم کشد بہ خانہ	جسطرح چیونٹی گیہون بل مین لیجاتی ہو
با موئے بہ خانہ در شدم، پدر گفت	بال لیکر جب مین گھر پہونچا تو میرے والدنے
منصور کدام است ازین دو گانہ	کہا کہ ان دونون مین سے منصور کون ہو

غرض، ابتدا مین ایک ایک بات سے بچپن کا اثر محسوس ہوتا تہا، جسقدر زمانہ گذرتا جاتا تہا، اصول ارتقا کے موافق، شاعری کا قدم آگے بڑہتا تہا۔

تیمور کے حملون نے ملک کو تہ وبالا کر رکھا تہا، اسلیے خواجہ حافظ کے بعد، ایک مدت تک شاعری کی ترقی رُکی رہی، جب سلاطین صفویہ کا دور شروع ہوا، اور عام امن و امان قائم ہوا، تو شاعری کا چشمہ پھر اُبلا اور محتشم، شفائی، عرفی، نظیری وغیرہ پیدا ہوئے،

اس دور مین اگرچہ صرف غزل کو ترقی ہوئی لیکن غزل ہی مین سب کچھ آگیا، رزم کے سوا فلسفہ، اخلاق، پند موعظت، تخییل، غرض شاعری کی ہر نوع کمال کے درجہ تک پہنچ گئی، اور غزل کے دائرہ نے اسپر بھی تنگی نہ کی۔

شاعری کی جن اصناف کو عہد بہ عہد جسطرح ترقی ہوئی، ہر قسم کی شاعری کے ریویو مین اس کی تفصیل آئیگی، اسلئے یہان اسکی تفصیل کی ضرورت نہین،

شاعری پر اسباب خارجی نے جو اثر کئے انکا بیان الگ الگ عنوان مین آگے آتا ہے،

عربی شاعری کا اثر فارسی شاعری پر

اہل عجم ہر موقع پر اعتراف کرتے ہین کہ شاعری مین اُن کے استاد عرب ہین انوری کہتا ہے۔

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود — تم جانتے ہو، شاعری کس قوم نے کی،

اوّل شان امرؤ القیس آخر شان بوفراس — وہ جسکا پہلا شاعر امراؤالقیس اور آخر بوفراس تہا

منوچہری دامغانی اپنے ایک ہمعصر پر اپنی ترجیح ثابت کرتے ہوے کہتا ہے۔

من بسے دیوان شعر تازیان دارم زبر — تو ندانی خواند الا ھبی بصحنک فاصبحین

یعنی مجھکو عرب کے بیسیون دیوان زبانی یاد ہین اور تو سبعہ معلقہ کا یہ قصیدہ بھی نہین پڑھ سکتا جسکا مطلع الا ھبی بصحنک فاصبحینا، ہے

منوچہری نے ایک قصیدہ عنصری کی مدح مین لکھا ہے اسمین عنصری کا مقابلہ قدیم شعرا سے کیا ہے کہ وہ اسکی برابری نہین کرسکتے لیکن صرف عرب شعرا کا نام لیا ہے"

کو جریر کو فرزدق کو ولید و کو لبید　　　اور بہ عجاج و بہ دیک الجن وسیف ذویزن

روایت اور استشہاد کی حاجت نہین، خود عجم کی شاعری شہادت دے رہی ہی

کہ اسنے عرب کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا ہے۔

باوجودیکہ عربی کی بحرین فارسی سے بہت الگ ہین، تاہم قدمائے ایران، اکثر

عربی قصیدون پر قصیدے لکھتے تھے اور خود قصیدہ مین اس بات کا اشارہ کرتے تھے

منوچہری نے ایک قصیدہ لکھا ہے۔

جہانا! چہ بدمہر و بدخو جہانی　　　چو آشفتہ بازار بازارگانی

قصیدہ کے خاتمہ مین کہتا ہے۔

بران وزن این شعر گفتم کہ گفت ست　　　ابوالشیص اعرابی باستانی

سالقاک واللیل ملق الجران　　　غراب ینوح علےٰ غصنِ بان

عربی شعر، ابوالشیص کا ہے جسکے جواب مین یہ قصیدہ لکھا ہی۔

اکثر شعرا عربی مشہور قصیدون کے مشہور فقرے یا مصرع کے ٹکڑے لاتے ہین

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی قصیدے انکے پیش نظر رہتے تھے۔

متنبی کا ایک قصیدہ ہے۔

احاد ام سداس فی أحادِ　　　ایک ہے یا ایک مین چھ ہے،

لییلتنا المنوطۃ بالتناد　　　یہ رات جو کہ قیامت سے ملی ہوئی ہی

انوری ایک قصیدہ مین لکھتا ہے،

ہے سپیدہ دم شب خذلان بدخواہت چنانکہ ۔۔۔ تا بصبح حشر میگوید اُحادُ اُم سُداس

یہ اسی متنبی کے شعر کی طرف اشارہ ہے ۔

عربی جملے اور امثال اور محاورات اس کثرت سے لئے ہین کہ انکو جمع کیا جائے تو ایک دفتر بن جائے، نمونہ کے طور پر صرف ایک انوری کے کلام سے جو عرب کے تتبع مین چندان مشہور نہین ہم چند مثالین نقل کرتے ہین، لیکن متوسطین اور متاخرین کے ہان اسکی مثالین کم ملین گی جسکی یہ وجہ ہے کہ انکے عہد مین فارسی شاعری عرب کی حکومت سے آزاد ہو گئی تھی،

انوری

چہ روی راہ تردد قضی الامر فقم ۔۔۔ چہ کشتی نقش تخیل بلّغ السّیلُ زباہ

فیا لیتہ کان فی غی لتہ ۔۔۔ ویا لیتہا کانت القاضیۃ

چون غنیمت را مقابل میکنم با ایمنی ۔۔۔ عقل سی روز، در طمع ماہے بود را سابواس

در لباس سایۂ نور زمان عقلش بدید ۔۔۔ گفت باخود اے عجب نعم البدل بئس اللباس

انظرونا نقتبس من نورکم کے گفت چرخ ۔۔۔ کافتاب از آفتاب ہمتت کرد اقتباس

دین کہ من خادم ہمی پردازم اکنون ساحری ۔۔۔ سامری کو تا بیاید گوشمال لامساس

تاکہ باشد این مثل کالیاس احدی الراحتین ۔۔۔ بادی اندر راحتے، کازا نباشد ہیم ویاس

بر نوشتہ بر کران نان او خطہ سیاہ ۔۔۔ لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس

زلزلۂ قہر تو شان کرد بست ۔۔۔ زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم

سیر آب ست وحق ہمیگوید، ومن الماء کل شیٔ حی
گفتہ بودم بخدمتت برسم خردم گفت انّا من این
بعد ازین من چہ بر زبان آرم، چکنم آخر السّو اء ا لکے،

تلمیحات اکثر عرب کی ہین۔

تلمیحات جن سے سیکڑون شاعرانہ مضامین پیدا ہوتے ہین اکثر عرب کی ہین مثلاً عشق وعاشقی کے متعلق جتنے الفاظ ہین، ایران مین ہزارون پری پیکر معشوق گذرے لیکن شاعری نے **لیلی** کو انتخاب کیا اور اسکو اس حد تک وسعت دی کہ معشوق اور لیلی مرادف لفظ بنگئے، چنانچہ کہتے ہین "لیلائے من" یعنی معشوق من، لیلی کے علاوہ کہین کہین اور کسی کا ذکر آجاتا ہے تو سلمی، عذرا، دعد، رُباب کا آتا ہے کہ یہ بھی عرب کے معشوق تھے، اسیطرح عاشقی کا سلسلہ بھیت، **مجنون** تک منتہی ہوتا ہے، حُسن کے لیے حضرت یوسف کام آتے ہین اور انکے تعلق سے سیکڑون الفاظ اور تلمیحات پیدا ہوگئے ہین جن پر ہزارون شعرون کی بنیاد ہے مثلاً دیدۂ یعقوب، چاک پیراہن، چاہ کنعان، خواب زلیخا، زندان یوسف، برادران یوسف،

انبیائے بنی اسرائیل سے سیکڑون قصے متعلق ہین اور ان سے شاعری کا بڑا سرمایہ تیار ہوا ہے، مثلاً، آدم، بہشت، گندم، طوفانِ نوح، قربانی اسمعیل، تعمیر کعبہ، بت شکنی خلیل، صبر ایوب، تخت سلیمان، بلقیس، ہدہد، موسیٰ، یدبیضا، عصائے موسیٰ، وادی ایمن، شمع طور، اعجاز عیسیٰ وغیرہ وغیرہ۔

نغمہ اور سرود مین اگرچہ زیادہ تر اپنے ہی ملک کے لوگون کا نام روشن کیا ہے مثلاً

باربد، نکیسا، لیکن عرب کے مغنیون کا نام بھی خال خال آجاتا ہے معبد کا اکثر ذکر کرتے ہین جو بنو اُمیہ کے دربار کا مشہور گویا تھا۔

منوچہری ؎ مرغ حزین روایت معبد کند ہمی

سخاوت مین مبالغہ کی حد حاتم ہے، جو عرب کا ایک مشہور سخی تہا، کہین کہین معن کا نام بھی آجاتا ہے جو ہارون الرشید کے زمانہ مین تہا،

سلمان ساوجی، ؎

حاتم و معن بپرورش ہر دو گدائے راستین

عقل، اور حکمت اور تدبیر مین ارسطو، فلاطن، بقراط، سقراط وغیرہ کام آتے ہین لشکر آرائی اور جہان ستانی مین سکندر نامور ہے،

ذوالقرنین اگرچہ عرب کا کوئی بادشاہ ہوگا لیکن غلطی سے وہ سکندر کے ساتھ ضم کر دیا گیا یہ سب اگرچہ یونانی تھے لیکن ایشیا مین عرب نے انکو روشناس کیا، خم فلاطون جو مشہور ہے، اس مین ذرا سی غلطی ہوگئی ہے، دیوجالنس حکیم ایک حکیم تہا جو ایک پیپا اپنے پاس رکھتا تہا، اور رات کو اسی مین سو رہتا تہا، فارسی مین پیپہ کو خم کہتے ہین، غلطی سے دیوجالنس کے بجائے خم افلاطون مشہور ہوگیا۔

مذہبی اعتقادات اور خیالات کے متعلق جسقدر اصطلاحات اور تلمیحات مین سب عربی سے ماخوذ ہین جن پر سیکڑون مضامین کی بنیاد ہے مثلاً شراب طہور، حور، غلمان چشمہ کوثر، بہشت، آتش دوزخ نامۂ اعمال، محشر، ہنگامۂ محشر، صبح محشر، فرشتہ،

روح القدس وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے الفاظ اس کثرت سے فارسی شاعری مین داخل ہین جنکا شمار نہین ہو سکتا،

صنائع وبدائع جسقدر ہین قریبًا سب عرب سے لئے ہین، قدما مین **فرخی** ان تکلفات سے آزاد ہے لیکن صنائع وبدائع پر فارسی مین سب سے پہلے جو کتاب لکھی گئی، اسی نے لکھی جسکا نام ترجمان البلاغۃ ہے، اسطرف زیادہ توجہ کی وجہ یہ ہوئی کہ اسی زمانہ کے قریب صنائع وبدائع پر عبد اللہ بن المعتز نے ایک کتاب لکھی اور یہ اس فن کی سب سے پہلی تصنیف تھی، اسکے بعد **قدامہ** نے اسپر اضافہ کیا، یہ کتابین تمام ملک مین پھیل گئین اور نہایت مقبول ہوئین، فرخی نے **فارسی زبان** مین اسکو نقل کیا تو اور بھی یہ صنائع عام ہوئے" اسی کا یہ اثر ہے کہ قدیم شعرا کی بساط مین لفظی صنائع کے سوا اور کچھ نہین، غور کرو عبد الواسع جبلی، ادیب صابر، مختاری، میر معزی، رشید الدین وطواط، ازرقی ہروی کے کلام سے یہ تکلفات نکال دئے جائین تو انکے پاس کیا رہ جاتا ہے، کمال اسمعیل کا یہ احسان ہے کہ اُس نے اس بدعت کو کم کیا اور رفتہ رفتہ، شاعری کا دامن اس داغ سے پاک ہو گیا۔

تشبیہات مین عرب کا کم اثر ہے، یہ ظاہر ہے کہ **ایران** کا شوخ اور رنگین شاعر جو عیش ونعمت کے دامن مین پلا ہے، معشوق کی زلف کو رسی سے، زلف کو کولون سے کمر کو زنبور کی کمر سے، معشوق کی انگلی کو مسواک سے تشبیہ نہین دے سکتا، یہ چیزین عرب ہی کے لئے موزون تہین، جو جنگل کے صحرائی اور پہاڑون کے شکاری تھے، بنفشہ، سنبل،

یاسمن، نرگس، یہ چیزین عرب نے خواب مین بھی نہین دیکھین، تشبیہ کہان سے آتی، البتہ جب سلطنت بغداد مین آئی، اور دنیا کا چمن زار نظرون مین رہنے لگا تو عربی شاعری مین بھی یہ سب باتین آگئین، لیکن ہم اس دور کی شاعری کو عربی شاعری نہین کہتے یہ وہی فارسی شاعری ہے، صرف زبان کا فرق ہے،

تاہم عرب کی تقلید کا یہ اثر ہے کہ قدمائے ایران کے ہان وہ تشبیہین خال خال نظر آجاتی ہین جو عرب کے ساتھ مخصوص ہین مثلاً عرب گھونگھروالے بال کو انگور کے خوشہ سے تشبیہ دیتے ہین، میر معزّی کہتے ہین،

گرفتہ زلف گرہ گیر درمیان دو لب　　　چو خوشۂ عنب اندر میانۂ عناب

زلف کو صلیب سے تشبیہ دینا بھی عرب ہی کا اثر ہے،

زلف بکشا تا کہ دگر راہب نگوید کالصلیب　　　محمود

اہل عرب کا عام انداز تھا کہ تشبیہین نہایت سادہ اور محسوس اور مادی چیزون سے دیتے تھے، قدمائے عجم کے ہان بھی عموماً اس قسم کی تشبیہین پائی جاتی ہین اور یہ وہی عرب کا اثر ہے،

ابوزجمہر قاینی جو سلطان محمود کے امرا مین سے تھا، پستہ کی تشبیہ دیتا ہے۔

مانند دہانِ ماہی خرد　　　آنگہ کہ کند ز تشنگی باز

یعنی پستہ کی یہ صورت ہے جسطرح چھوٹی مچھلی کا منہ پیاس مین کھلتا ہے،
منوچہری کی تشبیہات اسی قسم کی سادہ اور محسوس ہوتی ہین، چونکہ منوچہری پ

عرب کا اثر نہایت غالب تہا اسلیے یہ خصوصیت اسمین زیادہ پائی جاتی ہی،

شعراے عرب اکثر قصیدون مین ممدوح کے فتوحات اور ملکی معرکے نظم کرتے تھے متنبی کے اکثر قصائد اسی قسم کے ہین، ابو تمام کا قصیدہ جس مین عموریہ کی فتح تفصیل سے لکھی ہے، مشہور قصیدہ ہے، فارسی مین اگرچہ متاخرین نے یہ طریقہ بالکل ترک کردیا لیکن قدما جن پر عرب کا رنگ غالب تہا، اکثر قصائد مین بادشاہ کے فتوحات کا، شکار کا، شیر مارنے کا، اور اس قسم کی باتون کا ذکر کرتے تھے چنانچہ عنصری، عسجدی اور فرخی کے متعدد قصائد تاریخی قصائد ہین،

عربی قصائد کی تمہید مین اکثر ممدوح، یا معشوق کے ملنے کیلیے سفر کرنے کا حال لکھتے ہین، اور راستہ کی سختی، پہاڑون کی چڑہائی، گھوڑون کی جفاکشی اور گرم رفتاری کے ذکر سے اسکو طول دیتے ہین، فارسی مین بھی قدیم شعرا کا یہ خاص انداز تہا جو آخر متروک ہوگیا، منوچہری دامغانی اور عمعق بخاری نے متعدد قصیدے اس طرز پر لکھے ہین اور نہایت خوبی سے واقعات کو ادا کیا ہے، منوچہری کا قصیدہ پہلے حصہ مین ہم درج کرچکے ہین، عمعق کا پورا قصیدہ مجمع الفصحا مین نقل کیا ہے، امرء القیس نے نے اپنا مشہور قصیدہ معلقہ اس تمہید سے شروع کیا ہی،

ساتھیو ٹہر جاؤ، یہ معشوق کا اجڑا ہوا گھر ہی، آؤ معشوق کی یاد مین دو آنسو بہالین،

یہ انداز اسقدر مقبول ہوا کہ ایک مدت تک شعرا قصیدہ کی ابتدا انہی لفظون سے کرتے تھے، فارسی شعرا نے بھی اسکی تقلید کی، لامعی جرجانی کہتا ہے۔

ہست این دیاریار، اگر شاید فرود آرم حمل — یہ معشوقون کے مکانات ہین، یہان اونٹ بٹھانا چاہیے

پرسم رباب و وعدرا حال از رسوم واز طلل — کہ رباب اور وعد کا حال کہنڈرون اور ٹیلون سے پوچھون

اخذ مضامین از عرب — اول اول ایرانی شعرا عربی شاعری سامنے رکہکر شعر کہتے تھے، مشق کی ابتدا یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے، آج بہت سے فارسی قطعے، فرد، بلکہ قصیدے موجود ہین جنکو عام لوگ ایران کا سرمایہ سمجھتے ہین لیکن درحقیقت وہ عربی اشعار کے ترجمے ہین اور مترجمون نے دانستہ ترجمہ کیا ہے کہ شعرا کے لئے نمونے ہاتھ آئین،

سیف الدولہ کا ایک مشہور قطعہ ہے جسمین ابتدائی مضامین کے بعد قوس قزح کی ایک عجیب لطیف تشبیہ بیان کی ہے،

ہوا نے افق پر ایک چادر پہیلا دی ہے جسکے کنارے زمین تک لٹک آئے ہین چادر کے کنارے پر قدرت نے سرخ، سفید، سبز رنگ کی بیلین ٹانک دی ہین گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عروس نازنین نے اوپر تلے مختلف رنگ کے پیراہن پہن لئے ہین جنکے دامن بہ ترتیب ایک دوسرے سے چھوٹے ہوتے چلے گئے ہین

اس تشبیہ کی نسبت عرب مین مشہور تہا کہ شاہانہ تشبیہ ہے، عام آدمی کا خیال اس طرف نہین جاسکتا، یہ قطعہ زیادہ مشہور ہوا تو امیر ابوالمظفر طاہر بن الفضل نے جسکی مدح مین فرخی کا مشہور قصیدہ ہم نقل کر آئے ہین، اسکا لفظی ترجمہ کیا، چنانچہ لباب الالباب عوفی یزدی مین بہ تصریح لکھا ہے کہ "این ابیات بہ امیر طاہر بن الفضل رسید، ہر بیتے را بہ نظم ترجمہ کرد بہ پارسی و آن اینست[1]"

[1] لباب الالباب حصہ اول مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۸—

ہم اصل قطعہ اور ترجمہ دونون اس مقام پر درج کرتے ہین لیکن عوفی نے عربی کے اشعار نہایت غلط نقل کئے ہین، اس لئے ہمنے یتیمۃ الدہر وغیرہ سے اسکو صحیح کرلیا ہی؛

وساق صبیح للصبوح دعوتہ — فقام وفی اجفانہ سنۃ الغمض
یطوف بکاسات العقار کانجم — فمن بین منقض علینا ومنقض
وقد نشرت ایدی الجنوب مطارفا — علی الجو دکنا والحواشی علی الارض
یطرزہا قوس السحاب باصفرٍ — علی احمر فی اخضر تحت مبیض
کاذیال خودٍ اقبلت فی غلائل — مصبغۃ والبعض اقصر من بعض

ترجمہ

آن ساقی سروی صبوحی من خرم — وز خواب، دو چشمش چو دو تا نرگس خرم
وان جام مے اندر کف او ہمچو ستارہ — ناخوردہ یکے جام و دگر دادہ دمادم
وان میغ جنوبی چو یکے مطرب خوش بود — دامن بزمین بر زدہ ہمچون شب ادہم
بر بستہ ہوا چون کمرے قوس قزح را — از اصفر و از احمر و از ابیض مُعلم
گوئی کہ دو سہ پیرہن است از دو سہ گونہ — وز دامن ہر یک ز دگر پارہ گکے کم

طاہر نے دیانت سے ترجمہ کیا اور یہ کوئی عیب نہین، لیکن امیر معزی جو سلطان سنجر کا ملک الشعراء ہے اُس نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا کہ گویا اسیکا ہی چنانچہ کہتا ہی؛

نماید خویشتن قوس قزح چون چنبر رنگین — کہ باشد در زمین پنہان شدہ یک نیمہ زان چنبر
چو پوشیدہ سہ پیراہن کہ ہر یک را بود پیدا — بُن و دامن یکے احمر یکے اصفر یکے اخضر

ابو نواس کا ایک مشہور قطعہ ہے جسکا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہی کہ ہرون الرشید کو

شبستان عیش مین ایک کنیز، شراب سے مخمور نظر آئی، جسکے سر سے بدمستی مین ڈوپٹہ گر گیا تھا اور نظرفریب حالت پیدا ہو گئی تھی، ہرون نے کچھ اور تقاضا کیا کنیز نے کہا "کل" دوسرے دن ہرون نے ایفائے وعدہ کا تقاضا کیا تو اُس نے کہا ع کلام اللیل یمحوہ النہار یعنی "رات گئی رات کی بات گئی" ہرون نے دربار مین آکر شعرا رکو بلایا اور حکم دیا کہ سب اس مصرع پر مصرع لگائین ابونواس نے برجستہ کہا،

وخود اقبلت فی القصر سکری	ولکن زیّن السکر الوقار
وھز الریح اردافا ثقالا	وغصنا فیہ رمان صغار
وقد سقط الرداعن منکبیہ	من التجمیش واسترخی الازار
فقلت الوعد سیدتی فقالت	کلام اللیل یمحوہ النھار

نظام الملک محمود نے اسکا فارسی مین ترجمہ کیا،

مست آمد پیش من دوش آن زیبا نگار	از خرد و آہستگی گفتی کہ ہست او ہوشیار
از سُرین او نمودہ، باد از نسرین دو تل	وز بر چون عاج او، انگیختہ سیمین دو نار
آستینش را گرفتم در کشید از دست من	معجرش از سر فتادہ سُست شد بند ازار
گفتم اے جان وعدہ دوشین خود را کن وفا	گفت نشنیدی، کلام اللیل یمحوہ النہار

ابوالفتح بستی کا ایک مشہور قصیدہ ہے جسکا یہ مطلع ہے۔

زیادۃ المرء فی دنیاہ نقصان	وربحہ غیر محض الخیر خسران،

بدر جاجرمی نے پورے قصیدہ کا ترجمہ فارسی مین کیا اور قافیہ وہی رکھا مطلع یہ ہے،

ہر کمالیکہ زدنیاست ہمہ نقصان ست　　　سود کان محض نکوئی نبود خسران ست

اس پردہ مین سرقہ شروع ہوگیا، عنصری، اسدی، کسائی، غضاری کے ہان بہت سے مضامین ہین جو قطعاً عرب سے لئے ہین، لیکن چونکہ لوگونکی نظر کلام عرب پر نہین ہے اس لئے کسی نے سرقہ یا ترجمہ نہین خیال کیا، مجمع الصنائع وغیرہ مین سرقہ کی مثالین کثرت سے نقل کرتے ہین لیکن ان اشعار کا ذکر تک نہین آتا، اس قسم کے سرقات مین سے ہم چند مثالین نقل کرتے ہین، یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ مضامین شعرائے عرب کے مخصوص اور ممتاز مضامین ہین جن سے کوئی عربی دان ناواقف نہین رہ سکتا، اس لئے توارد کا خیال صحیح نہین ہو سکتا،

۱- ابونواس کا شعر ہے،

لیس من اللہ مستنکر　　　ان یجمع العالم فی واحد

خدا کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ تمام عالم کو ایک شخص مین کھپا دے،

پہلے دعوے کیا ہے کہ ممدوح کی ذات مین تمام دنیا کے اوصاف جمع ہین، پھر اس کا امکان اسطرح ثابت کیا ہے، کہ خدا اگر تمام عالم کو ایک ذات واحد مین کھپا دے تو اسکی قدرت سے یہ بات خارج نہین،

جب ابونواس نے یہ شعر کہا تو تمام بغداد مین اسکا چرچا پھیل گیا یہانتک کہ لوگون نے ابونواس سے آکر پوچھا کہ یہ مضمون بالکل آپکی ایجاد ہے یا کہین سے اخذ کیا ہے؟ ابونواس نے انصاف پرستی سے کہا کہ نہین جریر کے شعر سے ماخوذ ہے،

عنصری نے اسی مضمون کو یون ادا کیا،

گردش توانی دیدن، ہمہ جہانست او ‏ ‏ ‏ برین سخن ہنر و فضل او بس ست گوا

کس از خدای ندارد عجب، اگر دارد ‏ ‏ ‏ ہمہ جہان را اندر یکے تن تنہا

متنبی قصیدہ میمیہ مین لکھتا ہے،

اذا رأیت نیوب اللیث بارزۃ ‏ ‏ ‏ فلا تظنن ان اللیث مبتسم

یعنی "میری خندہ روئی پر میرے حریفون کو مطمئن نہین ہونا چاہئے، شیر دانت نکالے تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ہنس رہا ہے"

اسدی طوسی نے گرشاسپ نامہ مین اس مضمون سے یون کام لیا،

نباید شد از خندۂ شر دلیر ‏ ‏ ‏ نہ خندہ است دندان نمودن ز شیر

۳- صاحب بن عباد کا مشہور شعر ہے،

رق الزجاج و رقت الخمر ‏ ‏ ‏ فتشابھا فتشاکل الامر

فکانما خمر و لا قدح ‏ ‏ ‏ و کانما قدح و لا خمر

یعنی شراب اور جام شراب دونون اسقدر لطیف ہین کہ مشتبہ سے ہو گئے ہین، اسلئے دھوکا ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے جام نہین ہے، یا یہ کہ صرف جام ہے شراب نہین

کوکبی مروزی کا یہ قطعہ انہین عربی اشعار کا ترجمہ ہے،

قدح و بادہ ہر دو از صفوت، ‏ ‏ ‏ ہمچو ماہ دو ہفتہ دارد اثر

یا قدح بے مے ست یا مے ناب ‏ ‏ ‏ بے قدح در ہوا (۱) شگفت نگر

(۱) لباب الالباب عوفی جلد دوم تذکرہ کوکبی مروزی،

لیکن غضاری رازی نے اس مضمون کو زیادہ صاف اور زیادہ لطیف کر دیا ہی،

بادہ بمن داد و از لطافت گفتم   جام بمن داد لیک بادہ ندادہ ست

۴ برسات مین جو کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہین، عربی مین ان کو "اولاد زناہ" کہتے ہین مشہور ہے کہ جب سہیل ستارہ نکلتا ہے تو یہ حشرات الارض فنا ہو جاتے ہین متنبی نے اس سے یہ مضمون پیدا کیا،

اتنکرمی تهم وانا سهیلٌ   طلعت بموت اولاد الزناء

یعنی مین سہیل ہون اور میرے دشمن حشرات الارض ہین جب مین نمایان ہوا تو وہ فنا ہو گئے،

نظامی نے بعینہ اس مضمون کو لے لیا چنانچہ قصیدہ فخریہ مین فرماتے ہین،

ولد الزنا ست حاسد منم آنکہ طالع من   ولد الزناکش آمد چو ستارۂ یمانی

شاگرد کا اثر اُستاد پر

یہان پونہچکر یہ بتا دینا بھی ضروری ہی کہ گو عجم نے عرب کے آگے زانوی شاگردی تہ کیا لیکن یہان تک ترقی کی کہ خود عرب کو بھی ان سے استفادہ کرنا پڑا،

چوتھی صدی کے آغاز مین جو فارسی شاعری کا اوائل شباب تہا، عربی شعرا اکثر فارسی کی ضرب المثلین، مشہور جملے اور نادر مضامین، ترجمہ کی صورت مین ادا کرتے تھے اور بعض بعض عربی شعرا کا خاص یہ فن بنگیا تہا۔

ابوالفضل سکری مروزی نے ایک مثنوی مین فارسی ضرب المثلون کا ترجمہ کیا

تیمۃ الدہر مین اسکے بہت سے اشعار نقل کئے ہین اور تعجب ہو کہ اکثر ضرب المثلین وہ ہین جو آج بھی مشہور ہین، مثلاً

عربی	فارسی
الشمس بالتطيين لا تغطى	آفتاب بہ گل اندودن نتوان،
الليل حبلى ليس يدرى مايلد	شب ست آبستنی بنیم چہ زاید

تیمۃ[1] مین اس قسم کے متعدد اشعار نقل کرکے لکھا ہے،

"وكان مولعا بنقل الامثال الفارسية الى العربية"،

یعنی ابوالفضل، کو فارسی ضرب المثلون کے ترجمہ کرنیکا چسکا تہا۔

پھر چند شعر نقل کئے ہین جنمین سے بعض ہم اصل فارسی کے ساتھ نقل کرتے ہین،

عربی	فارسی
اذا وضعت على الراس التراب فضع	خاک از تودۂ کلان بردار
من اعظم التل ان النفع منه يقع	
اذا الماء فوق غريق طما	چو آب از سر گذشت چہ یک نیزہ چہ یکدست
فقاب قناة والف سواء	

اسی زمانہ مین ایک اور شاعر ابوعبداللہ ابیوردی تہا، اس نے ایک قصیدہ مین ایران کی ضرب المثلون کا ترجمہ کیا تیمۃ[2] مین اس قصیدہ کے چند شعر نقل کئے

[1] تیمۃ الدہر مطبوعہ بیروت حصہ چہارم صفحہ ۲۲۔ [2] کتاب مذکور حصہ ۴ صفحہ ۲۵،

ہین جنمین سے ایک یہ ہے،

ومن عقعق قد رام مشیتہ قبجۃ فانسی ممشاہ ولم یمش کالحجل

یہ وہ مثل ہے جسکو نظامی نے یون نظم کردیا ہی،

کلاغے تگ کبک را گوش کرد تگ خویشتن را فراموش کرد

معروفی سامانیون کے زمانے کا شاعر تہا، اسکا ایک شعر ہے،

خون سپید بارم بر دور خان زردم آرے سپید باشد خون دل مُصعّد

ابوالحسن علی بن محمد بدیہی نے بعینہ اس مضمون کو لے لیا چنانچہ کہتا ہے،

وکأنّ دما فابیضّ منہ احمرارہ بنار التصابی حین فاض مصعد

علامہ ثعلبی نے تیمۃ الدہر مین جہان یہ شعر نقل کیا ہے، بہ تصریح لکہدیا ہی کہ یہ مضمون معروفی کے ہان یون بندہ چکا ہے اور یہ فارسی شعر بہی نقل کردیا ہے،

عرب کی اصلی شاعری کی تقلید نہین کی، اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہی، کہ عجم نے شاعری مین عرب کی جو تقلید کی وہ در اصل، عرب کی اصلی شاعری نہ تہی، عرب کی اصلی شاعری، اسلام سے بہت پہلے شروع ہو کر بنو امیہ کے زمانہ تک ختم ہو چکی تہی، اس کے بعد عربی حکومت کا مرکز بغداد قرار پایا، یہان عجم سے اسقدر اختلاط ہوا کہ عرب کا سارا تمدن بدل گیا اور اسکے ساتہ انکی شاعری بہی سرے سے بدلگئی، خیالات، طرز ادا، استعارات، تشبیہات نوعیت مضامین، قصائد اور غزل کا سرمایۂ خمیر سب کا سب بدلگیا، عرب کی اصلی شاعری

ـــــــــــــــ

لـہ تیمۃ الدہر حصہ ۳ صفحہ ۱۶۳ و ۱۶۴- لیکن نسخہ مطبوعہ،

یہ تھی کہ پہاڑون کی بلندی، چشمونکی روانی، بادلون کی جھڑی، لوؤنکی لپٹ، سموم کے جھونکے اونٹون کے ڈیل ڈول، گھوڑونکی رفتار، سفر کی دشوارگذاریان، گھرونکی ویرانی، مکانونکے کھنڈر وغیرہ وغیرہ کا سمان دکھاتے تھے، قصائدمین پہلے مدح بالکل نہین کہتے تھے، زہیر نے ابتدا کی، اور بنوامیہ کے زمانہ مین صرف مداحی ہی رہگئی، پہلے شعراخاص اپنے واقعات جنگ اشعار مین لکھتے تھے، اور انکی شاعری کا بڑا حصّہ یہی ہوتا تھا،

بنوامیہ سے لیکر آج تک پھر کسی شاعر نے کبھی اپنے واقعات نہین لکھے اور نہ انکو کبھی کوئی معرکہ پیش آیا۔

عجم کی شاعری نے آنکھین کہولین تو عربی شاعری خود عجمی بن چکی تھی، صرف زبان کا فرق تہا، اسلئے ایران کی شاعری نے بظاہر عرب کی تقلید کی لیکن درحقیقت وہ اپنی ہی تقلید تھی، کیونکہ عربی شاعری کا تغیر عجم ہی کا اثر تہا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شاعری ان تمام اوصاف سے محروم ہوگئی جو عرب کی اصلی شاعری کا خاصہ تہا، مساوات، آزادی ترفع، بلندحوصلگی، بہادری، جنگ آزمائی، مہمان نوازی، فیاضدلی کے مضامین فارسی شاعری مین ڈھونڈھنا چاہین تو نہین ملسکتے اور ملتے ہین تو وہ خود شاعر کے ذاتی واقعات نہین ہوتے، بلکہ وہ اورونکے واقعات بیان کرتا ہے، فخر اور ادعا ایرانی شاعری مین بھی ہے، لیکن یہ ادعا شاعری، مضمون طرازی، امتیاز علمی پر محدود ہے بخلاف اسکے عرب کا شاعر ایک فاتح، ایک سپہ سالار، ایک جنگ آزما کی حیثیت سے فخر کا اظہار کرتا ہے اور جو کچھ کہتا ہی وہی کہتا ہے جو خود کرچکا ہے،

تاہم بعض بعض شعرا تقلیداً یہ انداز اختیار کرتے تھے، مثلاً عرب کا یہ خاص طرز تھا، کہ قصیدہ کی تمہید اس طرح شروع کرتے تھے کہ "شاعر، رہ نوردی، راہ مین وہ مقام آگیا ہے جہان معشوق کچھ دلون رہا تھا اور وہان اب کچھ ٹوٹے پھوٹے کھنڈر باقی ہین، شاعر یہان پہونچکر ساتھیون سے کہتا ہے "ذرا ٹھہر جاؤ معشوق کی یادگار پر دو آنسو بہالین" پھر گذشتہ آبادی اور موجودہ ویرانی کا تذکرہ کرتا ہے اور اس داستان کو خوب پھیلاتا ہے اس انداز پر فارسی شاعرون نے بھی بعض بعض قصیدے لکھے ہین چنانچہ لامعی کا قصیدہ ہے:

هست این دیار یار، اگر شاید فرود آرم جمل — پرسم[1] رباب و دعد را حال از رسوم و از طلل
جائے ہمی بینم خراب، اندر میان او سحاب — آتش زدہ گاہ، و گہ آب از قوت برق و ہطل
در خانۂ سعدی او مے[2] آمد از کف آن ہر دومے — خوردم دو جام اندر دو حے این در تمیم آن در ہذل
بانگ پلنگ آید ہمی، فریاد رنگ آید ہمے — آشوب سنگ آید ہمی چون گاہ زلزال از قلل
گوئی کجا رفت آن صنم کو بود در عالم علم — خوردہ دم عذرا بہ دم بردہ دل وامق ز دل
برد از دلم صبر و خرد چون بانگ آن ناقہ زند — کاریم پیش آورد بد، لما تولی وارتحل

دیکھو چونکہ یہ خیالات، ملکی حالات کے خلاف ہین، اسلیے بالکل نامانوس اور اُپل معلوم ہوتے ہین، ایران مین وعد و رباب کو کون جانتا ہے؟ ناقہ پر کون سفر کرتا ہے؟ تمیم و ہذل سے کون واقف ہے؟ انقلاب حالت اور آبادی کے بعد ویرانی کا بیان کرنا ہو تو ایرانی شاعری کے مطابق اسکا یہ انداز ہے۔

---

[1] عرب کے معشوقون کے نام ہین۔ [2] دونون عرب کے معشوقون کے نام ہین۔

جائیکہ بود آن دلستان، با دوستان در بوستان | شد زاغ و کرگس را مکان، شد مور و ماہی را وطن
بر جائے رطل و جام مے، گوران نہادستند پے | بر جائے چنگ و نائے و نے آواز زاغ ست و زغن

نظامِ حکومت کا اثر

ایشیا مین، علم و فن، صنعت اور ہنر، سب چیزین سلطنت کی تابع ہوتی ہین سلطنت کا جو مذاق ہوتا ہی تمام چیزون مین اثر کر جاتا ہے اسلئے شاعری کی ترقی و تنزل نوعیت اور مذاق کی تحقیقات مین سب سے پہلے حکومت کے مذاق کا پتہ لگانا چاہیے،

اوپر پڑھ آئے ہو کہ ایران مین شاعری حکومت کی بدولت پیدا ہوئی، عام لوگون کا اور سلاطین اور امرا کا خیال تہا کہ شعر بقائے نام کا سب سے بڑا ذریعہ ہی،

از ان چندین نعیم جاودانی | کہ ماند از آل سامان و آل سامان
ثنای رودکی ماندہ است بر جائے | نوای باربد ماندہ است دستان

یعنی خدا نے سامانی بادشاہون کو ہر طرح کے ناز و نعمت کے سامان دیئے لیکن ان مین سے صرف دو چیزین یادگار رہگئین، رودکی کے مدحیہ قصیدے اور باربد کے راگ اور گیت، نظامی عروضی فرماتے ہین،

بسا کاخا کہ محمود دش بنا کرد | محمود نے بہت سے محل بنائے،
کہ از رفعت ہمی با مہ مرا کرد | جو بلندی مین چاند کے برابر تھے،
نہ بینی زان ہمہ یک خشت بر جا | ان مین سے ایک اینٹ بھی قائم نہین رہی

مدیح عنصری ماندہ است برجا ــــــ صرف عنصری کی مدح باقی رہگئی ہے،

اگرچہ یہ خیال محض لغو ہے، سعدی، خاقانی، ظہیر فاریابی، انوری، زمانہ مین مشہور ہین لیکن ان کے ممدوحین کو کون جانتا ہے؟ تاہم یہ خیال شعرا کی قدردانی اور ترقی کا بڑا ذریعہ بن گیا، تمام بڑے بڑے مشہور سلاطین کے درباروں مین ملک الشعرائی کا عہدہ قائم تھا جسکی بہت بڑی تنخواہ ہوتی تھی،

ملک الشعرا، کے علاوہ اور بہت سے شعرا دربار مین رہتے تھے جو جشن وغیرہ کے موقعوں پر قصیدے پیش کرتے تھے اور بڑے بڑے صلے پاتے تھے،

بڑے بڑے شاہنشاہ شعرا کو تخت پر اپنے برابر بٹھاتے تھے، سلجوقیون کا سب سے بڑا تاجدار سنجر انوری سے اسکے گھر ملنے جاتا تھا، عباس صفوی نے شفائی کی تعظیم کے لئے عین کوکبۂ سواری کے وقت گھوڑے سے اُترجانا چاہا تھا، یہ تو ظاہری قدر اور تعظیم تھی شعرا پر زر وجواہر کی جو بارش ہوتی تھی، اسکی تفصیل کے لئے ایک الگ کتاب درکار ہے،

عنصری کو سلطان محمود نے اس رتبہ تک پہونچایا کہ چارسو زرین کمر غلام اُسکے رکاب مین چلتے تھے اور جب سفر کرتا تھا تو اسکا ساز وسامان چارسو اُونٹون پر بار کیا جاتا تھا[۱] خاقانی کہتا ہے،

شنیدم کہ از نقرہ زد دیگدان ــــــ ز زر ساخت آلات خوان عنصری،

جب سلطان محمود کا ولی عہد سلطنت یعنی مسعود خراسان سے غزنین آیا تو

---

[۱] مجمع الفصحاء دولت شاہ۔

تو شعراے تہنیت کے قصائد پیش کئے جسکے صلے مین ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار اور عنصری اور زینتی کو ۵۰-۵۰ ہزار درہم دلواے[1]، ناصر الدین چغائی نے ایک قصیدہ پر فرخی کو ۴۰ گھوڑے انعام مین دے، **غضاری رازی** کو اپنے وطن مین سلطان محمود کے دربار سے ہر قصیدہ پر ہزار اشرفیان مقرر تھین اور جب دربار مین آیا اور رباعی پیش کی تو اشرفیون کے دو توڑے انعام مین ملے چنانچہ خود کہتا ہے،

بلے دو بدرۂ دنیار یا فتم بہ تمام　　　حلال دیا کتر از شیر دایۂ اطفال

احمد شاہ بہمنی والی دکن نے جب ایوان امارت تعمیر کرایا تو **آذری** نے یہ قطعہ لکھا۔

حبذا قصر شید کہ ز فرط عظمت،　　　آسمان پایۂ از سُدۂ این درگاہ ست

آسمان ہم نتوان گفت کہ ترک ادب ست　　　قصر سلطان جہان احمد بہمن شاہ ست

ملا شرف الدین ماژندرانی جو مشہور خوشنویس تہا، اُس نے اس قطعہ کو خوشخط لکہا اور سنگ تراشون سے کندہ کرا کے عمارت کے صدر دروازہ پر لگایا، سلطان احمد کی نظر اُسپر پڑی تو پوچہا کس کے شعر ہین؟ شہزادۂ علاؤ الدین نے آذری کا نام لیا اور کہا کہ انکو اپنے وطن جانے کی آرزو ہے، سلطان نے اسیوقت ۴۰ ہزار روپیے منگوا کر آذری کے سامنے رکھواے **آذری** نے کہا لاتحمل عطایا کم الامطایا کم، سلطان نے ۲۰ ہزار روپیے اور دلوائے[2]،

مولانا **جمال الدین** سلطان محمد تغلق کی مدح مین قصیدہ لکھکر لیگئے، مطلع تہا،

الہی تا جہان باشد نگہدار این جہانبان را　　　محمد شاہ تغلق ابن تغلق ابن سلطان را

---

[1] مجمع الفصحا و دولت شاہ [2] خزانۂ عامرہ،

مطلع پڑھا تہا کہ سلطان نے روک دیا اور کہا مین باقی اشعار کے صلہ دینے سے عاجز ہون، یہ کہکر اشرفیان منگوائین، اور حکم دیا کہ مولانا کے قدم سے سر تک ڈھیر لگا دیا جائے، اشرفیان سر تک پونہچین تو مولانا کھڑے ہو گئے، سلطان کو یہ ادا نہایت پسند آئی دوبارہ اشرفیان منگوا کر حکم دیا کہ قد آدم ڈھیر لگا دیا جائے[1]،

امیدرازی کو امیر نجم کے دربار سے ہر قصیدہ پر ۳۰ تومان ملتے تھے[2] خاقانی شروان شاہ کا ملک الشعرا تہا اور ہر قصیدہ کا ہزار دینار صلہ مقرر تھا امیر خسرو دہلوی نے جب سپہر لکھی تو قطب الدین (بن علاء الدین خلجی) نے ہاتھی کے برابر روپیے تول کر دلوائے[3]، چنانچہ خود نہ سپہر مین اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، خانخانان نے حیاتی گیلانی کو خزانہ مین لیجا کر حکم دیا کہ جسقدر اشرفیان آپ کے اٹھائے اٹھ سکین آپکی ہین[4]، دارا شکوہ نے اس شعر پر دانش مشہدی کو لاکھ روپیے دلوائے تھے[5]،

تاک را سرسبز کن اے ابر نیسان در بہار　　　قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود

خانخانان نے جب سندھ فتح کیا اور وہان کے حاکم مرزا جانی کو گرفتار کر کے دربار مین لایا تو شکیبی نے مثنوی لکھی جسکا ایک شعر یہ ہے،

ہمائے کہ بر چرخ کردے خرام　　　گرفتی و آزاد کردی زدام

خانخانان نے پندرہ ہزار روپیے انعام دئے لطف یہ کہ مرزا جانی نے بھی

---

۱ خزانہ عامرہ تذکرہ جمال الدین دہلوی، ۲ خزانہ عامرہ، ایک تومان ۸سو کا ہوتا ہے، ۳ خزانہ عامرہ
۴ خزانہ عامرہ ۵ خزانہ عامرہ -

ایک ہزار اشرفی دی اور شکیبی سے کہا کہ "تمہارا احسان ہے کہ تم نے مجکو ہما کہا ورنہ اگر شغال کہتے تو مین تمہارا کیا کر لیتا"

شاہ عباس ماضی نے شانی تکلو کو اس شعر کے صلہ مین چاندی مین تلوا دیا۔

اگر دشمن کشد ساغر و گر دوست
بہ طاق ابروے مستانہ اوست

مرزا صائب نے اصفہان سے نواب جعفر خان (وزیر عالمگیر) کو لکھ بھیجا تھا۔

دور دستان را باحسان یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپاے خود ثمر می افگند

نواب موصوف نے پانچہزار اشرفیان بھجوائین،

جہان آرا بیگم (دختر شاہجہان) ایک دن باغ کی سیر کو نکلی، باغ کے چارون طرف پردہ کرا دیا، صیدی طہرانی بالاخانہ سے چھپکر تماشا دیکھ رہا تھا، سواری سامنے آئی تو بیساختہ یہ مطلع پڑھا۔

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش
تا نکہت گل بیختہ آید بدماغش

باغ مین برقع پہنکر اس لئے جاتی ہے کہ پھولون کی خوشبو چھنکر دماغ مین آئے؛

بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو سامنے لائین صیدی سامنے آیا تو یہ شعر بار بار پڑھوایا اور حکم دیا کہ پانچہزار روپیہ دیکر اس کو شہر سے نکال دو۔[۲]

اکبر آفتاب پرستی کرتا تھا فطرتی کشمیری نے اسپر یہ شعر لکھے،

قسمت نگر کہ در خور ہر جوہری عطاست
آئینہ با سکندر و با اکبر آفتاب

---

[۱] خزانہ عامرہ۔ [۲] یہ واقعہ تمام تذکرون مین باختلاف روایات منقول ہے،

او کرد اگر مشاہدۂ حق در آئینہ — این می‌کند مشاہدۂ حق در آفتاب

اکبر نے بارہ ہزار روپے دلوائے[1]،

ظہوری کو ساقی نامہ کے صلہ مین برہان نظام شاہ نے کئی ہاتھی نقدی اور جنس سے لدے ہوئے انعام مین دئے اس قسم کے ہزارون واقعات ہین جن کی تفصیل کیجائے تو عرفی کا یہ طعنہ سننا پڑے گا،

بیا بہ ملکِ قناعت کہ ور دسر نہ کشی — ز قصہ ہا کہ بہ ہمت فروش طے بستند

یہ فیاضیان اصول سلطنت کے لحاظ سے جائز تھین یا ناجائز اسکا فیصلہ شاعری کی تاریخ سے تعلق نہین رکھتا، لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اسنے شاعری کی ترقی اور وسعت مین آب حیات کا کام دیا، تمام ملک مین شاعری کا مذاق پھیل گیا بڑے بڑے حکما، اور علما علوم و فنون چھوڑ کر شاعر بنگئے، یہ فیاضیان نہوتین تو اقلیم سخن کو خیام انوری نظامی، ناصر خسرو فیضی کہان سے ہاتھ آتے، لیکن شاعری کی ترقی مین فیاضی سے بڑھکر جس چیز نے کام کیا وہ سلاطین اور امرا کی قابلیت، اور نکتہ سنجی تھی، آجکل تو امیر ہونا جاہل اور سادہ لوح ہونے کے مرادف ہے لیکن جب اسلام اسلام تہا تو دولت دنیا اور دولتِ علم ساتھ ساتھ بسر کرتی تھین، عبد اللہ بن المعتز دور اسلام کا سب سے بڑا شاعر ہے لیکن وہ بغداد کے تخت خلافت پر جلوہ افروز رہ چکا ہے، ابو فراس جسکی نسبت الوزی کہتا ہے،

شاعری داں کہ امی قوم کردند؟ آنکہ بود — اول شان امراء القیس آخر شان بو فراس

[1] خزانۂ عامرہ تعجب ہے کہ یہ اشعار فیضی کی طرف بھی منسوب ہین،

ایک مشہور شاہی خاندان کا ممبر تھا،

بوعلی سینا جو مسلمانون مین ارسطو کا ہمسر مانا گیا ہے، وزارت کے عہدے پر مامور تھا، جعفر برمکی کو تمنے وزارت کے لباس مین دیکھا ہے لیکن فن بلاغت کی پہلی کتاب اُسی کے دست وقلم کی ممنون ہے محقق طوسی ہلاکو خان کا وزیر تھا،

سلاطین اور امرا کی نکتہ سنجی اور قابلیت علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاعری کا ہر قدم آگے بڑہتا گیا، یہ لوگ اچھی اچھی فرمائشین کرتے تھے اور شاعری کے عمدہ عمدہ مصرف ڈھونڈکر نکالتے تھے سامانیون نے دقیقی سے شہنامہ کی بنیاد رکھوائی، سلطان محمود نے شاہنامہ کی تکمیل کروائی، نظامی نے مخزن اسرار بہرام شاہ کے اشارے سے لکھی، منوچہر شروانی جو سلاطین شروانیہ مین سب سے ممتاز تھا اس نے خواجہ نظامی کو اپنے ہاتھ سے خط لکھکر لیلی مجنون کی فرمائش کی،

سلطان غیاث الدین اقسنقری نے نظامی سے ہفت پیکر لکھوائی۔

محتشم کاشی نے جب عباس صفوی کی مدح مین قصیدہ لکھا تو اُسنے کہلا بھیجا کہ میری مدح سے کیا فائدہ جگر گوشۂ رسول کی شان مین کچھ لکھو تو دین و دنیا دونون ہاتھ آئین محتشم نے امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ لکھا جسکی نسبت عام اتفاق ہے کہ فارسی شاعری اسکی نظیر سے خالی ہے سلطان سنجر کی لڑکی ماہ ملک نے جب انتقال کیا تو سنجر کو نہایت صدمہ ہوا، اسکا مرثیہ لکھوانا چاہا، دربار مین اگرچہ بڑے بڑے نامور شعرا تھے، لیکن وہ جانتا تھا کہ اس فن مین کسکو کمال ہے؟ عمق بخاری کو طلب کیا، وہ پیر فرتوت ہو چکا تھا،

معذرت کی کہ کوئی لمبی چوڑی نظم نہین لکھ سکتا، مختصر سا قصیدہ لکھا جسکے دو شعر دولت شاہ نے نقل کئے ہین،

قابل سلاطین اور امرا موقع بموقع تنقیدانہ رائین ظاہر کرتے تھے جن سے شعرا اپنے کلام کی اصلاح کرتے تھے اور اسکو ترقی دیتے تھے،

یہ مسلم مسئلہ ہے کہ اکبری دور مین شاعری نے جو نیا دلکش اسباب اختیار کیا اور جسکے نتائج فیضی، عرفی، نظیری وغیرہ کی سحر آفرینیان ہین، وہ حکیم ابوالفتح گیلانی کی نکتہ آموزی تھی، ماثر رحیمی مین ہے،

مستعدان و شعر سنجان این زمان را اعتقاد آن ست کہ تازہ گوئی کہ درین زمان در میانہ شعرا مستحسن ست و شیخ فیضی و مولانا عرفی شیرازی وغیرہ بآن روش حرف زدہ اند باشارہ و تعلیم الیشان (حکیم ابوالفتح) بودہ (از ماثر رحیمی تذکرہ حکیم صادق)

ظفر خان صوبہ دار کشمیر کی تنقیدون سے مرزا صائب کے کلام مین جسطرح ترقی ہوئی اسکو خود صائب ایک قصیدہ مین لکھتا ہے،

توجان زدخل بجا مصرع مرادادی | تو در فصاحت دادی خطاب سحبانم

ایک دفعہ **خاقانی** نے شروان شاہ کو یہ شعر لکھ بھیجا،

یا دشاتے کہ در برش گیرم | وشتے دہ کہ در برم گیرد

شروان شاہ نے کہلا بھیجا کہ "چرا ہر دو نخواست" یعنی دو چیزون مین سے ایک کیون مانگی، خاقانی نے ایک مکھی کے بال و پر نوچ کر بھیجدیا کہ مین نے "بادشاتے" لکھا تھا مکھی نے

ایک نقطہ دیگر با کو پا بنادیا،

شاہجہان نے ایک دن دربار میں کہا کہ مجھکو سکندر پر دو اعتراض ہین، ایک یہ کہ نوشابہ کے ہان خود قاصد بنکر کیون گیا، دوسرے یہ کہ اپنے باپ کو مرغی کہا ع

شد آن مرغ کو خایہ زرین نہاد

جہانگیر کے دربار مین کسی نے مولانا جامی کا یہ مصرع پڑہا ع

بہر یک گل زحمت صد خار میباید کشید

جہانگیر کو مصرع کی برجستگی سے خیال ہوا کہ پوری غزل عمدہ ہو گی، دیوان نکلوا کر دیکھا چونکہ صرف یہی مصرعہ، غزل کی کائنات تھی اسلیئے تزک مین لکھتا ہی،

"غیر ازان مصرع کہ بطریق مثل، زبان زد روزگار شدہ دیگر کارے نساختہ"

جہانگیر نے اس طرح مین خود جو مطلع کہا وہ جامی کے مطلع سے بڑھا ہوا ہی"

ساغرے بر رخ گلزارے باید کشید | ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید

بابر شاہ سپاہیانہ حیثیت سے مشہور ہے، لیکن تزک مین اپنے زمانہ کے تمام شعراء کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کی نسبت اسقدر صحیح نقادانہ رائین دی ہین کہ کوئی ماہر فن اس سے اچھی تنقید نہین کر سکتا مثلاً وفائی کے ذکر مین لکھتا ہی "صاحب دیوان بود شعر او بد نبود"

علی شیر جو جامی کا مربی تہا اُس کی تُرکی شاعری کی نسبت لکھتا ہی کہ آجتک اسکا کوئی النظیر نہین ہوا لیکن فارسی کی نسبت لکھتا ہی "دیوان فارسی ہم ترتیب کردہ ودر وفائی تخلص کرد، بعضے ابیات او بد نیست، ولے اکثر سست و فرو دانند،"

آصفی کی نسبت لکھتا ہی "شعرا وازرنگ ومعنی خالی نیست، اگرچہ از عشق وحال بی بہرہ است" کامی کی نسبت لکھتا ہے "اگرچہ بعضے ابیات او طورے واقع شدہ، اما مضمون این مثنوی واستخوان بندی او بسیار کاواک وخراب ست"

اسی طرح بنائی، سیفی، میر حسن، معمائی، یوسف بدیعی، آہی، محمد صالح سب کی نسبت نہایت صحیح اور ماہرانہ رائین دی ہین، اس سے قیاس کر سکتے ہو کہ ان سلاطین کے دربار مین محض سعی، سفارش، ندیمی اور خوشامد سے شاعر فروغ نہین پا سکتا تھا بلکہ کامل الفن ہونا ضروری تھا، ان باتون کے ساتھ امرا اور سلاطین اکثر خود موزون طبع اور شاعر ہوتے تھے تفریح طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ تو سب کہتے تھے لیکن متعدد سلاطین اور اکثر امرا فن سخن مین کمال رکھتے تھے،

آتشکدۂ آذر مین پہلا باب انھین سلاطین اور امراء کے حال مین ہی جو شاعر تھے لباب الالباب کی پہلی جلد کا بڑا حصہ انہین کے حالات مین ہے، بابر، شاہ شجاع، خان خانان، ابو المظفر چغانی، سام مرزا، سہیلی چغتائی، امیر قابوس، اعلیٰ درجے کے خوش مذاق اور سخن گو تھے، ان کے کلام مین ایک خاص ادا ہے جو عام لوگون کو نصیب نہین ہو سکتی، شاہ شجاع کا یہ فخر دیکھو،

زرانہ گفتہ ام اے روزگار بیحاصل — کہ من زمہر تو وکین تو ندارم باک

اے زمانہ! مین نے تجھ سے کہ نہین دیا کہ مجکو تیری محبت اور عداوت کی کچھ پروا نہین

بہ بحر وبر دتر وخشک خود چہ می نازی — تو لی وقطرۂ از آب شور ومشتی خاک

تو اپنے بحر و بر پر کیا ناز کرتا ہے تو ہے اور آب شور کا ایک قطرہ اور مٹھی بھر خاک،

شاہ شجاع اور اسکے بھائی محمود مین سلطنت کے لیے جنگ رہتی تھی اتفاق یہ کہ محمود اپنی موت سے مرگیا شجاع نے رباعی لکھی،

محمود برادرم شہ شیر کمین | میکرد خصومت از پے تاج و نگین
میرا بھائی محمود | مجھ سے تخت کے لیے لڑتا تھا

کردیم دو بخش تا بیاساید ملک | او زیر زمین گرفت و من روی زمین
مین نے ملک کے دو حصے کردیے کہ جھگڑا مٹ جائے | اسنے زمین کے نیچے کا حصہ لیا، اور مین نے اوپر کا،

خانخانان کے ایک مشاعرہ کی غزل تیسرے حصہ مین درج ہو چکی ہے، یہ شعر بھی اُسی کا ہے۔

بجرم عشق توام میکشند و غوغائیست | تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

ساحر مرزا کا یہ مطلع یاد رکھنے کے قابل ہے،

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم | شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

وزیر احمد کے اس قطعہ کا جواب نہین ہوسکتا،

این جوانی مرا نگر کہ چہ گفت | گفت اے پیر من چہ فرمائی
گفتم اے دوست ساعتی بنشین | گفت من رفتم و تو زود آئی
بر شراب و کباب و رنگ خضاب | باز ناید گذشتہ برنائی

خواجہ رشید کے پاس کسی نے نرگس اور گلاب کے گلدستے بھیجے، خواجہ موصوف نے برجستہ کہا،

شاخکے چند نرگس رعنا | گلکے چند تازہ چیدہ
آن ہمہ دیدہا ئے بی چہرہ | وین ہمہ چہرہا ئے بی دیدہ

بات مین بات پیدا ہوتی گئی اور سلسلہ سخن دراز ہو گیا، حاصل یہ ہے کہ ایران مین شاعری سلاطین اور امرا کی بدولت ظہور مین آئی اور سلاطین اور امرا اکثر نکتہ سنج اور موزون طبع تھے اس لئے اس نے بہت ترقی کی،

قدردانی کے اور اسباب | مداحی اور شناگستری کے علاوہ اور بھی اسباب تھے جنکی وجہ سے شاعری کی قدر ہوتی تھی، سلاطین اور امرا بدیہہ گوئی کے بڑے شائق تھے، اس ضرورت سے اکثر شعرا بدیہہ گوئی کی مشق کرتے تھے نظامی عروضی چہار مقالہ مین لکھتے ہین،

اما باید دانست کہ بدیہہ گفتن رکن اعلی ست در شاعری، وہر شاعر فریضہ است کہ طبع خویش را بریاضت بدان درجہ رساند کہ در بدیہہ معانی انگیزد کہ سیم از خزینہ بہ بدیہہ بیرون آید، و بادشاہ را حسب حال بہ طبع آورد، و شعرا ہرچہ یافتند از صلات معظم بہ بدیہہ یافتند،

نظامی نے اسکے بعد بدیہہ گوئی کے چند واقعات لکھے ہین جسمین بدیہہ گوئی کی بدولت شعرا کو بڑے بڑے انعام ملے، اکثر شعرا بدیہہ گوئی کی مشق کرتے تھے قطب الدین نے امیر علی شیر کے دربار مین امیر خسرو کی ۱۰ غزلون کا جواب ایک جلسہ مین لکھکر پیش کیا، ان غزلون کا نام ار بعینہ ہے امیر علی شیر نے گران بہا صلہ دینا چاہا لیکن شاعر نے انکار کیا،[1]

---

[1] تذکرہ مخزن الغرائب،

حاجی ربیع نے نظیری کے پورے دیوان کا جواب آٹھ دن مین لکھا۔

حیدری تبریزی نے اکبر کی مدح مین قصیدہ لکھا لیکن پیش نہ کر سکا، مجبوراً یہ قطعہ لکھکر درباریون کے ذریعہ سے حضور مین بھجوایا۔

در مدح بادشاہ سخن سنج ملک ہند — گفتم قصیدۂ کہ پسندید ہر کہ دید

اما چو روزگار مددگار من نبود — زان شاخ گل بپای دلم خار غم خلید

بودم ز آب دیدۂ تر غرق بحر غم — کز غیب این ترانہ بگوش دلم رسید

حافظ! وظیفۂ تو دعا گفتن ست و بس — در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

اکبر نے حکم دیا کہ دس ہزار روپیہ اور خلعت عطا کیا جائے لیکن حکم کی تعمیل مین حسب معمول دیر ہوئی حیدری نے یہ قطعہ گذرانا اور فوراً تعمیل حکم ہوئی۔

مشکلے دارم شہا! خواہم کنم پیش تو عرض — زانکہ زین مشکل مرا صد داغ حسرت بر دل است

اے بادشاہ! مجکو ایک مشکل پیش آئی ہے جسکو آپ کی خدمت مین پیش کرنا ہے،

سیم و زر انعام کردی لیک از خازن مرا — ہم گرفتن مشکل و ہم ناگرفتن مشکل ست

آپ نے مجکو سیم و زر عطا کیا لیکن خزانچی سے لینا بھی مشکل ہے اور نہ لینا بھی مشکل،

سلطان تکش نے ایک دفعہ ناراض ہو کر حکم دیا کہ نصرۃ الدین کا سر کاٹ کر لائین اُسنے رباعی لکھکر بھیجدی جس کا دوسرا شعر یہ ہے،

سر خواستۂ بدست کس نتوان داد — می آیم و بر گردن خود می آرم

یعنی آپ نے سر مانگا تھا، یہ اور کسی کے ہاتھ بھیجنے کی چیز نہین اسلئے آپ لاتا ہون

اور اپنی گردن پر رکھکر لاتا ہون، بادشاہ نے معاف کر دیا،

شیخ سعید قریشی ایک دفعہ عید کے دن شہزادہ مراد کے دربار مین گئے اتفاق سے تہنیت کا خیال نہین رہا تہا، شہزادہ نے کہا کچھ لکھکر نہین لائے؟ شیخ نے سادہ کاغذ جیب سے نکال کر پڑھنا شروع کیا،

روز عید ست لب خشک می آلود کنید چارۂ خویشتن اے خشک لبان زود کنید

دیرگاہست کہ از دیر مغان دور نیم زود باشید بکف جام زر اندود کنید

حرف بے صرفہ واعظ نتوان کرد بگوش گوش بر زمزمۂ چنگ دنے دعود کنید

ہست بہبود شما بندگی شاہ مراد بہتر آنست کہ اندیشۂ بہبود کنید

غزل پڑھ چکے تو شاہزادہ نے غزل طلب کی، شیخ نے وہی سادہ کاغذ حوالہ کیا، دیکھا تو بالکل سادہ تہا،

ایک اور بہت بڑی غرض شاعر سے یہ متعلق ہوتی تھی کہ جب حریف سلاطین آپس مین نامہ وپیام کرتے تھے تو تہدید اور مفاخرت شعر کے ذریعہ سے کرتے تھے کہ شعر کا اثر زیادہ ہوتا تہا، اس موقع پر شعراء سے کام لیتے تھے، اور اسکے صلے مین انعامات ملتے تھے، سلاطین اپنے حریف کے مقابلہ مین جہان اور چیزون کی بنا پر مفاخرت کرتے تھے دربار کا شاعر بھی اسباب فخر مین شمار ہوتا تہا، اس بنا پر کسی دربار مین جب کوئی مشہور شاعر پہنچ جاتا تہا تو حریف بھی اسی درجہ کا شاعر ڈھونڈھ کر پیدا کرتا تہا اور اسکو بڑہاتا چڑہاتا تہا، ظہیر فاریابی جب قزل ارسلان سے ناراض ہو کر اتابک کے پاس چلا گیا

توقزل ارسلان نے ظہیر کے توڑ پر مجیر الدین بیلقانی کو بڑھایا چنانچہ ہر ہفتہ کمخواب اور اطلس کا خلعت عنایت[1] کرتا تھا،

شعرا سے واقعہ نگاری کا بھی کام لیا جاتا تھا، سلاطین کے ہان شاہی تاریخ لکھنے کا بھی دستور تھا یعنی خود بادشاہ کے حکم سے اور بادشاہ کے زیر نگرانی سلطنت کے تمام فتوحات اور واقعات لکھے جاتے تھے مثلاً شاہجہان نامہ اور اقبالنامہ وغیرہ اس قسم کی تاریخین شعرا سے نظم مین لکھوائی جاتی تھین اور انکو شاہنامہ کہتے تھے یا کبھی خود اسکے نام سے موسوم کرتے تھے، شلاً ہاتفی نے تیمور کے حال مین تیمور نامہ لکھا قاسمی گونابادی نے عباس صفوی کے واقعات نظم کئے، کلیم نے شاہجہان نامہ لکھا، آذری نے بہمنیون کے حالات قلمبند کئے جو بہمن نامہ کے نام سے مشہور ہی، وہ ناتمام رہگیا تھا، نظیری اور سامعی نے پورا کیا، فیضی نے اکبر نامہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور کچھ لکھا بھی لیکن پورا نہ ہوسکا، حضرت امیر خسرو نے تغلق نامہ لکھا تھا جہانگیر کو یہ کتاب بہت پسند تھی لیکن اسکی ایک داستان گم ہوگئی تھی سنہ ١٠١٩ھ مین حکم دیا کہ دربار کے شعرا گمشدہ داستان کو نظم کرکے پیش کرین، سبنے فکر کی لیکن حیاتی کاشی کی نظم جہانگیر کو سب سے زیادہ پسند آئی، اسکے صلہ مین جہانگیر نے اشرفیون مین تلوایا، سعیدائے گیلانی نے اس واقعہ کو نظم کیا،[2]

چون حیاتی را بزر سنجید شاہنشاہ عصر	بادشاہ عدل گستر شاہ گردون اقتدار
بہر تاریخش بر بردے کفۂ میزان چرخ	«شاعر سنجیدۂ شاہی» رقم زد روزگار

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ، تذکرۂ ظہیر فاریابی [2] خزانۂ عامرہ ذکر حیاتی کاشی،

بااینہمہ قدردانی درباروں میں بڑی مشکل سے رسائی ہوتی تھی، برسوں امیدواری اور درباروالوں کی خوشامد کرنی پڑتی تھی، امیر معزی سنجر کا ملک الشعرا تھا اور اس رتبہ پر پہونچا تھا کہ سنجر نے حکم دیا تھا کہ اسکا لقب میرے لقب پر رکھا جائے، سنجر کا لقب معزالدنیا والدین تھا اس بنا پر اسکا تخلص معزی قرار پایا باایں ہمہ جس طریقہ سے وہ دربار میں پہونچا ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ قصیدہ گویوں کو دربار تک پہونچنے میں کسطرح عمریں جھیلنی پڑتی تھیں معزی کا خود بیان ہے کہ میرے والد کا نام امیر الشعرا برہانی تھا ملک شاہ کی حکومت کا آغاز تھا کہ والد نے وفات پائی، مرنے سے پہلے مجکو بادشاہ کی خدمت میں پیش کردیا تھا جسکی بنا پر انکا روزینہ اور منصب دراثۃً مجکو ملا لیکن پورے سال بھر گذرنے پر بھی ایک حصہ وصول نہیں ہوا، میں مقروض ہوگیا، روزے آئے تو میں علاءالدولہ کے پاس گیا، وہ سلطان سنجر کا داماد سخن فہم اور قدردان تھا، میں نے اُس سے اپنی حالت بیان کی، علاءالدولہ نے کہا ہاں، تمہارے معاملہ میں بے پروائی ہوئی لیکن اب نہو گی، آج بادشاہ رمضان کا چاند دیکھنے کیلئے نکلیگا، تم بھی موجود رہنا، خدا کوئی سامان پیدا کردیگا، یہ کہکر سو اشرفیاں دلوائیں کہ یہ رمضان کا خرچ ہے، شام کے قریب میں بارگاہ سلطانی کے قریب پونہچا تو امیر علاءالدولہ پہلے سے موجود تھا، مجکو دیکھکر بادشاہ کے پاس گیا، میں بھی ساتھ تھا، سلطان سنجر ہاتھ میں کمان لئے ہوئے چاند دیکھنے کیلئے باہر نکلا، اتفاق یہ کہ سب سے پہلے اُسی نے چاند دیکھا اور خوشی سے اُچھل پڑا، علاءالدولہ نے میری طرف دیکھا کہ موقع ہے کہ مناسب کہکر کچھ سناؤ میں نے برجستہ پڑھا،

ای ماہ چو ابروان یاری گوئی	نے ہمچو کمان شہریاری گوئی
اے چاند! تو ابروے معشوق ہے	نہین، بلکہ بادشاہ کی کمان ہے
نعلے زدہ از زرِ عیارے گوئی	برگوش سپہر گوشواری گوئی
یا خالص سونے کی نعل ہے	یا اسمان کے کان کا بالا ہے

بادشاہ نہایت خوش ہوا اور کہا کہ اصطبل مین جاکر جو گھوڑا پسند آئے لے لو، امیر علاء الدولہ نے ایک گھوڑا انتخاب کیا جسکی قیمت تین سو اشرفیان تھین[۱]،

نظامی عروضی کا بیان ہے کہ مین سنہ ۵۱۰ھ مین ہرات سے سنجر کے دربار مین گیا تو نہایت شکستہ حال تھا ملک الشعرا امیر معزی سے ملا، اور اپنی پریشان حالی بیان کی، اُس نے میرا امتحان لیا اور مختلف مضامین کے اشعار پڑھوا کر سنے پھر کہا کہ تمنے اس فن مین بڑی محنت اٹھائی ہے یہ ضائع نہ جائیگی لیکن جلدی نکرو، مدتون مین کام بنتا ہے پھر اپنا واقعہ (مذکورۂ بالا) بیان کیا،

ظہیر فاریابی نے متعدد قصیدون مین شکایت کی ہے کہ مدتون سے ڈیوڑھی پر پڑا ہون کوئی خبر نہین ہوتا اور دربار مین نہین پہنچاتا، ایک قصیدہ مین کہتا ہے،

درین سہ سال کہ از درگہ تو بودم دور	بہیچ صنعت و شغلم کسی نداد زمام

ایک اور قصیدہ مین کہتا ہے کہ سال بھر ہو گیا کوئی خبر نہین ہوتا، بس اب اتنی اجازت دیجیے کہ قصیدہ سنا کر چلا جاؤن،

---

[۱] چہار مقالہ مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۶

نشستہ منتظر آنکہ فرصتے یابم　　　اگر بجمع مبارک رسانم و بردم

دربار مین پہونچ جانے اور قصیدہ پیش کرنے پر صلہ اور انعام کا مرحلہ پیش آتا تھا، اوّلاً تو مدتون مین حکم صادر ہوتا تھا اور ہوا تو تعمیل مین اسقدر دیر ہوتی تھی کہ بیچارے مفلس شاعر کی جان پر بنجاتی تھی، ظہیر انوری سلمان کے دیوان ان شکایتون سے سرتاپا لبریز ہین، بالآخر شعرا کو یہ مصیبتین جھیلتے جھیلتے احساس ہوا کہ مداحی اور بھٹئی نہایت برا طریقہ ہی، اور شاعری اگر اسی کا نام ہے تو نہایت بیکار چیز ہی اثیر الدین اومانی نے ایک بڑا قصیدہ لکھا،

یارب این قاعدہ شعر بگیتی کہ نہاد　　　کہ چو جمع شعرا خیر دو گیتیش مباد

ای خدا! شعر کا دستور دنیا مین کسنے نکالا خدا دین و دنیا مین کہین اسکا بھلا نہ کرے

ای برادر بجہان بدتر ازین کاری نیست　　　ہان دہان تا نکنی تکیہ برین بی بنیاد

بھائی جان! اس سے برا دنیا مین کوئی کام نہین، خبردار اس پر کبھی بھروسہ نہ کرنا

خود از آنکس چہ بکاہد کہ تو گوئیش بخیل　　　یا بر آنکس چہ فزاید کہ تو اش گوئی راد

کسی کو اگر تم بخیل کہدوگے تو اس کا کیا بگڑ جائیگا اور اسکو فیاض کہدوگے تو اسکی کیا ترقی ہوجائیگی

کاغذی پر کنی از حشو و فرستی بکسے　　　پس برنجی کہ مرا کاغذ زر نفرستاد

ایک کاغذ لغویات سے بھر کر کسی کے پاس بھیجتے اور پھر شکایت کرتے ہو کہ مجکو نوٹ کیون نہین بھیجے

آن نہ خود حجت شرعی نہ خط دیوانی ست　　　پس از ان خط بتو چیزیش چرا باید داد

وہ کاغذ نہ کوئی شرعی دستاویز ہے، نہ سرکاری تحریر، پھر وہ تمکو اسکی وجہ سے کوئی چیز کیون دیتا

وین چه ژاژ ست و گر باره که ابیات مدیح | گر بود هفت، فرستی بتقاضا هفتاد

اور یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ مدح کے سات شعر تھے تو تقاضا کے ستر شعر لکھکر بھیجتے ہو

پس بدین هم نشوی قانع و از تازی | بسوی خانهٔ ممدوح چو تیرے کشاد

پھر اسپر بھی قناعت نہین کرتے، اور قصیدہ کے پیچھے خود دوڑے جاتے ہو جیسے تیر جاتا ہی۔

همچو آئینه نهی بر در او پیشانی | از تو او شرم کند همچو عروس از داماد

آئینہ کی طرح، اسکے دروازہ پر پیشانی رگڑتے ہو، اور وہ تم سے اسطرح شرماتا ہی جسطرح شوہر سے دلہن

آنچه مقصود ز شعر ست چو در گیتی نیست | شاعران را همه زین کار خدا توبه داد

جو شعر کا مقصد ہی جب وہ حاصل نہین ہوتا تو خدا تمام شاعرون کو توبہ کی توفیق دے

ظہیر فاریابی نے شاعری کی ناقدردانی کا مرثیہ اس سوز وگداز سے لکھا کہ پتھر کا دل پانی ہوتا ہے

مرا ز دست هنرهای خویشتن فریاد | که هر یکی بدگر گونه دارد م ناشاد

مین اپنے ہنرون سے نالان ہون کہ ہر ہنر نئی طرح سے مجکو ستاتا ہے

بزرگتر ز هنر در زمانه عیبی نیست | ز من بپرس که این عیب بر تو چون افتاد

ہنر سے بڑھکر دنیا مین کوئی عیب نہین، مجھ سے پوچھو کہ یہ عیب کیونکر میری قسمت مین آیا

کمینه پایهٔ من شاعریست خود بنگر | که چند بار ز دستش کشیده ام بیداد

شاعری میرا ادنے کمال ہے، خیال کرو کہ کتنی دفعہ اسکی بدولت مین نے مصیبت جھیلی ہے

گهی لقب نهم آشفته زنگئی را حور | گهی خطاب کنم مست سفلهٔ را راد

مین کبھی ایک حبشی کو حور بناتا ہون | کبھی ایک کمینہ کو فیاض کہتا ہون

ز جنس شعر غزل بہتر ست وانہم نیست | بضاعتی کہ توان ساختن برو بنیاد

شعر کے اقسام مین سے غزل اچھی چیز ہے لیکن وہ بھی کوئی ایسی چیز نہین کہ اسپر کوئی بنیاد قائم کیجا سکے

مرا از انچہ کہ شیرین لبی ست در کشمیر | مرا از انچہ کہ نوشین لبی ست در نوشاد

مجکو اس سے کیا فائدہ کہ کشمیر مین کوئی معشوق ہو، یا نوشاد مین کوئی شیرین لب ہو

گلی کہ بشگفد از شعر حاصلش این نیست | کہ بندہ خوانم خود را و سرو را آزاد

شعر کا کوئی نتیجہ ہے تو یہ ہے کہ مین اپنے آپ کو غلام کہتا ہون اور سرو کو آزاد

درین زمانہ چو فریادرس نمی یابم | مرا رسد کہ رسانم بر آسمان فریاد

چونکہ اس زمانہ مین کوئی فریادرس نہین ملتا تو مجکو حق ہے کہ مین آسمان تک فریاد پہنچاؤن

انوری نے شاعری اور شعر کے بے مصرف ہونے پر کچھ لکھا ہے پہلے حصہ مین گذر چکا ہے، ان سب لوگون نے شاعری کی برائی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے کوئی مالی نفع نہین ہوتا، افسوس انکو معلوم نہ تہا کہ شاعری اُسی چیز کا نام ہے جسکو صلہ اور انعام سے تعلق نہین، وہ ایک آگ ہے جو خود مشتعل ہوتی ہے ایک چشمہ ہے جو خود اُبلتا ہے ایک برق ہے جو خود کوندتی ہے، صلہ و انعام، داد و دہش تحسین و آفرین سے اس کو کوئی تعلق نہین، اس ناکامی پر مدعیہ شاعری سے بالکل دست بردار ہو جانا چاہیے تھا لیکن سفلہ طبعی نے بجائے اسکے ایک اور بدتر طریقہ پیدا کیا، یعنی جب انعام نہین ملتا تھا تو پہلے شعر کے ذریعہ سے تقاضا کرتے تھے، اسپر بھی انعام نہ ملا تو ہجو کہتے تھے چنانچہ انوری اپنے ممدوح سے کہتا ہے،

سہ بیت، رسم بود شاعران طامع را   یکی مدیح و دوم قطعہ تقاضائی

اگر بداد، سوم شکر ورنہ داد ہجا   ازان دو بیت بگفتم، دگرچہ فرمائی

یعنی شاعرون کا قاعدہ ہے کہ تین نظمین کہتے ہین، پہلے مدح، پھر تقاضا، اب اگر صلہ ملگیا تو شکر ورنہ ہجو، ان تین نظمون مین سے دو تو مین کہہ چکا (یعنی مدح اور تقاضا) تیسری کی نسبت فرمایئے کیا ارشاد ہے؟

کمال اسمعیل، ہجو کو کامیابی کا آلہ قرار دیتا ہے، چنانچہ کہتا ہے،

ہر آن شاعری کو نباشد ہجا گو   چو شیریست چنگال و دندان ندارد

جو شاعر ہجو نہ کہہ سکتا ہو، ایک شیر ہے جسکے دانت اور پنجے نہین ہین،

اوّل اوّل ہجو شوخی اور ظرافت تک محدود تھی مثلاً ایک شاعر ایک حکیم کی ہجو مین لکھتا ہے کہ ملک الموت خدا کے پاس گئے، کہ مین ایک شخص کی جان قبض کرتا ہون تو حکیم صاحب دس آدمیون کا فیصلہ کرتے ہین، اسلئے،

یا مرا عزل کن ازین خدمت   یا ورا خدمتی دگر فرما

لیکن رفتہ رفتہ یہ لے اسقدر بڑھی کہ فحاشی اور بدزبانی تک پہونچ گئی اور افسوس یہ ہے کہ ایران کے بہت سے نامور شعرا اسی فن کی بدولت نامور ہین انوری اور سوزنی کی شاعری کا اصلی زور یہین نظر آتا ہے،

شاعری جب شروع ہوئی تو اچھے اچھے خاندانون اور دہات اور قصبات کے لوگ جو عموماً پاکیزہ اخلاق اور سادہ مزاج ہوتے ہین، اس کام مین مصروف ہوئے

صلہ کی توقع سے جب شاعری کا مذاق عام ہوگیا تو ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ اسمین شامل ہوگئے انمین کمینہ خاندانون کے لوگ بھی تھے، انکو جب انعام صلہ نہین ملتا تھا تو انکی زبان کھلتی تھی اور چونکہ شرافت کا جوہر نہ تھا اسلئے منہ سے جو نکلتا تھا گالیان ہوتی تھین، انوری سوزنی، خاقانی، اسی قسم کے لوگ تھے، اور اسی وجہ سے انکو فحاشی مین کمال تھا، خاقانی کا باپ بڑھئی تھا، سوزنی کی نسبت لوگون کا بیان ہو کہ اسکا معشوق ایک درزی بچہ تھا اسلئے اس نے یہ تخلص رکھا، لیکن ہمارا خیال ہو کہ وہ خود درزی بچہ ہوگا، اگرچہ ایران مین کسی پیشہ کے اختیار کرنے سے ذات نہین بدلتی جیسا ہمارے ہندوستان مین رواج ہو، تاہم ادنی سوسائٹی کا اثر ضرور اخلاق پر پڑتا ہو اور اگر یہ مطلق ذلت کی بات نہوتی تو ابو العلا خاقانی کی ہجو مین یہ کیون کہتا۔

درودگر پسر بودنامت بشروان　　　　یہ خاقانیت من لقب برنہادم

ہجو کا مذاق رفتہ رفتہ اسقدر بڑھا کہ جہان کسی سے رنجش ہوئی ہجو شروع ہوگئی آدمیون سے گذر کر جانورون تک کی ہجوین لکھتے تھے، پانچوین اور چھٹی صدی مین چونکہ ملکی تمدن خراب ہوگیا تھا اسلئے زبان مین فحش الفاظ آچلے تھے، ہجو نے اسکو اور ترقی دی یہانتک کہ ملک کی عام زبان خراب ہوگئی، اب مہذب سے مہذب حضرات بھی شاعری کو فحش سے نہین بچا سکتے، گلستان کا باب پنجم اور مثنوی مولانا روم کی بعض بعض حکایتین اسی حالت کے نتائج ہین، یہ حالت اسوقت تک قائم رہی جبتک صوفیانہ شاعری نے ملک پر پورا قبضہ نہین کرلیا، ساتوین صدی مین تصوف کا مذاق عام ہوا اور حدی

مراغی، اوحدی کرمانی، مغربی، حضرت امیر خسرو وغیرہ کی بدولت یہ رنگ تمام ملک پر چھا گیا، اسوقت زبان اور خیالات صاف شائستہ اور مہذب ہو گئے،

شعرا کے باہمی معرکے

رشک وحسد ایک عام خاصہ ہے، شعرا بھی اس سے بری نہین ہو سکتے تھے، جب کوئی شاعر کسی دربار مین زیادہ کامیاب ہو جاتا تھا تو اور شعرا کو رشک ہوتا تھا، یہ رشک اشعار مین ظاہر ہوتا تھا اور اسطرح شاعرانہ معرکہ آرائیان شروع ہو جاتی تھین، عنصری سلطان محمود کے دربار کا ملک الشعرا اور تمام شاعرونکا افسر تھا، تاہم اتنی بات پر کہ غضاری رازی کے دو شعر پر محمود غزنوی نے دو توڑے دلوا دئے عنصری نے غضاری کے قصیدہ کا رد لکھا، غضاری نے قصیدہ ہی مین رد الرد لکھا، ان قصیدون مین اس تفصیل سے اعتراض و جواب ہین کہ گویا علمی رسالے ہین

قدسی کا ایک قصیدہ ہے،

عالم از جلوہ حسن توچنان تنگ فضاست | کہ سپند از سر آتش نتواند برخاست

شیدا نے اس قصیدہ کے ایک ایک شعر کا رد لکھا اور اسی بحر اور قافیہ مین لکھا، منیر لاہوری نے محاکمہ کیا اور وہ بھی اُنہی قافیون مین ہے، نظیری نیشاپوری نے عرفی کے اس قصیدہ پر،

بیا کہ با دلم آن میکند پریشانی

اعتراضات کئے ہین اور قصیدہ ہی مین اعتراضات کو ادا کیا ہے، اکثر یہ باہمی چشمک شاعری کی ترقی کا سبب ہوتی تھی، ایک شاعر کوئی نظم زور کی لکھتا تھا تو

حریف شعرا قصیدہ کا جواب لکھتے تھے اور زیادہ زور طبیعت صرف کرتے تھے، اکثر مشکل مشکل طرحون مین اس غرض سے قصیدے لکھتے تھے کہ حریف سے جواب بن نہ آئے،

ظہیر فاریابی نے ایک قصیدہ لکھا ہی جسکی ردیف گوہر ہے اسمین کہتا ہے،

درین دیار بسی شاعران پر ہنر ند | کہ نور فطرت الیشان دہد بکان گوہر

قصیدۂ کہ بمدح تو گفت بندہ چو زر | ردیف ساختنش از بہر امتحان گوہر

جو کتاب، یا جو قصائد اور جو غزلین زیادہ مقبول اور مشہور ہوجاتی تھین شعرا عموماً انکا جواب لکھتے تھے اور زور طبع دکھاتے تھے، شیخ سعدی جیسے بزرگ بھی اس ولولہ سے بچ نہ سکے کسی نے کہدیا تھا کہ وہ رزم مین نظامی کی برابری نہین کر سکتے، اسپر بوستان مین ایک رزمیہ لکھکر شامل کیا حالانکہ بوستان کو رزم سے کسی قسم کا لگاؤ نہ تھا،

ظہیر فاریابی کے جسقدر ممتاز اور مشہور قصیدے ہین، متاخرین شعرا نے سب کا جواب لکھا اور بہت کچھ زور طبع صرف کیا، ظہیر کا یہ قصیدہ ع

ذکر لب تو طعم شکر در دہان دہد

نہایت زور کا قصیدہ ہی، کمال اسمعیل نے اسکا جواب لکھا اور اخیر مین کہتے ہین،

روح ظہیر اگر شنود این قصیدہ را | صد بار بیش بوسہ مرا بر دہان دہد

معاصر شعرا کی معرکہ آرائیان اگرچہ کبھی کبھی بدزبانی اور ہجوگوئی کیطرف منجر ہوتی تھین چنانچہ فوقی یزدی، شفائی، وحشی وغیرہ کی ہجوؤن کی یہی بنیاد ہے لیکن ضرر کا حصہ فائدہ سے کم رہا، جن شعرا نے اس عمدہ جوہر کو بُری طرح استعمال کیا، انکی تعداد

چندان زیادہ نہین،

سلاطین اکثر مطلق العنان اور خود سر ہوتے تھے کبھی بیگناہ بے قصور لوگون کو پھانسی کا حکم دیدیا، کبھی بڑے سے بڑے مجرمون کے جرم معاف کردے، اس لئے یہ باتین بھی شاہانہ اوصاف مین داخل ہوگئین یہانتک کہ شعرا خدا کے اوصاف کمال بھی یہی بیان کرتے ہین، شیخ سعدی فرماتے ہین،

بہ تہدید اگر بر کشد تیغ حکم — بمانند کروبیان صم و بکم
دگر در دہد یک صلاے کرم — عزازیل گوید نصیبے برم

شیخ نے اپنی دانست مین خدا کے اعلیٰ ترین اوصاف بیان کئے لیکن غور کرو یہ کسی عادل شخص کے اوصاف ہین، یا چنگیز خان، اور ہلاکو کے،

اگر شیخ سعدی یورپ کی طرز حکومت کو دیکھتے تو خدا کی یہ تعریف کرتے کہ قہر کی حالت مین بھی کسی بیگناہ کو اسکے مواخذہ کا خوف نہین ہوسکتا کیونکہ سب جانتے ہین کہ اسکے ہان کوئی بات خلاف اصول نہین ہوسکتی،

سلاطین کی غیر معتدل اور ناہموار طرز حکومت نے اخلاقی شاعری پر نہایت خراب اثر ڈالا، شعرا نے اخلاقی مثنویون مین درباداری اور تقرب طلبی کے قواعد اور اصول جہان بیان کئے ہین، ہر جگہ یہ تلقین کی ہے، کہ بادشاہ اگر دن کو رات کہے تو تم کہو کہ واقعی تارے نظر آرہے ہین

اگر شہ روز را گوید شب است این — بباید گفت اینک ماہ و پرین

اسعدی طوسی نے بادشاہون کے دربار کے یہ اصول بتائے ہین،

دم بادشاہان امیداست وبیم	یکے را سموم و یکے را نسیم
چو رفتی بر شہ پرستندہ باش	کمر بستہ فرمانش را ئندہ باش
اگرچہ نداری گنہ پیش شاہ	چنان باش پیشش کہ مرد گناہ
اگر سپید گستاخ داردت پیش	چنان ترس ازو کز بد اندیش خویش
ہمہ خوی وکردار او راستائے	چنان دشمنش را نکوہش فزائے

یعنی بادشاہ کی ایک ایک بات کی تعریف کرو اسی طرح اس کے دشمن کی بات کی برائی بیان کرو،

نباید شد از خندۂ شہ، دلیر | نہ خندہ است دندان نمودن ز شیر

اس قسم کی غلامانہ تعلیم اسی طرز حکومت کا اثر ہے کہ اس قسم کی حکومتون مین ان باتو نکے بغیر زندگی دشوار تھی،

یہ [illegible]ری مین ایک اور ذریعہ سے آیا، بنو امیہ نے جب ظالمانہ حکومت شروع کی تو عرب کی خودسر طبیعتین گوارا نہ کرسکین اور بغاوتین برپا ہوئین، اس کیلیے ایکطرف تو حجاج وغیرہ جیسے ظالم مہیا کیے گئے کہ آزادی اور خودسری کو پامال کردین [illegible]ی طرف مذہبی لوگون کو رشوتین دی گئین کہ قضا و قدر کا مسئلہ پھیلائین یعنی یہ کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے اسکی شکایت خدا کی شکایت ہے، اسکے مقابلہ مین معتزلہ نے عدل کا مسئلہ شائع کیا یعنی یہ کہ خدا عادل ہے اور وہ کبھی عدل کے خلاف

نہین کرتا یہ دونون خیالات، ساتھ ساتھ رقیبانہ پھیلے، لیکن ادھر تو حکومت کا زور ادھر چوتھی صدی کے آغاز سے آفتاب علم کا زوال شروع ہوا، اور اشاعرہ کے خیالات تمام دنیا پر چھاگئے، جسنے یہ خیالات پھیلا دیے کہ خدا کے لئے عدل ضروری نہین، بادشاہ خدا کا سایہ ہے، بادشاہ کی عزت خدا کی عزت اور اسکی توہین خدا کی توہین ہے، ان خیالات نے طبیعتون کی آزادی، دلیری، راستگوئی، بلند ہمتی کا بالکل خاتمہ کر دیا، اخلاق پر نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین لکھی گئین، لیکن اخلاقی مسائل کے عنوان یہ ہین، احسان، تواضع، حلم، عفو، سخاوت، توبہ وغیرہ وغیرہ آزادی اور حق گوئی کا عنوان اخلاقی کتابون مین نہین ملسکتا، پند وموعظت کے سیکڑون ہزارون اشعار ہین لیکن دلیری اور ازادی کے مضامین خال خال ہین،

یہ حالت ایک مدت تک قائم رہی لیکن جب تاتاری حملہ نے مسلمانونکے شیرازۂ سلطنت کو ابتر کر دیا اور اسوقت سے آج تک مسلمانونکی کوئی عالمگیر حکومت نہ قائم ہوسکی، تو سلطنت کی شان جباری مین فرق آیا، اور شعرا کسی قدر حکومت کے اثر سے آزاد ہوگئے، ادھر تصوف نے زور پکڑا اتفاق یہ کہ بڑے بڑے اکابر صوفیہ مثلاً سعدی، مولانا روم، حسینی، اوحدی، جامی وغیرہ، شعرا کے حلقہ مین شامل تھے، اسلئے صوفیانہ شاعری نے کسی قدر اس حالت مین تبدیلی کی، اور اس قسم کے خیالات زبانون پر آنے لگے،

اگر دو گاو بدست آوری و مزرعۂ ‏ یکے امیر و یکے را وزیر نام کنی

بدین قدر چو کفاف معاش تو نشود ... روی و نان جوے از یہود وام کنی
ہزار بار از ان بہ کہ از پے خدمت ... کمر بہ بندی و بر مرد کے سلام کنی

لیکن اس بحث کے پھیلانے کا یہ موقع نہین، تصوف کے اثر کا عنوان آگے آتا ہے وہان اسکی تفصیل ملیگی،

فارسی شاعری مین اخلاق اور موعظت و حکمت کے جو اہم مضامین ہین، یہ ہین دنیا کی بے ثباتی، زمانے کا انقلاب، اور بے اعتباری، آسمان کی شکایت، نیک و بد اور قابل و ناقابل مین عدم تمیز کا گلہ، قناعت، زہد اور توکل کی ترغیب، تمام اکابر اور خصوصاً صوفی منش شعرا کا کلام ان مضامین سے بھرا پڑا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اخلاقی اور واعظانہ شاعری کا تمامتر سرمایہ یہی ہے، یہ تمام مضامین، طرز حکومت اور حالات حکومت کے اثر کے نتائج ہین،

ایران بلکہ تمام ایشیا مین چونکہ سلطنت کے اصول اور آئین منضبط نہ تھے اسلئے ہمیشہ سخت انقلابات ہوتے رہتے تھے، آج ایک شخص تخت شاہی پر ہے کل اس کا سر کٹکر دربار مین آرہا ہے، آج خدم و حشم، طبل و علم، رایت و پرچم، کے ساتھ کوکبۂ شاہی جارہا ہے، کل ہاتھون مین بیڑیان ہین، ایک خاندان بنتا ہے دوسرا بگڑتا ہے جو کل تک سر پر لکڑی کا بوجھ لئے بیچتے پھرتے تھے، آج مالک تاج و تخت ہین، دیلم و سلجوق جنکے نام سے زمانہ واقف ہے، اسی حالت سے بلندی پر پہونچے تھے، کافور جسکا خطبہ حرمین اور شام و مصر مین پڑھا گیا بازار سے دو روپیہ پر خرید کر آیا تھا، یعقوب صفار جسکے سر کے

مشہور ہین، ایک ادنی درجہ کا ٹھیٹر اتھا، ان واقعات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دلون پر زمانہ کی بے اعتباری اور بے ثباتی کا اثر چھا جائے، یہی اثر ہے جو ان شعرون مین ادا ہوتا ہے،

چیست این زندگانی دنیا — گفت خوابی است یا خیالے چند

گفتم از وے چہ حاصل ست بگو — گفت درد سر و وبالے چند

گفتم اہل ستم چہ طایفہ اند — گفت گرگ و سگ و شغالے چند

گرہ بہ باد مزن گرچہ بر مراد رود — کہ این سخن بہ مثل باد با سلیمان ست

بہ باغ دہر بہار و خزان ہم آغوش است — زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

بس کن تکبر و ناز کہ دیدہ ست روزگار — چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

اعتمادے نیست بر دور جہان — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است — کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد

پردہ داری می کند بر قصر کسری عنکبوت — چغد نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

ایک ہی واقعہ کا اثر، مختلف طبائع پر مختلف ہوتا ہے، اس بے ثباتی اور بے اعتباری کا اثر بعض طبائع پر تو یہ ہوا کہ جب کسی حالت کا اعتبار نہین، تو جاہ و دولت کی طلب بے سود ہی، اسلئے قناعت، گوشہ گیری، توکل، زہد و عبادت اختیار کرنی چاہئے، حضرات صوفیہ کا کلام اسی اثر سے لبریز ہے، رفتہ رفتہ یہ ایک عام روش قرار پا گئی اور وہ شعرا بھی جو دنیا کی تلاش مین مارے مارے پھرتے تھے وہ بھی شاعری کا فرض ادا کرنے کے لئے پند و موعظت مین یہی مضامین باندھتے تھے،

لیکن بعض طبیعتون پر یہ اثر ہوا کہ جب زندگی اور حالات زندگی کا اعتبار نہین تو جد و جہد، فکر و تلاش، سعی و محنت، تگ و دو کی کیا ضرورت ہی، چار دن کی زندگی ہے اسکو عیش و عشرت، نغمہ و سرود، رندی اور شاہد پرستی مین بسر کر دینا چاہئے، اس خیال نے خیام اور حافظ پیدا کئے،

بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند — چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند
سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود — کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

ابر است ساقیا قدحے پر شراب کن — دور فلک درنگ ندارد شتاب کن
زان بیشتر کہ عالم فانی شود خراب — مارا بجام بادۂ گلگون خراب کن

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش — کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش

کمند صید بہرامی بیفگن، جام مے در گیر　　　　که من پیمودم این صحرا نہ بہرامست و نہ گورش

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم　　　　فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

حاصل کارگہ کون و مکان این ہمہ نیست　　　　بادہ پیش آر کہ اسباب جہان این ہمہ نیست

غم دنیاے دنی چند خوری بادہ بخور　　　　حیف باشد دلِ دانا کہ مشوش باشد

بہ بر و بہ نزد شاہان، ز من گدا پیامے　　　　کہ بہ کوے مے فروشان، دو ہزار جم بہ جامے

چونکہ سلاطین کے دربار مین کامیابی کا مدار زیادہ تر سعی و سفارش پر ہوتا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکثر ارباب کمال محروم رہجاتے تھے اور نا قابل اور کم مایہ لوگ، بڑے بڑے رتبون تک پہنچ جاتے تھے، اسکے ساتھ چونکہ ایرانیون اور یونان کے معتقدات کے موافق اجرام فلکی کے موثر ہونے کا خیال عام طور سے پھیلا ہوا تھا، اسلئے لازمی طور پر خیال پیدا ہوا کہ آسمان کو نیک و بد کی تمیز نہین، اس سے آسمان کی شکایت کا ایک وسیع مضمون پیدا ہو گیا چنانچہ شاعری کا ایک بڑا حصہ انہی مضامین کے متعلق ہے اور اسمین خوب خوب نکتہ آفرینیان کی گئین،

سپہر، مردم دون را کند خریداری — بخیل سوے متاعی رود کہ ارزان است

آخر دور فلک شد، بہ کدورت خو کن — بادۂ صاف دِگر در تہ این مینا نیست

بعد ازین تاریکی شبہا بہ خود خوش کن کلیم — شکوہ کم کن، در چراغ اختران روغن نماند

آسمان ہا در شکستِ ما کمر بستہ اند — چون نگہ دارم من از نہ آسیا، یک دانہ را

اخلاقی شاعری، مین توکل، قناعت اور گوشہ گیری کی تعلیم انہی واقعات کی بدولت وجود مین آئی، غیور طبیعتون نے جب دیکھا کہ سلاطین کے دربار مین، خوشامد جوڑ توڑ اور سازش کے بغیر فروغ نہین ہوسکتا تو ان لوگون نے ترک دنیا ہی مناسب سمجھا اور لوگون کو بھی اسکی تعلیم دینی شروع کی یہانتک کہ رفتہ رفتہ، قناعت اور توکل، شاعری کا سب سے بڑا موضوع بن گیا اور چونکہ شاعرانہ تخئیل کیلیئے ایک اچھا میدان ہاتھ آگیا ان لوگون نے بھی اس مین طبع آزمائیان کین جنکو قناعت کی ہوا بھی نہ لگی تھی مثلاً مرزا صائب اور علی قلی سلیم وغیرہ،

تمدن اور فوجی زندگی کا اثر

ایران نے جس زمانہ مین شاعری شروع کی، قومی زندگی تمامتر فوجی زندگی تھی، فتوحات کا زور شور تھا، ہر طرف لڑائیان برپا تھین، ترک

دیلم، سلجوق نئی نئی قومین اسلام کے حلقہ مین آتی جاتی تھین، اور اس لئے ہر حکومت کو اپنے بقا کیلئے ہمہ وقت تیغ بکف رہنا پڑتا تھا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ بچہ سپاہی بنگیا، سلاطین اور امرا کا گروہ ہمیشہ عیش پسند ہوتا ہے لیکن اسوقت یہ حالت تھی کہ منصور سامانی جو دولت سامانیہ کا اخیر تاجدار تھا، اس سے جب ندیمون نے کہا کہ آپ زندگی کے مزے اُٹھائیے، شاہانہ عمارتین بنوائیے، نغمہ و سرود سے جی بہلائیے، تو اس نے یہ قطعہ کہا جو خود اسکی تصنیف ہے،

گویندمرا چون سلب خوب نہ سازی؟ | مادی گہ آراستہ وفرش ملوّن
لوگ مجھ سے کہتے ہین کہ تم عمدہ کپڑے | سجا ہوا مکان، رنگین فرش کیون نہین بنواتے
بانعرۂ گردان چہ کنم لحن مغنّی | باپویۂ اسپان چکنم مجلس گلشن
پہلوانون کے نعرون کے ہوتے مین مغنّی کا راگ لیکر کیا کرونگا گھوڑون کے مقابلہ مین باغ کیا چیز ہے
جوشِ مِی و نوشِ لبِ ساقی بچہ کارست | جوشیدن خون باید بر عیبۂ جوشن
شراب اور معشوق کا لب شیرین کیا ہوگا | جوشن پر خون کا جوشن درکار ہے،
اسپ[1] ست وسلاح ست مرا بزمگہ و باغ | تیر ست وکمان ست مرا لالہ و سوسن
میرا باغ، گھوڑا اور ہتھیار ہے | میرا لالہ اور سوسن تیر اور کمان ہین

اسی زمانہ مین شمس المعالی قابوس بن وشمگیر مشہور فرمانروا گذرا ہے، وہ اگرچہ رنگین طبع اور عیش پسند تھا تاہم کہتا ہے[2]،

[1] لباب الالباب جلد اول صفحہ ۲۳، [2] لباب الالباب صفحہ ۳۰۔

من بیست چیز را ز جہان برگزیدہ ام — شطرنج و نرد و صید گہ و یوز و باز را

مین نے دنیا سے بیس چیزین انتخاب کرلی ہین، — شطرنج نرد، شکار چیتا، شیر،

میدان و گوی و بارگہ و رزم و بزم را — اسپ و سلاح و جود و دعا و نماز را

میدان۔ گیند، بارگاہ، معرکہ جنگ، — گھوڑا۔ ہتھیار۔ سخاوت۔ دعا اور نماز

دقیقی جسنے شاہنامہ کا سنگ بنیاد رکھا تہا، اسکے زمانہ مین امیر ابو الحسن اغاجی ایک ممتاز رئیس تھا وہ شاعر بھی تھا چنانچہ کہتا ہے،

اے آنکہ نداری خبرے از ہنر من — خواہی کہ بدانی کہ نیم نعمت پرورد

تم کو میرے ہنر کی خبر نہین، — مین ناز پروردہ نہین ہون،

اسپ آر و کمند آر و کتاب آر و کمان آر — شعر و قلم و بربط و شطرنج و می و نرد

میرے لئے گھوڑا، کمند، کتاب، — شعر، قلم۔ شطرنج۔ شراب، بربط نرد یہ چیزین لاؤ،

سلطان علاء الدین غوری فاتح اور حکمران ہونیکے ساتھ شاعر بھی تہا، عوفی یزدی نے لکھا ہو کہ اسکا دیوان بھی مدوّن کیا گیا تہا اُسکے اشعار کا نمونہ یہ ہے،

جہان داند کہ من شاہ جہانم — چراغ دودہ ساماںیانم

دنیا یہ جانتی ہے کہ مین بادشاہ ہون — اور سامانی خاندان کا چراغ ہون

چو بر گلگون دولت بر نشینم — یکے باشد زمین و آسمانم

جب مین گھوڑے پر سوار ہوتا ہون — تو زمین اور آسمان میرے لئے دونون برابر ہین

ایشیائی اسلطنتون مین جس چیز کی طرف، بادشاہ وقت کا میلان ہوتا ہو وہی رواج

پائی ہی اُسوقت رزمیہ مذاق کے پھیلنے کے مختلف اسباب جمع ہوگئے تھے (۱) وہی ملکی حالت جسکو ہم ابھی لکھ آئے ہین (۲) سلاطین وقت کا شجاع وبہادر ہونا، اور اشعار مین اسی قسم کے خیالات کا ظاہر کرنا (۳) ان سب پر مستزاد یہ کہ اس زمانہ مین شاعری کے جو پایۂ تخت تھے، یعنی بخارا، غزنین، بلخ، سمرقند، خوارزم یہان کی آب وہوا سپہ گری بہادری، جانبازی کا اثر رکھتی تھی، اور یہان کے لوگ عموماً دیوپیکر، قوی تنومند بالابلند ہوتے تھے، اور اب بھی ہوتے ہین، شعرا بھی اکثر انھین ممالک کے اور انہی نسلون کے تھے، ان مجموعی باتون کا شاعری پر جو اثر پڑا، اسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) شاعری کے اصناف مین سے صرف دو صنفین پیدا ہوئین، یعنی قصیدہ و مثنوی، قصیدہ تو گویا معاش کا ذریعہ تھا، جسمین سلاطین کی مدح کرتے تھے اور انعام لیتے تھے، مثنوی مین واقعات ہوتے تھے اور زیادہ تر رزمیہ ہوتے تھے غزل کیطرف لوگون نے توجہ نہ کی، اور نہ کسی شاعر نے اسکو اپنا ذریعہ امتیاز سمجھا،

(۲) قصیدہ مین اکثر سلاطین کے ملکی فتوحات کا ذکر کرتے تھے سلطان محمود غزنوی نے جب سومنات فتح کیا تو فرخی اور عسجدی وغیرہ نے قصائد لکھے جمین پورے واقعات کی تفصیل لکھی، فرخی کا قصیدہ ہم پہلے حصہ مین لکھ آئے ہین، عسجدی کے چند شعر یہ ہین

تا شاہ خسروان[1] سفر سومنات کرد — کردار خویش را علم معجزات کرد

جب سے شاہنشاہ نے سومنات کا سفر کیا — اپنے کام کو معجزہ کا نمونہ بنا دیا

---

[1] عوفی یزدی تذکرۂ عسجدی،

شاہا توازسکندر بیشی بدان جہت | کو ہر سفر کہ کرد بہ دیگر جہات کرد
اے بادشاہ تو سکندر سے بڑھکر ہے کیونکہ | اُسنے جو حملے کئے اور طریقے سے کئے

تو کارہا بہ نیزۂ و تیر و کمان کنی | او کارہا بحیلۂ و کلک و دوات کرد
تو نے نیزہ، تیر، اور کمان سے فتوحات کئے | اور سکندر نے حیلہ اور قلم و دوات سے

محمود غزنوی نے جسقدر ممالک فتح کئے ایک ایک کے متعلق عنصری اور فرخی وغیرہ کے فتحیہ قصائد موجود ہین جنمین رزم کی پوری تصویر کھینچی ہے، ہم دو دو چار چار شعر بعض قصائد کے نقل کرتے ہین۔

امین ملت محمود شاہ با دل شاد | بہ فال نیک دگر رہ بسوی خانہ نہاد
محمود نے بھر | نیک فالی کے ساتھ گھر کا رخ کیا

بہ سومنات شد امسال و سومنات بکند | درین مراد بہ پیمود منزلے ہشتاد
سومنات گیا اور اسکو برباد کردیا | اس غرض سے اسّی منزلین طے کین

قوی کنندۂ دین محمد مختار | یمین دولت محمود قاہر کفار
چو باز گشت بفیروزی از در قنوج | مظفر و ظفر و فتح بر یمین و یسار

(۳) ممدوح کے اوصاف مین سپاہیانہ ہنر دانی یعنی تیر افگنی، شمشیر بازی، اسپ تازی کا ذکر بھی کرتے تھے فرخی سلطان محمود غزنوی کی مدح مین لکھتا ہے،

زگہوارہ چون پاے بیرون نہادے | کمان برگرفتی و ژوبین و خنجر
نیزہ

تونے جب گہوارہ سے پاؤن نکالا تو | کمان، نیزہ اور تلوار ہاتھ مین لی

بجائے قبا درع بستی و جوشن | بجائے کلہ خود جستی و مغفر

قبا کے بجائے تونے زرہ اور جوشن پہنا | ٹوپی کے بجائے خود اور مغفر مانگا

اسی کے ساتھ ممدوح کی جفاکشی، محنت طلبی، دشت نوردی کی تعریف کرتے تھے فرخی محمود غزنوی کی تعریف مین لکھتا ہے،

نشستگاہ شہان باغ و راغ و خانہ بود | نشستگاہ تو دشت است و خوابگہ خرگاہ

یعنی اور سلاطین باغ سبزہ زار اور محل مین رہتے ہین، اور تو میدان مین اجلاس کرتا ہے اور خیمہ مین سوتا ہے،

ہمہ زمستان در پیش بر گرفتہ بود | رہے دراز در از و شبے سیاہ سیاہ

یعنی جاڑے بھر، بادشاہ لمبی لمبی راہین اور کالی کالی راتین سفر مین کاٹتا رہا

تو بر کنارہ دریاے سبز خیمہ زدہ | شہان شراب زدہ بر کنارہاے شہر

جبکہ اور سلاطین، تالابون کے کنارے شراب پی رہے تھے، تو سمندر کے ساحل پر خیمہ ڈالے پڑا تھا

بوقت آنکہ ہمی خلق سیر خواب شوند | تو در شتاب سفر بودۂ و در نج سفر

جب اور لوگ پڑے سوتے ہین | تو سفر کی تکلیفین اُٹھاتا پھرتا ہے،

(۴) چونکہ اسباب سپہگری مین شکار بھی ہے اسلئے ممدوح کی تعریف مین شکار کا ذکر اکثر کرتے تھے اور کبھی کبھی قصیدہ کا قصیدہ شکار کے حال مین لکھتے تھے، ایک دفعہ ایک مہینے مین سلطان محمود نے ۵۵۰ ہاتھی اور ۳۳ بھیڑیے شکار کئے تھے فرخی اسکا

ذکر قصیدہ مین کرتا ہے،

زبادشاہان نگرفت جز تو در یک مہ   زگرگ سی وسہ وز پیل پانصد وپنجاہ

بادشاہ نے تیر سے شیر مارا، اس پر ازرقی نے ایک قصیدہ لکھا، دیکھو کس خوبصورتی سے پورے واقعہ کی تصویر کھینچی ہے،

بامدادے زپے صید برون رفت بدست   بامی ومطرب ونابردہ بہ پرخاش کمان

ایک دن شکار کو نکلا۔   لیکن کمان نہین لی، اور می ومطرب ساتھ تھے

مے ہمی خورد بہ شادی، کہ بیامد دو سہ تن   از کے بیشہ واز شیر بداوند نشان

شراب پی رہا تھا کہ دو تین آدمی   جنگل سے آئے اور شیر کا پتہ دیا

شہ سوے شیر بپیچید وبرون آمد شیر   سر بہ ہامون زدہ از بیشہ خروشان ودمان

بادشاہ شیر کی طرف بڑھا شیر   جنگل سے ڈکارتا ہوا نکلا

از بلندی وز پہنا وبزرگی کہ نمود   راست گفتی کہ نہ شیر ہست ہیونیست کلان

اس قدر اونچا، اور لحیم وشحیم تھا کہ بڑا گھوڑا معلوم ہوتا تھا،

راست چون پنجہ قصاب پر از خون دستش   پنج قلاب ور اور سر ہر پنجہ نہان

قصاب کی طرح اسکا پنجہ خون مین بھرا ہوا تھا، اور ہر پنجہ مین پانچ آنکڑے تھے،

ہر دم ہر سوے پراگندہ دبر آمد بہ سپہر   از دلیران شغب نعرہ از شیر فغان

لوگ ہر طرف بھاگ نکلے اور بہادرونکا نعرہ، اور شیر کی ڈکار آسمان تک پہنچی،

تیر گنجید پیوستہ در کمان ہر یک شد   شاہ چون شیر بسوے سیر بپیچید عنان

بادشاہ نے تیر کمان مین جوڑا، اور شیر پر شیر کی طرح جھپٹا،

شیر اگرچند ہمی سخت بکوشید دلے — خوردن زخم ہمان بود و شدن سست ہمان

شیر نے اگرچہ بہت زور لگایا، — لیکن زخم کہاتے ہی سست ہوگیا

بر سر دست فرو خفت زمانے کہ مگر — گردد آسودہ و باز آید و سازد جولان

ہاتہ سر پر رکھکر سو گیا کہ ذرا دم لیکر پھر حملہ کرے،

بیلکے شاہ برآورد و بہ پیوست و بزد — در بن گوششش و بر جاے بفگند ستان

بادشاہ نے تیر کمان مین جوڑ کر شیر کی کنپٹی مین مارا کہ چت ہو کر گر پڑا

لطف کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ مین شعرا بزم کا سر و سامان کرتے تھے تو اسمین بھی لڑائی کا سمان دکہاتے تھے، سلطان محمود غزنوی ایک دفعہ میدان مار کر آیا، زینتی (دربار کا شاعر تھا) قصیدۂ تہنیت لیکر دربار مین آیا اور سلطان کو ترغیب دی کہ "حضور اب ذرا آرام فرمائین، اور مطرب و ساقی سے جی بہلائین"، لیکن مطرب و ساقی کو بھی رزم کی صورت مین پیش کرتا ہے، یعنی مطربون کا میسرہ، احباب کا میمنہ معشوقون کے قد کا علم، زلفون کا پھریرا، گلدستون کا ترکش،

میسرہ، مطربان خوش سازیم — میمنہ، دوستان بس دلخواہ

علم - از ساقیان بپاے کنیم — تار منجوقہا ز زلف سیاہ (پھریرا)

بدل تیر دستہ ہا گیریم — از گل و سنبل شگفتہ پگاہ

غنم گریزد ز بیغش ملچو تان ... — ثنائی (قصیدہ در رزم شاہنشاہ)

رزم مین بزم کا انداز ایک اور خاص وجہ سے پیدا ہوا جسکی تفصیل حسب ذیل ہی؛

معشوق | انسان کی اصلی فطرت کے مطابق، مرد عاشق اور عورت معشوق ہی، ہندی زبان مین، مرد کو معشوق قرار دیا ہے، لیکن چونکہ عاشق عورت ہی اسلئے یہ بھی فطرت کے قریب قریب ہی لیکن ایران کی یہ اُپج کہ عاشق اور معشوق دونون مرد، سخت تعجب انگیز ہے اور انصاف یہ ہے کہ اس بیہودگی نے ایران کی عاشقانہ شاعری کو جو تمام دنیا سے بالاتر اور لطیف تر تھی خاک مین ملا دیا، ہم اس اعتراض کی تاویل نہین کرنی چاہتے اور نہ کر سکتے ہین، البتہ واقعہ نگاری کا فرض یہ ہے کہ اسکے اور اسباب اور وجوہ بتائین،

ابوہلال عسکری نے کتاب الاوائل مین لکھا ہی کہ عرب مطلقًا امردپرستی سے ناواقف تھے لیکن جب پہلی صدی مین فتوحات کا سیلاب خراسان تک آیا، اور اہل فوج مدت تک وطن اور اہل وعیال سے دور رہے، اسکے ساتھ لڑائیون مین سادہ رو نوجوان گرفتار ہوکر آئے، اور غلام بنکر، جلوت وخلوت مین ساتھ رہنے لگے تو امرد پرستی اور شاہد بازی کا مذاق پیدا ہوا۔

تاہم پہلی اور دوسری صدی تک، عرب کی شاعری اس داغ سے پاک رہی، تیسری صدی مین اسکی ابتدا ہوئی، اور چوتھی صدی مین یہ مذاق عام ہو گیا چنانچہ ابن المعتز کا رائیہ قصیدہ، اسکی مفصل داستان ہے، تاہم بلحاظ اغلب، وہی قدیم مذاق قائم تھا، اسلئے عرب کی شاعری مین امردپرستی نے یہ حیثیت نہین حاصل کی

کہ اسکی نمایان صنعت بنجائے،

ایران مین شاعری شروع ہونے کا وہی زمانہ ہے جب عرب مین یہ مذاق پیدا ہو چلا تھا، اسیطرح یہ ہوا کہ جن اسباب نے عرب مین یہ مذاق پیدا کیا تھا، وہ ایرانیون کو بہت زیادہ وسعت اور افراط کے ساتھ میسر آئے، ترک غلام جو عموماً حسین ہوتے تھے گھر گھر پھیل گئے تھے، اور مجالس عیش مین ساقی گری، اور بزم آرائی کی خدمت انھین سے متعلق تھی، وہ جلوت و خلوت، سفر و حضر مین ساتھ رہتے تھے اور پیشخدمتی کے ساتھ ہمدم و ہمراز بنجاتے تھے، ہر وقت کے میل جول مین نظر بازی تازی ہوتی رہتی تھی، رفتہ رفتہ وہ غلام اور خادم ہونے کے بجائے محبوب اور منظور نظر بنگئے دقیقی، فرخی وغیرہ کے کلام مین جا بجا اسکے اشارے نہین، بلکہ تصریحین پائی جاتی ہین، حکیم سنائی کہتے ہین،

خادمان را ازجہ آن بخرند ۔۔۔ تا بر خسارشان ہمی نگرند

بڑے بڑے سلاطین اور امرا انھین زرخرید غلامون کے غلام تھے،

معتصم باللہ نے عرب کو فوج سے نکالکر، ترک بھر دیئے تھے، اسوقت سے ایران خراسان اور عراق عجم مین، ہر جگہ فوجی صیغون مین ترک ہی ترک نظر آتے تھے یہ نوجوان سپاہی حسین اور خوش رو ہوتے تھے، اسلیئے انکی چال ڈھال، رفتار گفتار، بات چیت، ایک ایک ادا، طنازی اور شوخی کے لباس مین جلوہ گر ہوتی تھی، چنانچہ اکثر اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی سپاہی بچے، مکتب عشق کے معلم تھے، فرخی کہتا ہے،

برکش اے ترک و بیکسو فگن این جامہ جنگ ۔۔۔ جنگ برگیر و بنہ درقہ و شمشیر از چنگ

اے ترک اب لڑائی کے کپڑے اتار ڈال — ستار اٹھا لے اور تلوار اور ڈھال رکھدے

دشمن از کینہ کم آمد بہ کمین گاہ مرو — لشکر از جنگ بر آسود، بر آسا ے از جنگ

دشمن لڑائی سے عاجز آ گیا اب لڑائی مین نہ جا — فوج نے آرام لیا، تو بھی آرام لے

بہ مصاف اندر کم گرد کہ از گرد مصاف — زلف مشکین تو پر گرد سیہ مشک بہ تنگ

لڑائی مین کم جا۔ کیونکہ لڑائی کی گرد سے تیری زلف اٹ گئی ہے،

تو رخ روشن خود را بہ زرہ خود مپوش — کہ رخ روشن تو زیر زرہ گیرد زنگ

تو اپنے روشن چہرہ کو زرہ مین نہ چھپا — تیرا چہرہ زرہ کے نیچے زنگ آلود ہو جائے گا

نرمک از گرد سیہ زلف سیہ را بفشان — تا فرو ریزد بر گرد سوار و سرہنگ

آہستہ سے زلف کی گرد جھاڑ دے — تا کہ اس گرد پر سوار اور سپاہی ٹوٹ پڑین

ابو المعالی رازی کہتا ہے، (بڑا قصیدہ ہے، ہم نے صرف دو شعر نقل کیے ہین)

یارب این بچۂ ترکان چہ بتان اند کہ ہست — دیدۂ مردم نظارہ از ایشان چو بہار

خدایا یہ ترک بچے کیسے معشوق ہین — کہ دیکھنے والی کی آنکھ مین انکو دیکھکر بہار آجاتی ہے

بگہ رزم ندانند بجز اسپ و سلاح — بگہ بزم ندانند مگر بوس و کنار

لڑائی کے وقت گھوڑے اور ہتھیار کے سوا کسی چیز سے واقف نہین، اور مجلس مین بوس و کنار کے سوا کچھ نہین جانتے

کافی ہمدانی کہتا ہے،

این شوخ سواران کہ دل خلق ستانند — گوئی ز کہن نادرۂ دہر بخوبی بہ کرانند

یہ شوخ سوار جو لوگون کا دل چھینتے ہین — تم پوچھتے ہو کہ کس نسل مین سے ہین [illegible]

ترک اند باصل اندر و در شک نیست ولیکن | از خوبی و زیبائی خورشید وشانند
اصل مین یہ ترک ہین | لیکن خوبصورتی مین آفتاب ہین

شیر اند بزور و بہنر، گرچہ غزال اند | پیر اند بہ عقل و بہ خرد گرچہ جوانند
گو وہ ہرن ہین لیکن زور مین شیر ہین | گو جوان ہین لیکن عقل مین بڈھے ہین

در معرکہ سوزندہ تر از نار جحیمند | در مجلس سازندہ تر از حور جنانند
معرکہ مین، آتش دوزخ سے بڑھکر ہین | مجلس مین حور سے زیادہ دلکش ہین

با قرطۂ رومی ہمہ چون بدر منیر اند | بر مرکب تازی ہمہ چون باد بزانند
رومی کرتہ پہنین تو چاند ہین | عربی گھوڑے پر سوار ہون تو ہوا ہین

در رزم بجز تیغ زدن رای نبینند | در بزم بجز دل ستدن کار ندانند
لڑائی مین صرف تلوار چلانا جانتے ہین | بزم مین صرف دل چھیننا جانتے ہین؛

ایاز کا نام تمنے محمود کے معشوق ہونیکی حیثیت سے سنا ہو گا، لیکن وہ فوجی افسر بھی تھا اور بڑے بڑے میدان مارے تھے، فرخی نے ایک قصیدہ مین اسکی معرکہ آرائی کا حال لکھا ہے،

بروز روشن از غزنین برون رفت | ہمی زد با جہانی تا شب تار
نماز شام را خندان بخوابید | کہ دشت از کشتہ شد بالپشتہ ہموار

ترکونکی معشوقی نے یہان تک وسعت حاصل کی کہ ترک کے معنی معشوق کے ہوگئے ؎

جملہ ترکان جہان ہندوے تو

یہ مذاق اسقدر عام ہوا کہ سلاطین اور رؤسا تک علانیہ امرد پرستی کرتے تھے اور دربار مین انکے معشوق، انکی نظر فروزی کا کام دیتے تھے، شعرا سے ان معشوقونکی تعریف و توصیف مین سر دربار اشعار لکھوائے جاتے تھے اور شعرا ممدوح کی عشق پرستی کا علانیہ ذکر کرتے تھے،

فرخی ایک قصیدہ مین جو ایاز کی مدح مین ہے، ایاز کے حسن و جمال اور جاہ و جلال کی تعریف لکھکر لکھتا ہے کہ محمود نے بیوجہ، اسکو دل نہین دیا،

یکے گوید کہ آن سرویست بر کوہ　　　دگر گوید گلے تازہ است بر بار

کوئی کہتا ہے کہ وہ پہاڑ پر سرو ہے　　　کوئی کہتا ہے کہ شاخ پر پھول ہے

نہ برخیرہ بدو دل داد محمود　　　دل محمود را بازی مپندار

محمود نے اسکو یونہی دل نہین دیا　　　محمود کا دل کچھ ہنسی کھیل نہین

عورتین جب تک معشوق تھین، عشق پرستی اسقدر عام نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی، ایشیا مین کبھی عورتین بے پردہ ہوکر نہین رہین، اور رہین بھی تو مردون سے ہر وقت ملنا جلنا ممکن نہ تھا لیکن جب نوخط امید ان مین آئے تو گھر گھر آگ لگ گئی، بڑے بڑے مقدس درویش اور ارباب حال مکتبونمین بچون کو گھورنے جاتے ہین اور بے تکلف کہتے ہین،

من بتو مشغول و تو با عمرو زید

خوشتر و طبیب علاج کو آیا، مریض دعا کرتا ہے خدایا میرا مرض کبھی اچھا نہ ہونے پائے،

نمی خواستم تندرستی خویش

دربارشاہی مین کوئی سادہ رو، طبیب آجاتا ہی تو خود صاحب تاج وتخت کی زبان سے نکلجاتا ہے ع خوش طبیبیست بیاتا ہمہ بیمار شویم۔

آقا وغلام، استاد وشاگرد، پیر ومرید، ایسے نازک اور قابل ادب تعلقات بھی عشق پرستی سے خالی نہین ہوتے تھے، اس حالت نے ملک اور قوم کی سیاسی اور اخلاقی حالت پر جو اثر کیا، اور جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ مٹھی بھر تاتاریون نے خراسان سے لیکر بغداد تک کی خاک اڑادی، اس کا پھیلانا ہمارا کام نہین، البتہ شاعری اور انشاپردازی کی وسعت اور نوعیت پر اسکا جو اثر پڑا، اسکی تفصیل لکھنا، شعر العجم کا فرض ہے،

اس واقعہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاعری کی زبان بالکل فوجی زبان بنگئی، یعنی جو کچھ کہنا چاہتے ہین رزمیہ انداز مین کہتے ہین،

منوچہری بہار کی آمد لکھتا ہے، لیکن اس انداز مین لکھتا ہی کہ وہ جنگجو بادشاہ باہم معرکہ آرا ہین،

این باغ وراغ ملکت نوروز ماہ بود ... این کوہ کوہ لالہ، واین جوی وجویبار
چون دید کو تو ال زمستان کہ در سفر (ملکیت، جاڑا) ... نوروز مہ بماند قریب مہ چہار
اندرو وید ومملکت او بغار تید (جاڑا جو خزان کا مہینہ ہی) ... بالشکر گران وسپاہی گزافہ کار
برداشت تاجہائے ہمہ تارک سمن ... برتافت پنجہ ہائے ہمہ ساعد چنار

جنگی حالت کا زبان پر یہ اثر ہوا کہ اکثر محاورات اور مصطلحات انہین الفاظ سے بنے جو لڑنے بھڑنے، مرنے مارنے کے لئے موضوع ہین،

ہر زبان مین قاعدہ ہے کہ لفظ کے اصلی معنی ایک ہوتے ہین، پھر ادنیٰ مناسبت سے اُسکے اور اور معنی بنتے جاتے ہین، اور ان معنون کو اصطلاحی معنی کہتے ہین، فارسی مین یہ اصطلاحی معنی اکثر انھین الفاظ سے پیدا ہوئے ہین، جنکو مرنے مارنے سے تعلق ہے مثلاً زدن کے اصلی معنی مارنے کے ہین اب اس سے بیسیون اصطلاحی معنی پیدا ہو گئے مثلاً

حرف زدن	بولنا	نواز دن	بجانا
مثل زدن	مثل کہنا	گام زدن	قدم رکھنا
می زدن،	ساغر زدن، جرعہ زدن - پینا	دم زدن	دم لینا
فال زدن	فال نکالنا	گرہ زدن	گرہ لگانا

اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ ہر چیز مین جنگی تخیل پہلے آتا تھا، پھر اس سے اور اور باتین پیدا ہوتی تھین،

اردو مین چراغ کے گل کرنیکو بجھانا اور عربی مین اطفا کہتے ہین لیکن فارسی مین چراغ کشتن کہتے ہین، تھوڑی دور کا فاصلہ بتانا ہو تو ہم اپنی زبان مین بگیہ یا فرلانگ سے بتائین گے لیکن ایرانی تیر پرتاب کہیگا، یہ وہی جنگی خیالات کا اثر ہی کہ زمین کی پیمائش بھی تیر سے کرتا ہے، پہاڑ کی چوٹی کو عربی مین قلہ کہتے ہین لیکن ایرانی تیغ کوہ کہتا ہے، تحریر یا تقریر یا دعوے مین عاجز آجانے کو اُردو اور عربی مین اور اور الفاظ سے تعبیر کرتے ہین لیکن فارسی مین سپر انداختن کہتے ہین، نماز مین لوگ جو کندھے سے

کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہین، اسکو عربی مین صف کہتے ہین جو دراصل صف جنگ سے ماخوذ ہے، فارسی نے اس لفظ کو لے لیا کہ ان کے خیالات کے مطابق تھا،

ع تفرقہ بخش صف طاعتانہ

لے بھاگنے کو زد و برد کہتے ہین، باقر کاشانی کہتا ہے،

نفسے واشدنی داشت زمن گل زد و برد　　مصرع نالہ زمن بود کہ بلبل زد و برد

راستہ طے کرنے کو راہ بریدن کہتے ہین، اس سے بڑھکر یہ کہ پانی جو خوشگوار اور ہاضم ہو، اسکو برندہ کہتے ہین۔

احشای دشمنت ز حسد دار د امتلا　　آب برندہ از دم تیغ چو آب خواہ

ع برندہ بود بلے آب اشتہا آورد

اس قسم کے بیسیون محاورے اور اصطلاحین ہین،

خیالات پر اسکا یہ اثر ہوا کہ عشقیہ شاعری پر بھی یہی رنگ چڑھ گیا، معشوق کے اوصاف اور سراپا کی تشبیہات اور استعارات مین تمامتر، فوجی سامان ہے یہانتک کہ حسن کا مرقع میدان جنگ نظر آتا ہے،

زلفین کمند ہین، ابرو خنجر، پلکین تیر، آنکھین قاتل وغیرہ وغیرہ،

حزین

صید از حرم کشد، خم جعد بلند تو　　فریاد از تطاول مشکین کمند تو

ظہیر،　　ق

خود از برائے سر زرہ از بہر تن بود ، تو جنگجوے عادت دیگر نہادۂ

در بر گرفتہ دل چون خود آہنین ، وان زلف چون زرہ را بر سر نہادۂ

حزین

محو سبک عنان مژہ کافرت شوم ، رنگین نشد بخون دو عالم سنان تو

ان خیالات نے رفتہ رفتہ یہ وسعت حاصل کی کہ غزل کا بڑا حصہ سامان جنگ اور قتل اور خون کے لوازمات ہین،

قاتل من چشم می بندد دم بسمل مرا ، تا بماند حسرت دیدار او در دل مرا

زخون خویش بران قطرہ می برم غیرت ، کہ گاہ قتل بدامان قاتل افتادہ است

چگونہ جان بسلامت برم زسفاکے ، کہ بر درش ملک الموت بسمل افتادست

تا قیامت دگر آن کشتہ نگیرد آرام ، کہ دلش زخم دگر خواہد و قاتل برود

یک ناوک کاری زکمان تو نخوردم ، ہر زخم تو محتاج بزخم دگرم کرد

بر غم غیر چنان گشتہ مہربان با من ، کہ حرف قتل من آورد درمیان با من

خون ترا چہ قدر نظیری بہوش باش | این بس کہ دعوی از طرف قاتل تو نیست

سنگر نمی شود کہ من او را نہ کشتہ ام | باقر! کسے بہ خیرگی قاتل تو نیست

بہ طفلی دایہ دست او گرفت و زیر لب میگفت | کہ این سر پنجہ از خون کسان رنگین شود روزے

اے خوش آندم کہ من کشتہ بخون می گشتم | او زدہ تکیہ بشمشیر تماشا میکرد

اے بت ار تیر زنی بر جگرم ہر بارے | از جگر بر کشم و بازہ بدست تو دہم

ایشیائی شاعری کے لئے اگرچہ صحت اور واقعیت کی کوئی ضرورت نہین لیکن یہ بدفالی، خالی نہ گئی، بعض بعض شعرا درحقیقت، اپنے معشوقونکے ہاتھ سے مارے گئے، دقیقی کو جسنے شاہنامہ کی بنیاد ڈالی، اسکے معشوق نے قتل کیا تھا، اسیطرح بعض اور شعرا کے متعلق ارباب تذکرہ نے لکھا ہے کہ معشوقونکے ہاتھ سے مارے گئے،

فوجی جذبات کا تنزل اور اسکا اثر

چھٹی صدی مین فوجی جذبات مین تنزل شروع ہوا یہانتک کہ چنگیز خان نے ایران و عراق کو بالکل بے چراغ کر دیا، اس واقعہ نے شاعری پر گوناگون اثر ڈالا، شعرا تو اس سے پہلے بھی یعنی عین جنگی جوش کے زمانے مین، عشقیہ

جذبات سے خالی نہ تھے، اور موقع بہ موقع اسکا اظہار کرتے رہتے تھے، فرخی کا وہ قصیدہ پڑھو جو ابھی ہم اوپر نقل کر آئے ہین اور جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے،

اے ترک! لڑائی کا لباس اب اُتار ڈال ستار ہاتھ مین لے اور تلوار اور ڈہال رکھدے

دشمن شکست کھا چکا اب میدان مین نجا فوج لڑ چکی اب تو بھی دم لے،

لڑائی مین نہ جا تیری زلفین لڑائی کے غبار سے اٹ جاتی ہین،

تو اپنے چمکتے ہوئے چہرہ کو زرہ سے نہ چھپا اس سے تیرے چہرہ کو زنگ لگجاتا ہے

اپنی زلفون سے گرد جھاڑ دے دیکھ کس طرح لوگ اسیر ٹوٹ پڑتے ہین

ملک شاہ سلجوقی نے جب سمرقند فتح کیا تو دربار کے ملک الشعرا معزی نے قصیدہ پیش کیا جسمین فوج کی حملہ آوری اور معرکہ آرائی کا حال لکھا، اس مین جہان سپاہیون کی تصویر کھینچی ہے اسطرح کھینچی ہے،

ہمہ کمان کش و رزم آزمای و تیر انداز ہمہ مبارز و آہن گداز و جوشن در

یکے بساعد سیمین درون فگندہ کمان یکے بہ سنبل مشکین درون کشیدہ سپر

یکے شگوفہ و سوسن گرفتہ در جوشن یکے بنفشہ و عنبر نہفتہ در مغفر

سلطان محمود غزنوی کا بیٹا محمد شکار کھیلنے گیا، فرخی بھی ساتھ تھا، محمد نے بہت سے ہرن شکار کئے، فرخی نے ایک ہرن کی آنکھین اور اُسکے خمدار سینگ دیکھے تو معشوق کی آنکھین اور زلفین یاد آئین، وہین بیٹھ گیا، اور خوب رویا، کسی نے محمد سے یہ واقعہ بیان کیا اسنے ایک نہایت خوبصورت ہرن، زندہ اُسکے پاس بھیجدیا، چنانچہ فرخی نے

قصیدۂ مدحیہ مین تمام حالات لکھے، ممکن ہے کہ یہ سب شاعری ہو، اصلیت کچھ نہو، لیکن اس سے خیالات کی رفتار کا اندازہ ہو سکتا ہے،

مرا ز چشم و سیہ زلف یار، یاد آمد | فرو نشستم و دیگر یستم بزاری زار

یکی بگفت ملک را کہ فرخی بگریست | بصیدگاہ تو بر چشم آہوے بسیار

ملک چنانکہ از آزادگی سزید، گزید | ز آہوے چو نگارے ز بتکدہ فرخار

دراز گردن و کوتاہ پشت و گرد سرین | سیاہ شاخ و سیہ دیدہ و نکو دیدار

بمن فرستاد آن را و معنی آن بود ای دوست | کہ شادمان شو و اندوہ و دل برین بگمار

سلاطین بھی اس مشغلہ سے خالی نہ تھے، سلطان محمود کو ایاز سے جو شیفتگی تھی شہرت عام رکھتی تھی، یہانتک کہ شعراء قصائد مین اسکا ذکر کرتے تھے، سلجوقیون مین سلطان سنجر بڑی عظمت و جبروت کا بادشاہ تھا، عماد الدین اصفہانی نے تاریخ سلجوقیہ مین اسکی نسبت ایک عنوان قائم کیا ہے جسمین لکھتا ہے[1]،

کان من عادۃ سنجر ان یشتری غلاما یختارہ ثم

سلطان سنجر کی عادت تھی کہ جو غلام پسند آتا تھا اسکو خرید تا تھا،

یتعشقہ و یتشخص بحبہ و یشتہر بقربہ و یبذل مالہ و روحہ الخ

پھر اُس سے عشق کرتا تھا اور اسکی عام شہرت ہوتی تھی اور جان و مال اسپر صرف کرتا تھا

(مورخ مذکور نے ان غلامون کے نام اور عشقیہ حالات بھی لکھے ہین لیکن اسکی تفصیل

---

[1] تاریخ سلجوقیہ مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۷۱

کی ضرورت نہین)

تاہم اس زمانہ تک چونکہ فوجی قوت باقی تھی اسلئے ان باتون کا اثر عام نہین ہوا تھا، بالکل اسطرح جسطرح آج یورپ ہر قسم کی عیش پرستی اور سیخواری مین مبتلا ہے تاہم وہی شخص جو رات کو ہال مین لیڈیز کے ساتھ ناچتا ہی، دن کو اسطرح مردانہ اشغال مین مصروف رہتا ہی کہ گویا نغمہ وسرود سے گوش آشنا بھی نہین، لیکن جب تاتاریون نے فوجی طاقت کا استیصال کر دیا تو عشقیہ جذبات کے سوا، اور کچھ نرہا، اب یہ حالت ہوگئی کہ در و دیوار سے یہی صدا آنے لگی، مولانا جامی، کبار صوفیہ مین ہین تحفۃ الاحرار خاص تصوف مین لکھی ہے اسمین سترہوان باب حسن و جمال کی تعریف کا باندھا ہے، اگر عام حسن کی تعریف ہوتی تو مضائقہ نہ تھا حسن ایک ذرہ ذرہ مین پایا جاسکتا ہے لیکن مولانا ممدوح نے خاص نوخطونکی مدح مین گویا قصیدہ لکھا ہی، تمہید اس شعر سے شروع کرتے ہین،

نقش سراپردۂ شاہی ست حسن	لمعہ خورشید الٰہی ست حسن
حسن کہ در پردۂ آب و گل ست	تازہ کن عہد قدیم دل ست

پھر نوخطون کو مخاطب کرکے فرماتے ہین،

قد تو سروے ست بہشتی چمن	روے تو شمعی ست بہر انجمن
خضر خطت خرقہ کبود آمدہ	برلب آن چشمہ فرود آمدہ

ایک ایک عضو کی تعریف کرکے کہتے ہین،

جلوۂ حسن تو در افزودنی است	آئینہ چولی دبچولی است

قبلۂ ہر دیدہ دریں آئینہ است
منظر اہل نظر این آئینہ است

لطف یہ ہے کہ ان سب باتون کے بعد فرماتے ہین،

چہرہ پنہان دار کہ آلودگان
جز رہ بیہودہ نہ پیمودگان

چون بہ جمال تو نظر وا کنند
آرزوے خویش تمنا کنند

ایک طرف تو فرماتے ہین، کہ تیرا چہرہ، نور الہیٰ کا آئینہ ہے، دوسری طرف یہ بھی کہتے ہین کہ اپنا چہرہ چھپائے رہو ورنہ خطرات پیش آئین گے، لیکن کیا عورتون سے گذر کر مردون مین بھی پردہ رائج کیا جا سکتا ہے، حقیقت یہ ہو کہ اس بیہودہ شاہد پرستی نے تمام ملک کو برباد کر دیا، جب اکابر صوفیہ، اس قسم کی حسن پرستی کی تعلیم دین اور فرمائین کہ عشق مجازی عشق حقیقی کا زینہ ہو تو ملک کے ملک کا بلائے عام مین مبتلا ہونا یقینی تہا اور ہوا،

بہر حال اس واقعہ کے نتائج نیک و بد جو ہوے حسب ذیل ہین،

(۱) رزمیہ شاعری گویا فنا ہو گئی، ساتوین صدی سے آجتک ہزارون جنگی معرکے ہوے اور بادشاہان وقت کے بہت سے شاہنامے لکھے گئے لیکن وہ صرف ان بادشاہونکی فرمائش تھی، ملک مین مطلق انکو رواج نہوا، آج انکا نام و نشان بھی عام لوگون کو معلوم نہین، اسکی وجہ یہی تھی کہ جنگی جذبات فنا ہو چکے تھے اور لوگونکے دلون پر ان خیالات کا کچھ اثر نہین ہوتا تھا،

(۲) رزم بھی کہتے تھے، تو رنگین الفاظ اور استعارات مین کہتے تھے، قدسی، کلیم، قاسم گونابادی، علی قاسم سلیم، سبنے چھوٹی بڑی رزمیہ مثنویان لکھی ہین انکا یہ انداز ہو،

قاسم گونابادی

زرزین کلاهان آہن قبا | شد آن رزمگہ جام گیتی نما
تبرزین آہن، سپرہائے زر | ہلالے بدست آفتابے بسر
نہان در زرہ شاہ فرخندہ فر | چو در حلقۂ دیدہ نور بصر

قدسی،

سر انگشت آہن تنان بے ہراس | چو مقراض مائل بقطع لباس
دو دیدے دران بزم پر شور و شر | یلان را چو شمع آتش کین بسر

کلیم،

زبس باد شمشیر او تند بود | بسے کشتی عمرہا شد فرو
زبس باد شمشیر او تند بود | حباب سرازدو شہامی ربود
بہم تیغ و زخم اندپیوستہ یار | لب تشنہ را بالب جوست کار
زرہ را بہ تن دوخت خیاط تیر | بجسپانے موج بر آب گیر

زلالی خوانساری فرماتے ہین،

چنان دست یلان ناوک فشاندی | کہ چشم زخم بے مژگان نماندے

یعنی پہلوان جو تیر برساتے تھے، تو وہ زخم کی آنکھونکی پلکین بن جاتے تھے،

یہ رنگ اسقدر غالب آگیا تھا کہ مکان سجاتے تھے تو اسکے محراب و در مین
معشوقون کے ابرو بنتے تھے زلالی سلیمان نامہ مین جو سکندر نامہ کے جواب مین لکھی

گئی ہے مکان کی آرائش یون کرتے ہین، ؎

ہمہ طاق بندی ابروشدہ

طاق کے بجائے معشوقون کے ابرو جڑ دیئے گئے تھے،

(۳) قصائد مین ممدوح کی معرکہ آرائی، لشکرکشی، سپہ سالاری، قلعہ کشائی، تیغ بازی، قدر اندازی کا جو ذکر کرتے تھے متروک ہوگیا، قصیدہ مین ایک آدھ جگہ شجاعت کا ذکر آجاتا ہے، لیکن واقعیت کی حیثیت سے نہین بلکہ صرف اس غرض سے کہ مبالغہ کی وسعت کے لئے ایک اور موقع ہاتھ آگیا ہے، مثلاً

اگر بہ صحن چمن فی المثل شجاعت او دہد نہیب کہ ہین یاسمین! دہان نرگس

چو عکس لالہ زند یاسمین در آب آتش چو شاخ بید کشد خنجر از میان نرگس

(۴) ملکی حالت کے بدلنے نے ملک کی زبان بدل دی یہ ایک دقیق راز ہے کہ ملک کی جو مادی حالت ہوتی ہے زبان پر بھی اسکا اثر پڑتا ہے، جس ملک مین زیادہ تر لڑائیان برپا رہتی ہون ہر وقت جنگ و جدل کا چرچا رہتا ہو، آنکھین کھولنے کے ساتھ بچونکی نظر تیغ و خنجر پر پڑتی ہو، وہان کی زبان بھی اسی قسم کی بنجاتی ہے، لفظون مین سنگینی و وقار اور عظمت ہوتی ہے، فقرون مین جوش ہوتا ہے، طرز ادا مین متانت پائی جاتی ہے اسکا اثر قصیدہ اور مثنوی پر پڑا یعنی ان دونون صنفون مین تنزل آگیا، قصیدہ کیلئے الفاظ کا شان و شکوہ، ترکیبون کی چستی، طرز ادا کا وقار لازمی چیز ہے، متاخرین کی زبان چونکہ غزل کی زبان بنگئی، اسلئے قصیدہ کی وہ شان قائم نہ رہی، مثنوی پر بھی یہی اثر پڑا،

اسی کا نتیجہ یہ ہو کہ آٹھوین صدی سے اسوقت تک سیکڑون ہزارون مثنویان لکھی گئین لیکن ایک مثنوی بھی نمایان نہوئی، جو مثنویان اس عہد مین مشہور ہوئین وہ عشقیہ مثنویان تھین اور انمین اسی قسم کی زبان برتی گئی ہے،

(۵) تشبیہات اور استعارات بدلگئے، مثلاً پہلے زلف کو کمند اور چوگان سے تشبیہ دیتے تھے اب سنبل، تار نظر، دام، خوشۂ انگور، رشتۂ عمر، کفر وغیرہ سے تشبیہ دینے لگے،

معزی

گرفتہ زلف گرہگیر درمیان دولب　　چو خوشۂ عنب اندر میانۂ عناب

قاآنی

دو زلف تابدار او بہ چشم اشکبار من　　چو چشمہ کہ اندر وشنا کنند مارہا

گفتن دعای زلف تو تحصیل حاصلست　　با خضر کس نگفت کہ عمرت دراز باد

سلمان

بعد ازین از گرہ زلف بتان کس تسبیح　　بعد ازین از خم ابروی مغان، کس محراب

خسرو

بگفتمش کہ بجور شید چون توان رفتن　　کشود کاکل خود را کہ نردبان اینست

شیدا

فسونگر داند آن خاکے کہ از وی بوے مار آید　　شناسم بوے زلفت را اگر در مشک تر پیچی

ابرو کو[1] پہلے کمان، تلوار، چوگان وغیرہ سے تشبیہ دیتے تھے، اب ماہ نو، قوس قزح طاق، محراب، طغرا وغیرہ سے تشبیہ دینے لگے،

در فراق تو نہادم دین و دل ۔۔۔ ہر دو بر طاق خم ابروے تو

بعد ازین از خم ابروے بتان کن محراب

طغراے ابروے تو بامضاے نیکوی ۔۔۔ برہان قاطع ست کہ آن خط مزورست

آنکھون کو پہلے قاتل اور سفاک کہتے تھے اب جام شیشہ، نرگس، بادام وغیرہ کہتے ہین

چشم چون پر عشوہ کرد اول بسوے خویش دید ۔۔۔ پارۂ خود خورد، ساقی، ساغر لبریز را

سرشار بود بسکہ ز مے چشم مست یار ۔۔۔ مژگان بہر دو دست گرفت این پیالہ را

ہر کس کہ بدید چشم او گفت ۔۔۔ کو محتسبے کہ مست گیرد

گردش چشم تو ہم مست ست و ہم پیمانہ ایست ۔۔۔ چشم گویاے تو ہم خوابست و ہم افسانہ ایست

ضبط نگہ مکن کہ بچشم تو دادہ اند ۔۔۔ بیماریی کہ نیست بہ پرہیزش احتیاج

شکر چشم تو کند محتسب شہر کزو ۔۔۔ ہر کجا میکدہ، مست خراب افتادہ ہست

(۶) یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک مین تمدن کا جوش شباب ہوتا ہے تو ہر قسم کی قوتین نہایت زور و شور سے اُبھرتی ہین، فرانس مین آج جہان ہر قسم کے علم و فن کا عروج ہے، سیہ کاری اور عیاشی کا بھی یہ زور ہے کہ بیان کے قابل نہین، پانچوین اور چھٹی صدی ہجری فارسی شاعری کا عہد شباب ہے، اس زمانہ مین اور ہر قسم کی

---

[1] یہ تشبیہین پہلے بھی خال خال تھین، لیکن اب عام ہو گئین،

شاعری کے ساتھ ہجو اور ہزل گوئی نے بھی ظہور کیا چنانچہ سوزنی انوری وغیرہ کی ہجوین اجتک مشہور ہین، بد قسمتی یہ کہ ساتوین صدی کے آغاز ہی مین اسلامی طاقت گویا برباد ہوگئی، اور اسوجہ سے قوم کا اخلاقی شیرازہ بالکل بکھر گیا، اسنے یہ اثر پیدا کیا کہ ملک کے ملک کی زبان پر فحش اور بدتہذیبی چھاگئی، شیخ سعدی اس زمانہ کے اخلاقی رفارمر ہین لیکن گلستان کے باب پنجم مین خود ایسی حکایتین لکھی ہین جو آج کسی مہذب آدمی کی زبان سے ادا نہین ہو سکتین، مولانا روم کی مثنوی، ع

ہست قرآن درزبان پہلوی

لیکن کنیزک اور خاتون کا قصہ جعفر زٹل کے نامۂ اعمال مین داخل کرنے کی چیز ہے سلمان ساوجی جیسا مہذب شاعر فحش گوئی سے خالی نہین جامی نے یوسف زلیخا کے ہفتم خانہ مین اخیر موقع پر جو کچھ لکھا ہے، کون مہذب آدمی اسکو گوارا کر سکتا ہے یہ لوگ خود نہایت مہذب اور پاک باطن لوگ تھے، لیکن سوسائٹی کے اثر سے زبان ایسی خراب ہوگئی تھی کہ اس قسم کے الفاظ عام زبانون پر چڑھ گئے تھے، اور لوگونکو ناگوار نہین معلوم ہوتے تھے قریباً تین سو برس تک یہ حالت رہی، جب سلاطین صفویہ کی حکومت قائم ہوئی اور تہذیب شائستگی نے دوبارہ ترقی کی تب جاکر یہ عیب دور ہوا"

اس موقع پر یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہو کہ ہندوستان کی شاعری اس داغ سے پاک رہی ہندوستانین شاعری کی ابتدا اگو یا مسعود سعد سلمان سے ہوئی پھر خسرو اور حسن دہلوی ہوئے، اُنکے بعد تیموریہ کا دور ہوا ہزارون شعراء ایران سے آکر

دربار مین باریاب ہوئے اور یہین رہ گئے، اس گروہ مین کسی کی زبان ہجو اور فحش سے آلودہ نہین ہوئی عرفی غصہ سے بے قابو ہوجاتا ہی تاہم اس سے آگے نہین بڑہتا،

بامن از جہل معارض شدہ نامنفعلے ... کہ گرش ہجو کنم او بود ش مدح عظیم

ایک شخص نے عرفی کو بد جلین کہا تہا، اسکے جواب مین ایک قطعہ لکھا ہی جسکا پہلا شعر یہ ہے،

تہمت فسق ببن کردیکے دور اندیش ... کایزد از صورت او معنی آدم برداشت

لطف یہ ہی کہ ایران کے شعرا جب تک ایران مین رہتے تھے فحش و ہجو گوئی سے دریغ نہین کرتے تھے، لیکن ہندوستان مین آکر انکی زبان مہذب ہوجاتی تھی، وحشی یزدی جب تک ہندوستان مین رہا ہجو سے الگ رہا، ایران پہنچا تو پھر وہی بے نقط بولنے لگا، حکیم شفائی اس رتبہ کا شخص تہا کہ شاہ عباس صفوی نے اسکی تعظیم کیلئے عین جلوس سواری کیوقت گھوڑے سے اترنا چاہا، لیکن انکی ہجوین پڑھو تو جعفر اور چرکین کا دہوکہ ہوتا ہے، ہندوستان کے شعرا مین سب سے زیادہ زباندراز اور ہجو گو شیدا اور ملا شیری ہین لیکن انکی ہجوین ظرافت کی حد سے نہین بڑھین، مثلاً شیدا طالب آملی کی ہجو مین کہتا ہے،

شب و روز مخدوما طالب ... پے جیفۂ دنیوی در تگ ست

مگر قول پیغمبرش یاد نیست ... کہ دنیا ست مردار و طالب سگ ست

شیری نے اکبر بادشاہ کی ہجو مین کہا،

شاہ ما امسال دعوای نبوت کردہ است گر خدا خواہد پس از سالے، خدا خواہد شدن

اختلاف معاشرت کا اثر

شہر اور دیہات کی معاشرت اور حالت بالکل جدا ہی، دیہات مین ہر طرف قدرت کے اصلی مناظر نظر آتے ہین جنپر انسانی ہاتھ نے دست تصرف دراز نہین کیا ہے، دیہات کی زندگی بالکل سادہ اور بے تکلف ہوتی ہی، ان واقعات کا اثر شاعری پر اسقدر تو نہین ہوا جسقدر ہونا چاہیے تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ دیہات کے شعرا قدر دانی کی تلاش مین شہرون مین جارہے تھے اور شہری بنجاتے تھے، تاہم تدقیق اور تفحص سے دونون معاشرتونکے اثر کا فرق صاف نظر آتا ہے،

فردوسی کے کلام مین جو سادگی بے تکلفی، اور دلیرانہ انداز ہے، اسی زندگی کا اثر ہے، غور کرو فردوسی سلطان محمود کے دربار مین پہونچتا ہی الوان نعمت اور تکلفات کی جنت آباد مین بسر کرتا ہی لیکن جب بہار کی یاد آتی ہے تو کہتا ہے،

کنون خورد باید مے خوشگوار کہ مے بوے مشک آید از جویبار

ہوا پر خروش و زمین پر زجوش خنک آنکہ دل شاد دارد بنوش

درم دارد و نقل و نان و نبید سر گوسفندے تواند برید

غور کرو، شاہانہ الوان نعمت کے ہوتے ہوئے اسکو رشک آتا ہی تو اُس شخص پر آتا ہی جو ایک بکرا ذبح کرسکتا ہو، حالانکہ شہر کے تکلفات اور اسراف کے مقابلہ مین ایک بکری کی بساط کیا ہے،

عبد الواسع جبلی کے حال مین آتشکدہ وغیرہ مین لکھا ہے کہ سلطان سنجر جب

گرجستان گیا تو دیکھا کہ جنگل مین ایک شخص اونٹ چرا رہا ہی سامنے پنبہ زار ہی اونٹ نے اسطرف گردن بڑہائی تو اس شخص نے انکو روکا اور یہ موزون فقرے اسکی زبان سے نکلے،

اشتر صراحی گردنا | دانم چہ خواہی کردنا
گردن درازی میکنی | پنبہ بخواہی خوردنا

سنجر جوہر قابل سمجھ کر ساتھ لایا چند روز کے بعد یہی شخص عبد الواسع جبلی بن گیا،

عبد الواسع اگرچہ دربار مین پہونچکر اور شعرا کے قالب مین ڈھل گیا، تاہم اسکے کلام مین ہمیشہ ایک خاص قسم کی سادگی اور خودداری قائم رہی اسکے معاصرین انوری اور سوزنی وغیرہ ہجو کو فخر سمجھتے ہین، لیکن وہ فخریہ کہتا ہی،

این فخر بس مرا کہ ندیدہ ست ہیچ کس | در شعر من مذمت و در نظم من ہجا
ہرگز ندیدہ و نشنودہ ست کس ز من | کردار ناستودہ و گفتار ناسزا

یہ فرق مختلف ممالک کے اختلاف حالت کے لحاظ سے بھی محسوس ہوتا ہی فارسی شاعری فارس اور ایران کے سوا، ان ممالک مین بھی پہیلی جہان کی اصلی زبان فارسی نہ تھی، مثلاً غزنین، سیستان، بلخ، سمرقند، وغیرہ وغیرہ، ان ممالک مین بڑے بڑے نامور شعرا پیدا ہوے، مثلاً فرخی سیستانی، حکیم سنائی غزنوی، حسن غزنوی، معزی سمرقندی، عنصری بلخی، رشید الدین وطواط بلخی، ان ممالک کے شعرا اور شیراز و اصفہان کے شعرا کے کلام مین صاف فرق نظر آتا ہی، غزنین اور بلخ وغیرہ مین افغانون اور ترکون کی آبادی تھی، جو بالطبع جنگجو قومین تھین اور جہان کی معاشرت کسی زمانہ مین،

تکلف اور نفاست کی حد تک نہین پونہچی، برخلاف اسکے اصفہان، شیراز، یزد وغیرہ، کی آب وہوا مین لطافت اور نزاکت تھی، وہان کے رہنے والے نازک اندام اور لطیف المزاج ہوتے تھے معاشرت کے لحاظ سے یہ شہر گویا اُس زمانہ کے پیرس یا لکھنؤ تھے، یہ اختلاف اثر دونون ممالک کی شاعری مین صاف محسوس ہوتا ہے، غزنین اور سمرقند وغیرہ کے شعرا، پختہ گو اور سادہ گو ہین، بخلاف اسکے شیراز وغیرہ کے شعرا کا کلام لطافت اور نزاکت سے گویا عروس رعنا ہی، اس اختلاف حالت کو قومی اختلاف کی طرف بھی منسوب کرسکتے ہین، یعنی ترکی اور ایرانی قومون کا اختلاف، یہ ظاہر ہی کہ ترک سادہ وضع سپاہی نش، دل کے سخت طبیعت کے ٹھوس ہوتے ہین، سمرقند وبخارا وغیرہ مین ترکی ہی قومین آباد تھین، اور شعرا عموماً ترک تھے، اسلئے انکا کلام کبھی نزاکت اور تخئیل کی حد تک نہین پہنچا، بخلاف اسکے ایرانی ہمیشہ سے نازک، لطیف، رنگین، طبع ظرافت پسند ہوتے ہین، اسلئے انکے کلام مین نزاکت ولطافت، باریک خیالی، اور نکتہ سنجی کا ہونا ضرور تھا، یہ اثر صرف خیالات پر محدود نہ تھا، بلکہ الفاظ مین یہ فرق صاف نمایان ہی شیراز و اصفہان کی زبان مین جو نفاست، شیرینی، روانی، لطافت، لوچ، پایا جاتا ہی سمرقند و غزنین کو کہان نصیب ہوسکتا ہی البتہ اخیر مین جب ترکی قومین ایران کے صدر مقامات مین آکر آباد ہوگئین، چنانچہ علی قلی میلی، انیسی، حالتی، ذوقی، عرشی کے کلام سے اسکی تصدیق ہوتی ہی یہ سب ترک یا ترکمان ہین لیکن پرورش ایران مین پائی ہے

ہندوستان کی خصوصیت اس موقع پر ایک عجیب نکتہ خیال دلانے کے قابل ہی،

یعنی یہ کہ فارسی شاعری نے ہندوستان مین آکر جو لطافت پیدا کی، ایران مین اسکو نصیب نہین ہوئی، چونکہ بظاہر یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے اسلئے ہم کسی قدر تفصیل سے اس کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہین،

پہلے مادیات سے لو، خوب غور کرکے دیکھو، ہندوستان کی آب وہوا مین یہ خاصیت ہی کہ جو چیز یہان باہر سے آتی ہے چند روز کے بعد اسمین ایسی موزونی اور لطافت آجاتی ہی کہ خود اس کے وطن مین نہ تھی، کشمیری، ترک، ایرانی ہر ایک کے حسن مین کچھ نہ کچھ ناموزونی ہوتی ہی، کشمیریون کی ناک کج ہوتی ہی چہرہ کی ساخت بھی موزون نہین ہوتی، ترکونکے چہرہ پر صاف خشونت اور سختی محسوس ہوتی ہے، ایرانیون مین بھی پورا تناسب اعضا نہین ہوتا، لیکن یہی قومین جب ایک دو پشت ہندوستانمین رہ جاتی ہین تو انکا چہرہ، مہرہ، ہاتھ، پاؤن، ڈیل ڈول، قد وقامت، رنگ روپ، ترش کر اور نکھر کر عجیب جادو نابن جاتا ہے یہی بات ہے کہ یورشین انگریزون سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہین، ایک خالص کشمیری کو ہندوستان کے کشمیریون سے ملاؤ تو یہ فرق صاف نظر آئے گا،

اسی طرح اور چیزونکو لو، ہندوستانی کھانے مثلاً قورمہ، قلیہ، پلاؤ وغیرہ ایران سے آئے ہین لیکن انہی کھانونمین ہندوستانی رکابدارون نے جو مزہ اور رنگ ولو پیدا کیا ایران کو نصیب نہین، کمخواب اور مشجر ایران سے آئے تھے لیکن بنارس کے کمخواب اور مشجر سے انکو کیا نسبت، تاج گنج کی سی ایک عمارت، ایران مین نہین ملسکتی، بعینہ

یہی فرق شاعری مین بھی ہے، ایران کے ان شعرا کو جو ایران سے ہندوستان آئے اور یہان کی آب وہوا اور خیالات سے متاثر ہوئے، اُنکا کلام ان شعرائے ایران سے ملاؤ جو ایران ہی مین رہے، دونون کے کلام مین صاف یہ فرق نظر آئیگا، عرفی، نظیری، طالب آملی، کلیم، قدسی، غزالی کے کلام مین جو لطافت، نزاکت ادا، باریک خیالی اور رنگین ادائی ہے وہ شفائی اور محتشم کاشی مین کہان پائی جا سکتی ہے حالانکہ یہ دونون اسی زمانہ کے شاعر، اور شعرائے ایران کے سرتاج اور دربار شاہی کے انتخاب ہین، اس نکتہ کی زیادہ تفصیل غزل مین آئے گی، جہان ہم غزل گویونکے مدارج اور طبقات کا موازنہ کرینگے،

ایرانیون نے بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ فغانی کے بعد، ایک طرز خاص پیدا ہوا، عبد الباقی رحیمی جو ایرانی ہے اسکو تازہ گوئی سے تعبیر کرتا ہے اور علانیہ تسلیم کرتا ہی کہ اسکا بانی اور رہنما حکیم ابو الفتح گیلانی تہا، حکیم موصوف گو ایرانی تہا لیکن اسکا نشوونما ہندوستان مین ہوا، خان خانان کی نکتہ سنجی بھی تمام شعرا نے تسلیم کی ہی،

ظفر خان کے متعلق صائب نے لکھا۔ ؎

تو جان ز دخلِ بجا مصرعِ مرادادی

اور اس سے زیادہ صاف یہ کہ ؎

ز دقّتِ تو بہ معنی، چنان شدم باریک

ایسے لطافت آفرین عربیان سخن، ایران مین کہان تھے،؟

آب وہوا اور مناظرِ قدرت کا اثر

یہ بدیہی بات ہے کہ ملک کی آب وہوا، سرسبزی، اور شادابی کا اثر خیالات پر پڑتا ہے اور اس ذریعے سے انشاپردازی اور شاعری تک پہنچتا ہے، عرب جاہلیت کا کلام دیکھو تو پہاڑ، صحرا، جنگل، بیابان، دشوار گذار راستے، اٹے ہوئے کھنڈر، ببولون کے جھنڈ، پہاڑی جھاڑیان، یہ چیزین انکی شاعری کا سرمایہ ہین، لیکن یہی عرب جب بغداد مین پہونچے تو انکا کلام چمنستان اور سنبلستان بن گیا، ایران ایک قدرتی چمن زار ہے، ملک پھولون سے بھرا پڑا ہے، قدم قدم پر آب روان، سبزہ زار، آبشارین ہین، بہار آئی اور تمام سرزمین تختۂ زمردین بنگئی، بادِ سحر کے جھونکے، خوشبوؤنکی لپیٹ، سبزہ کی لہک، بلبلون کی چہک، طاؤس کی جھنکار، آبشارون کا شور، وہ سمان ہے جو ایران کے سوا اور کہین نظر نہین آسکتا،

اس حالت کا یہ اثر ہوا کہ ایران کی تمام انشاپردازی پر رنگینی چھاگئی، کسی چیز کی خوبی یا کمال کو بیان کرنا چاہین تو رنگ و بو کے ذریعہ سے کام لینگے، فردوسی جسکی زبان سے پہلوانی اصطلاحات اور الفاظ کے سوا کوئی لفظ نہین نکل سکتا، فوج کی تعریف مین کہتا ہے،

سوئے شہر ایران نہادند روے   سپاہی بدان گونہ با رنگ و بوے

اسی بنا پر رنگین سخنی، رنگین نوائی، رنگین ادائی کے محاورات پیدا ہوئے،

اس لفظ نے بہت سی اصطلاحین پیدا کر دین "رنگ بر دے کار آوردن" کسی کام کو آب وتاب سے کرنا "رنگ ریختن"، "رنگ زدن"، "ورنگ بستن" تعمیر کرنا۔

ع زرنگ چہرۂ ما ریخت رنگ خانہ ما را۔

"رنگ بر آب ریختن"۔ منصوبہ باندھنا۔

ع ساقی ما باز رنگ تازہ بر آب ریخت۔

"رنگ داشتن از چیزے"۔ کسی چیز سے فائدہ اُٹھانا۔

ع سلیم از ما کسی رنگے ندارد۔

رنگ کے استعمالات کو دیکھو۔ رنگ گرفتن۔ رنگ گزاشتن۔ رنگ نہادن۔ رنگ باندن۔ رنگ چیپیدن، رنگ مالیدن، رنگ پوشیدن، رنگ خندیدن، رنگ برخاستن، رنگ شکستن۔ رنگ گسیختن۔ رنگ گرداندن، رنگ جستن، رنگ بردن۔

غرض جس مصدر کو چاہین رنگ کے ساتھ استعمال کر سکتے ہین، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رنگینی کا خیال کسقدر طبیعتون پر چھایا ہوا ہے کہ جو بات زبان سے نکلتی ہے رنگین ہو کر نکلتی ہے، اسی طرح پھولون کی افراط نے گل کے لفظ کو اسقدر عام کیا کہ کوئی چیز گل سے خالی نہین، چراغ مین گل، آنکھ مین گل۔ شراب مین گل، پیکان مین گل، صبح کا گل، چاند کا گل۔

فیضے عجب درین گل صبح از صبا رسید	بیرون کشیم رخت کہ دورت صفا رسید
صاف دل را نبود زنگ زوال	گل مہتاب نمی گردد خشک

صاف دل آدمی کو زوال کا زنگ نہین لگتا، چاند کا پھول خشک نہین ہوتا.

خوش آن مستی کہ از رخسار زیبایت نقاب افتد

بجاے پردہ بر روے تو گلہاے شراب افتد

دو چار قدم ٹہلنا ہو تو گلگشت کہین گے، گویا ہر قدم پر پھول بچھے ہوے ہین کہ جو قدم پڑتا ہی پھولون پر پڑتا ہی، زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا ہو تو گل زمین کہین گے۔

یک دل ہزار زخم نمایان نہ داشتہ است   یک گل زمین ہزار خیابان نہ داشتہ است

کسی چیز کے ظاہر ہونے یا راز کے فاش ہونے کو گل کہتے ہین۔ ع

عاقبت راز بلبلان گل کرد

فساد کرنیکو "گل در آب کردن" کہتے ہین، ع

بادہ نوشان گل در آب و ماکتاب انداختم

جب کسی موقع پر کوئی شخص کوئی عمدہ بات کہتا ہے تو سب بول اُٹھتے ہین کہ گل گفتی، یعنی خوب گفتی۔ پہلوان جب حریف سے کشتی کا پیغام دیتے ہین تو پھول بھیجتے ہین

درین بہار نشد کس حریف فریادم   بہ بلبلان چمن ہم گلے فرستادم

چھوٹے جال کو گلدام کہتے ہین،

ان باتون سے ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ ملک مین لالہ و گل کی کسقدر بہتات ہے کہ بات بات مین پھول جھڑتے ہین، اسی طرح ملک کے سبزہ زار ہونے نے سیکڑون محاورے پیدا کیے، سبز پیشانی، سبز چہرہ، سبز پوش، سبز کردن، سبز شدن، سبز شدن آفتاب،

سبز شدن بخت، سبز شدن اختر، سبز کردن حرف۔

اے خوش آن روز کہ آن سیب ذقن سبز شود — ہر چہ می گفتمت اے عہد شکن سبز بود

وہ دن کیا اچھا ہوگا کہ تیرا سیب ذقن سبز ہو جائے گا، اور جو بات مین کہتا تہا سرسبز ہوگی

آسمان جز از رہ افتادگی — سبز نتواند شدن در کوی یار

آسمان تیری گلی مین — صرف خاکساری سے سرسبز ہو سکتا ہے

آنقدر مایہ نماندہ است ز چشم تر ما — کز نم گریۂ ما سبز شود اختر ما

ہماری آنکھ مین اتنی پونجی بھی نہین رہی کہ ہمارے آنسوون کی نمی سے ہمارا نصیبہ سرسبز ہو۔

شاعری پر اسکا یہ اثر ہوا کہ:

(۱) ہر قسم کے تشبیہات، استعارات، مجازات۔ محاورات مین باغ اور بہار کے لوازمات داخل ہو گئے۔

(۲) عرب کا انداز یہ تہا کہ قصائد کی ابتدا تشبیب (عشقیہ شاعری) سے کرتے تھے، لیکن ایران مین قصائد کے مطلع اکثر بہاریہ ہوتے ہین۔ ہم مثال کے لئے صرف چند مطلع نقل کر دیتے ہین۔

ابو الفرج رونی۔

نوروز جوان کرد بدل پیر و جوان کرد — ایام جوانی است زمین را و زمان را

نوروز نے، بوڑہے اور جوان کے دل، جوان کر دیے، آج زمین اور زمانہ کی جوانی کا دن ہے ارزانی۔

بار دیگر بر ستاک گلبن بے برگ و بار　　افسر زرین بر آرد ابر مروارید بار

پھول کی خشک ٹہنی کو موتی برسانے والے بادل نے پھر تاج زرین پہنا دیا۔

انوری۔

روز عیش و طرب ببستان است　　روز بازار گل و ریحان است

باغ کے عیش و طرب کا دن ہے　　گل و ریحان کی آج گرم بازاری ہے

ظہیر فاریابی۔

سپیده دم که زند ابر خیمه در گلزار　　گل از سراچهٔ خلوت، رود به صفهٔ بار

صبح کے وقت، جب بادل، باغ مین خیمہ لگاتا ہو تو پھول خلوتگاہ سے نکلکر دربار مین آتا ہے

فرخی۔

بر آمد نیلگون ابرے ز روے نیلگون دریا　　چو راے عاشقان، گردان، چو طبع بیدلان شیدا

نیلگون بادل، نیلگون دریا سے اٹھا۔ عاشقون کے خیال کیطرح رنگ بدلتا ہوا، اور بیدلونکی طبیعت کیطرح شیدا

فرخی

ببارید و ز ہم بگسست و گردان گشت بر گردون　　چو پیلان پراگنده میان آبگون صحرا،

برسا اور پھٹ گیا، اور آسمان پر چکر لگانے لگا جسطرح صحرا مین ہاتی چھوٹے پھرتے ہین

قطران۔

ز بوے باد نوروزی جوان گشت این جہان از سر　　بنفشه زلف و نرگس چشم و لاله روے و نسرین بر

نوروز کی ہوا سے، دنیا پھر جوان ہوگئی، بنفشہ اسکی زلف ہو، نرگس آنکھ ہو، لالہ چہرہ ہو، چنبیلی سینہ ہے

مسعود سعد سلمان۔

سپاہ ابر نیسانی بہ صحرا رفت از دریا   نثار لولوے لالا بہ صحرا بُرد از دریا

ابر نیسان کی فوج دریا سے نکلکر صحرا مین آئی، اور چمکتے ہوے موتی نثار کرنیکیلیے لائی

منوچہری

ابر آذاری بر آمد از کنار کوہسار   باد فروردین بجنبید از میان مرغزار

پہاڑ کے کونے سے بادل اُٹھا   سبزہ زار سے ہوا چلی

ابر پنداری فوج اندر ہوا ہا تاختستے   آب پنداری موج موج اندر میان جویبار

بادل، دل کے دل ہوا مین دوڑتے پھرتے ہین پانی نہر مین موج در موج بہ رہا ہے

ابر دیبا دوز، دیبا دوز شد اندر بوستان   باد عنبر سوز، عنبر سوز شد اندر لالہ زار

بادل باغ مین کمخواب کے کپڑے طیار کر رہا ہے   ہوا لالہ زار مین، اگر جلا رہی ہے

سعدی۔

بامدادان کہ تفاوت نہ کند لیل و نہار   خوش بود دامن صحرا و تماشای بہار

اُس صبحکو جب رات اور دن، دونون برابر ہوجاتے ہین، دامن صحرا، اور بہار کا تماشا، لطف دیتا ہے

(۳) اسی کا اثر ہے کہ معشوق کا سراپا تمام چمن زار ہے، قد سرو ہے، بال سنبل ہین، چہرہ پھول ہے، آنکھین نرگس ہین، دہن غنچہ ہے، خط سبزہ ہے، دانت شبنم ہین، ذقن سیب ہے، سینہ تختہ سوسن ہے، کمر رگ گل ہے۔

نکتہ۔ آنکھ کی تشبیہ نرگس سے عام ہے لیکن نرگس کو دیکھا تو اسکا پھول ایک گول سی

کٹوری ہوتی ہے، جسکو آنکھ سے مناسبت نہین۔ تفحص سے معلوم ہوا کہ ابتدائے شاعری مین ترک معشوق تھے، انکی آنکھین چھوٹی اور گول ہوتی ہین، اسی بنا پر قدما آنکھونکے چھوٹے ہونے کی تعریف کرتے ہین، ع

بت تنگ چشم اندر آغوش تنگ

اسی بنا پر کرنجی آنکھون کی بھی تعریف تھی - ع

نرگس نیلوفری، مژگان زرین رابہبین

ع — حذر کنید ز چشمی کہ آسمان گون است

ترک بچون کے بعد جب مغبچے اور ایرانی معشوق بنے تو بادام، آہو وغیرہ تشبیہین پیدا ہوئین لیکن نرگس بھی پرانی یادگار کے طور پر رہگئی،

(۴) ہر زبان مین انسان کے علاوہ بے جان چیزونکو بھی عاشق اور معشوق باندھتے ہین اور اس سے گوناگون مضامین کا ایک سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے، ہندی زبان مین سرخاب کے جوڑے کا عشق ضرب المثل ہی، یا بھونرا کہ نیلوفر پر عاشق ہی، ایرانیون نے پرندون مین سے بلبل و گل اور قمری اور سرو کو انتخاب کیا۔

قمری رخیت بالم بہ پناہ کہ دم — تا کجا سرکشی اے سرو خرامان از من

یہ بھی وہی سرزمین کا اثر ہے،

(۵) معشوق کے پاس سلام و پیام بھیجنے کے لئے ہر زبان مین اصلی قاصد کے سوا فرضی قاصد ہوتے ہین، مثلاً ہندی زبان مین یہ خدمت کوّے سے متعلق ہی، فارسی مین

یہ کام کبوتر کے سوا باد نسیم سے بھی لیتے ہین، یہ وہی ملک کی آب وہوا کا اثر ہے،

صبا بہ لطف بگو آن غزال رعنا را　　　که سر بکوه و بیابان تو دادۀ مارا

اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی　　　خدمت ما برسان سرو و گل و ریحان را

حسن کا اثر　ایران کی شاعری مین عشقیہ شاعری، تمام اصناف سخن پر غالب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک حسن سے لبریز ہو، ایرانی خود حسین تھے ساسانیون کے زمانہ مین ترکی خون کی آمیزش ہوئی، غلامی کے رواج نے دور دور ممالک کی نسلین ایران مین لاکر جمع کردین، انکے اختلاط سے شراب حسن، دوآتشہ، سہ آتشہ بن گئی، ہر ملک مین کوئی خاص رنگ پسند کیا جاتا ہے لیکن ایران چونکہ تمام حسینون کا مجموعہ تھا اسلئے ہر رنگ مقبول ہے، اور ہر ایک کے الگ الگ نام ہین، حسن گندم گون، حسن سبز، حسن لیمون، حسن مہتابی، حسن صندلی، حسن شمسہ، حسن نیم رنگ، حسن رنگ، حسن برشتہ حسن تنک

معز نطرت

که مور خط التصرف کرد حسن گندمینش را

اشرف　حسن لیموئی آن آئینہ رو ہم بد نیست

صائب۔

ماہ ہر چند خوش آیندہ نباشد در رنگ　　　حسن مہتابی دلدار تماشا دارد

چاند۔ گودن کو خوشنما نہین معلوم ہوتا۔ لیکن معشوق کا مہتابی حسن، دیکھنے کے قابل ہے

سالک۔

این حسنِ شستہ کہ تو داری مداشت صبح ہر چند گرد چہرہ او آفتاب شست

تیرا جیسا دُھلا ہوا حسن، صبح کو کہان نصیب گو اسکے چہرہ کی گرد آفتاب نے دھوئی ہے

فطرت۔ ۶

گلستان لالہ زارے گشت از حسن فرنگ او

حسن کی عالمگیری نے تمام ملک مین عشق کی آگ لگادی، اور ذرہ ذرہ عشق سے مشتعل ہوگیا، انسان پر موقوف نہین تمام کائنات عاشق اور معشوق ہے ہندوستان عرب اور دیگر ممالک مین ایک آدھ چیز کو عاشق مانتے ہین، ایران کی تعمیم دیکھو ذرہ و آفتاب، کاہ و کہربا، کبک و آتش، سرو و قمری، گل و بلبل، پروانہ و شمع، نیلوفر و آفتاب ماہ و کتان،

یہ وہی جذبۂ محبت کا تخیل ہے کہ خود عاشق ہین تو تمام عالم عشق زار نظر آتا ہے اس حالت مین عشقیہ شاعری کو جو وسعت ہوئی لازمی اور ضروری تھی، اسپر مزید یہ کہ اور تمام ممالک مین مرد و عورت عاشق و معشوق ہوتے ہین، اور چونکہ ان دونون مین پردہ کیوجہ سے ہمہ وقت اختلاط ممکن نہین، اس لئے عشقیہ جذبات ہر وقت تحریک مین نہین آسکتے۔ لیکن ایران مین امارد اور نوخط معشوق تھے، جن سے ہر وقت کا ملنا جلنا رہتا تھا، اسلئے ملک کا ملک پاگل ہوگیا، دیندار بزرگون سے توقع

ہوسکتی تھی کہ انکا دامن اس آگ سے محفوظ رہیگا، لیکن وہان عشق مجازی کی قدردانی نے یہ حکم دیا۔

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است ۔۔۔ کہ آن بہر حقیقت کارسازی است

نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہون مین اس جنس کی اور زیادہ مانگ ہوئی اور سعدی کو کہنا پڑا۔

محتسب در قفاے رندان است ۔۔۔ غافل از صوفیان شاہد باز

محتسب، رندون کی تلاش میں پھرتا ہے، اور شاہد باز صوفیون کے حال کی اسکو خبر بھی نہین۔

یہ بُرا ہوا، یا اچھا، اس سے غرض نہین، مقصود یہ ہے کہ ایران مین عشقیہ شاعری اور غزل گوئی کو جو یہ ترقی ہوئی اُسکے یہ ناگزیر اسباب تھے۔

باب سوم

فارسی شاعری پر اجمالی ریویو

فارسی شاعری کے محاسن و مثالب سے بحث کرنے کے لئے عرب کی شاعری کو پیش نظر رکھنا اور اس سے موازنہ کرنا چاہئے جس سے نہایت وضاحت کے ساتھ نظر آئیگا کہ فارسی شاعری مین کیا کیا نقص اور کیا کیا محاسن ہین۔

عربی شاعری کے خصوصیات جن سے فارسی شاعری خالی ہو حسب ذیل ہین

۱- عرب مین شجاعت، بہادری، جانبازی، اباء نفس، اقتحام حرب، آزادی، بیباکی، مہمان نوازی، ایثار وغیرہ مضامین کثرت سے ہین، فارسی مین یہ مضامین نہایت کم ہین اور جو ہین وہ اورون کی داستان ہین، عرب کا شاعر خود ان اوصاف سے متصف ہوتا ہے اور اپنے ہی واقعات بیان کرتا ہے، اس لئے اسکا خاص اثر ہوتا ہو، یہ بات ایرانی شعرا کو نصیب نہین، ایران مین شخصی حکومت رہی اور نہایت جباری اور سطوت کے ساتھ رہی، اسلئے قوم مین آزادانہ جذبات پیدا نہین ہو سکتے تھے،

۲- عرب کی شاعری سے ملک کا تمدن، معاشرت، خانگی حالات رہنے، سہنے کے طریقے، پوشش اور لباس، وضع قطع، اسباب خانہ داری، طریق ماندوبود اس قسم

کی باتین اس تفصیل سے معلوم ہوسکتی ہین، کہ تاریخ سے بھی نہین معلوم ہوسکتین فارسی مین یہ باتین ناپید ہین۔

۳- عرب مین عورت سے عشق کرتے ہین، اسلئے ہر قسم کے سچے جذبات ادا ہو سکتے ہین، ایران مین عورت کے بجائے امارد ہین، اسلئے بہت سے ناموزون مضامین پیدا ہو گئے، انھین مین ایک رقابت بھی ہے۔ رقیب عربی لفظ ہے، لیکن عرب مین رقیب کے معنی محافظ کے ہین، عرب مین عورتون کی محافظت کا بہت اہتمام کرتے تھے اور محافظ کو رقیب کہتے تھے، ایران مین امرد معشوق تھے، وہ بازارون اور مجمعوںمین نکلتے تھے، سیکڑون کی نظرین ان پر پڑتی تھین، ایک ایک معشوق کے کئی کئی عاشق ہوتے تھے، انمین کشمکش اور منافست رہتی تھی، انھین مین سے ایک دوسرے کو رقیب کہتا تھا، عرب مین اس قسم کی بیہودہ رقابت نہ تھی، فارسی شاعری مین رقابت کے مضامین کا انبار ہی اور طرح طرح کے اچھوتے خیالات ہین، عربی اس سے خالی ہی، متاخرین عرب نے البتہ فارسی کی تقلید کی، لیکن اس دور کی شاعری کو عرب کی شاعری نہین کہہ سکتے۔

۴- مرثیہ کا جوش خروش جو عرب مین ہے، ایران مین نہین، اسی بنا پر ایران مین مرثیہ، شاعری کی کوئی مستقل نوع نہین۔

فارسی شاعری کی خصوصیات جو عرب مین نہین ملسکتین حسب ذیل ہین۔

۱- فارسی مین تاریخی نظمین کثرت سے ہین، عربی مین ایک بھی نہین جسکی وجہ یہ ہے:

کہ تاریخی واقعات مثنوی کے بغیر ادا نہین ہوسکتے، اور عربی مین مثنوی سرے سے نہین، یا ہے تو برائے نام ہے۔

۲- بہار اور برسات وغیرہ کے مناظر جو ایران نے ادا کئے، عرب نہین کرسکتا تھا، عرب نے یہ سمان آنکھون سے نہین دیکھا تھا،

۳- عشق و محبت کے خیالات مین ایران عرب سے بڑھا ہوا ہی، عشق و عاشقی کی جو نازک اور لطیف واردا تین ایران نے ادا کین عرب ان کو سمجھ بھی نہین سکتا، اور یہ دونون ملکون کے اختلاف تمدن کا اثر ہے،

۴- فلسفہ اور تصوف جسقدر فارسی مین ہی عربی مین نہین مولانا روم، فرید الدین عطار، سنائی، سحابی، عراقی، اوحدی، انکے مقابلہ مین عرب کا کون شاعر پیش کیا جا سکتا ہی ؟ ہم ابن الفارض اور شیخ محی الدین اکبر سے ناواقف نہین، لیکن ان کی شاعری کو اُن بزرگون سے کیا نسبت،

۵- اخلاقی نظمین بھی جسقدر فارسی مین ہین عرب مین نہین، سیکڑون مثنویان خاص فن اخلاق پر ہین، عربی مین ایک بھی نہین،

۶- ریاکار زاہدون اور واعظون نے قوم کی اخلاقی حالت کو نہایت نقصان پہنچایا تھا، لیکن مذہبی عام عظمت کی وجہ سے ان کی پردہ دری نہین کی جاسکتی تھی، ایرانی شعرا نے اس فرض کو نہایت آزادی سے ادا کیا، خیام اور سعدی نے ابتدا کی اور خواجہ حافظ نے ریاکاری کا سارا طلسم توڑ دیا، شاعری کی یہ صنعت عرب مین نہین،

۷- فارسی شاعری کی یہ ممتاز خصوصیت ہو کہ صرف ایک شعر بلکہ ایک مصرع مین ایک وسیع خیال، ایک اہم بالشان مسئلہ، ایک دقیق نکتہ ادا کر دیا جاتا ہو، یورپ کی شاعری مین کوئی خیال ایک آدھ شعر مین ادا نہین ہوسکتا اس لئے انگریزی وغیرہ مین فرد اور متفرق شعر کم ملتے ہین، وہان کوئی مضمون مسلسل اشعار کے بغیر ادا نہین کر سکتے۔

۸- **لطافت**- عام خیال یہ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ کا دوسری زبان کے الفاظ سے زیادہ شیرین اور لطیف ہونا واہمہ کی خلاقی ہو، ہر شخص کو اپنی زبان شیرین اور لطیف معلوم ہوتی ہے، ایک افغانی پشتو کو فارسی سے زیادہ شیرین سمجھتا ہے اہل عرب عربی کے سوا، تمام دنیا کی زبانون کو غیر فصیح کہتے ہین، یورپ مین فرنچ زبان نہایت فصیح اور شیرین خیال کی جاتی ہے لیکن ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص ناک مین بول رہا ہے، ترکون کو مین نے دیکھا کہ جب تک چپ رہتے ہین فرشتے معلوم ہوتے ہین، زبان کھلی اور اُن سے نفرت سی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ ترکی زبان کو افصح الالسنہ کہتے ہین۔

اس سے تو انکار نہین ہوسکتا کہ پہاڑی اور وحشی آدمیون کے ہاتھ پاؤن سڈول اور نازک نہین ہوتے، جلد موٹی، جسم بھدا، اور بشرہ مین کرختگی ہوتی ہے اسی طرح آلۂ صوت اور مخارج حروف بھی سخت ہوتے ہین، الفاظ حروفون ہی سے بنتے ہین، اسلئے آلۂ صوت اور مخارج حروف کا اثر آواز مین اور آواز سے الفاظ مین بھی آتا ہے، جو ملک ایک مدت تک ناز و نعم مین پلا ہو، وہان کے لوگونکے جسم مین نزاکت حُسن، اور

لوچ ہوگا، اسی طرح ضرور ہے کہ انکے الفاظ مین لطافت، نازکی، اور شیرینی ہو، یہ فرق مراتب خود ایک قوم کے مدارج تمدن کے مختلف دورون مین نظر آتا ہے مثلاً ایران مین پہلے فرشتہ، چونان، ناخون، ہشیوار، اپچ وغیرہ الفاظ مستعمل تھے، جسقدر طبیعتون مین نفاست اور لطافت آتی گئی، زاید اور ثقیل حرف جھڑتے گئے اور فرشتہ، چنان، ناخن، ہشیار، ہیچ زبانون پر رہ گئے،

ایران ہزارون برس سے آباد اور متمدن چلا آتا ہے، اور جسطرح اٹلی کو مصوری سے رومن کو حکومت سے، یہود کو مذہب سے، مصر کو صنعت سے خاص مناسبت تھی ایران نفاست پسندی، تکلف، اور نزاکت مین ضرب المثل تھا، شان وشوکت کے اظہار کے لئے آجتک کلاہ کیانی، تاج خسروی، مسند جم، درفش کاویانی سے زیادہ پرشان الفاظ کسی زبان نے نہین پیدا کئے، اس بنا پر یہ قطعی ہو کہ فارسی زبان کے الفاظ دنیا کی اور زبانون کے مقابلہ مین زیادہ لطیف، زیادہ نازک، زیادہ پرشوکت، زیادہ شیرین ہین

یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہو، کہ فارس ایک مدت تک تاتاریون اور ترکون کا جولانگاہ رہا، ہلاکو سے لیکر سلطان حسین میرزا تک ترک فرمانروا رہے، ہندوستان کے سلاطین تیموریہ ترک تھے، اور ان کی مادری زبان ترکی تھی، اس کا اقتضا یہ تھا کہ فارسی زبان مین نہایت کثرت سے ترکی الفاظ داخل ہوجاتے لیکن فیصدی، لفظ بھی مشکل سے نکلین گے، اس کی یہی وجہ ہو کہ فارسی کی نزاکت اور لطافت ترکی الفاظ کی متحمل نہین ہوسکتی تھی، بخلاف اسکے عربی زبان کے الفاظ سیکڑون ہزارون بھر گئے

حالانکہ ایران مین عرب کی حکومت بہت کم رہی، اور جب تھی بھی تو دفتر فارسی ہی مین تھا، اسکی وجہ یہی ہے کہ عربی زبان کی فصاحت، فارسی سے بیوند کہا سکتی تھی، اس لئے فارسی کو ایسے مہمان لطیف کی پذیرائی مین کچھ عذر نہین ہوسکتا تھا،

فارسی کی لطافت پسندی کو اس سے قیاس کرنا چاہئے کہ اس نے خود اپنی زبان کے ثقیل اور گران الفاظ چھوڑ دئے، ان کے بجائے عربی الفاظ اختیار کرلئے چنانچہ جس قدر زبان زیادہ صاف ہوتی گئی، عربی الفاظ زیادہ آتے گئے، ردوکی سے لیکر فردوسی تک جو زبان تھی، زمانۂ مابعد مین وہ بالکل بدل گئی،

قاعدہ ہے جس ملک مین جس چیز کی بہتات اور کثرت ہوتی ہے، اسکے متعلق ایک ایک جزئی خصوصیتون کے لئے الگ الگ لفظ بنجاتے ہین، عرب مین اونٹ تمدن اور معاشرت کا جزو اعظم ہے اسلئے اونٹ اور اسکے متعلقات کیلئے ہزارون الفاظ ہین لیکن چراغ کے لئے جو اسباب تمدن مین ایک ادنیٰ چیز ہے، ایک لفظ بھی نہین، پہلے تو اسی فارسی لفظ چراغ کو سراج کرلیا تھا، پھر ایک مصنوعی لفظ مصباح بنایا، جس کے معنی "آلۂ صبح کردن" کے ہین، یعنی چراغ ایک ایسی چیز ہے جو صبح بنانے کا آلہ ہے،

ایران کا تمدن و تنعم نہایت قدیم زمانہ کا ہی اسلئے نازک جذبات اور لطیف معاملات کے ادا کے لئے اس زبان مین جو پیرائے پیدا ہوئے اور زبانو مین نہین ملسکتے۔ معشوق کی خاص خاص اداؤنکے لئے بہت سے الفاظ پیدا ہوئے، مثلاً عشوہ

ناز، ادا، غمزہ، کم نگاہی، لیکن ایران کے شاعر کو اس پر بھی تسلی نہین، اُسکی نکتہ بین عاشقانہ نگاہون کو اور بھی بہت سی ادائین نظر آتی ہین جنکے لئے الفاظ نہین ملتے اسلئے کہتا ہے،

خوبی ہمین کرشمہ و ناز و خرام نیست　　　بسیار شیوہاست بتان را کہ نام نیست

۹۔حسن ترکیب الفاظ۔ موجودہ فارسی زبان مفردات کے لحاظ سے وسیع نہین، یعنی مفرد اسماء اور افعال اس زبان مین بہت کم ہین، لیکن ترکیب کی یہ خوبی ہے کہ دو لفظونکو ملاکر اس سے گوناگون عالم پیدا کر دیتے ہین، وسیع سے وسیع خیال صرف دو لفظون مین ادا ہو جاتا ہے، ان دلآویز ترکیبون سے نہایت گہری اور نازک ادائین جو اظہار کے دسترس سے باہر تھین ادا ہو جاتی ہین، مثالون سے اسکا اندازہ ہو گا، یہ بات عربی زبان مین نہین۔

۱۔ ارباب ہوس اکثر کسی معشوق سے دل لگاتے ہین تاہم بہت ربط نہین بڑہاتے کہ دنیا کے کاروبار سے جاتے نہ رہین لیکن معشوق دلفریبی کے غرور مین مطمئن ہے کہ بچکر کہان جا سکتا ہی؟ اس واردات کو ایک شاعر ادا کرتا ہے،

بہ دور گردی من، از غرور می خندد　　　حریف سخت کمانے کہ در کمین دارم

"دور گردی" کے معنی الگ الگ کتراتے پھرنے کے ہین،

"سخت کمان" وہ شخص جسکا نشانہ دور تک جاتا ہے، "در کمین بودن" کے معنی گھات مین بیٹھنے کے ہین، شعر کا مطلب یہ ہے کہ مین جو کتراتا پھرتا ہون تو معشوق ہنستا ہے

کہ مجھ سے بچکر کہان جاسکتا ہی، اس شعر مین "دورگردی" اور "سخت کمان" نے ایک وسیع خیال کو اس اختصار کے ساتھ ادا کر دیا۔

ہلاکِ طرزِ آن بیگانہ خوی آشنا رُویم | کہ با این بیوفائیہا وفا دار است پنداری

"آشنارو" وہ شخص جسکے دل مین محبت کا کچھ اثر نہو لیکن چہرہ سے محبت ظاہر ہوتی ہو، شعر کا مطلب یہ ہی کہ مین اس معشوق پر مرتا ہون جسکی آشنارو ئی کا اثر یہ ہے کہ واقع مین بیوفا ہے لیکن دھوکا ہوتا ہی کہ باوفا ہے اس خیال کو "بیگانہ خو" اور "آشنارو" ان دو الفاظ نے کس خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔

فغان از قاصدانِ بے تصرف | زخود یک بار، پیغامے نہ سازند

"بے تصرف" وہ قاصد جو اپنی طرف سے کچھ گھٹاتے بڑہاتے نہین، بلکہ جو کچھ سنا اُسکو بے کم و کاست آکر ادا کر دیا، مطلب یہ ہے کہ مین بے تصرف قاصد سے نالان ہون، معشوق نے کوئی تسلی بخش بات نہین کہی تھی تو قاصد کو چاہئے تھا کہ اپنے دل سے گھڑکر کوئی بات بنا تا کہ کسی طرح سے میرا دل خوش تو ہو جاتا۔

۴۔ چہ خوش ست با دو یک دل، سر حرف باز کردن

گلہ گذشتہ گفتن سخنِ دراز کردن

اثرِ عتاب بردن ز دلِ ہم، اندک اندک،

بہ بدیہہ آفریدن، بہ بہانہ ساز کردن

اعتراض کے جواب مین جھٹ پٹ بات گھڑ لینے کو "بدیہہ آفریدن" کہتے ہین،

شعر کا مطلب یہ ہے، کہ "وہ بھی کیا لطف کا موقع ہوتا ہے جب دو دوست اکھٹے ہوتے ہین، ایک پُرانے گلے کر رہا ہے، اور بات کو طول دیتا جاتا ہے دوسرا اس ناراضی کا اسطرح آہستہ آہستہ دل سے مٹاتا جاتا ہے کہ ہر شکایت کے جواب مین جھٹ پٹ کوئی معقول عذر گھڑتا جاتا ہے۔

۴۔ قمریان پاس غلط کردہ خودمی دارند　　　ورنہ یک سرو درین باغ بہ اندام تو نیست

"پاس غلط کردہ داشتن" کے معنی یہ ہین کہ کوئی شخص ناواقفیت سے کوئی غلط بات کہہ جائے اور واقف ہونے کے بعد بھی اپنی بات کی پچ کرتا رہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ قمریون نے غلطی سے کہدیا تھا کہ سرو معشوق کے قد کا ہمسر ہے، اب اُنکو اپنی غلطی معلوم ہوگئی، لیکن بات کی پچ کرتی ہین؛ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی سرو معشوق کے اندام کی ہمسری نہین کرسکتا، اس شعر مین پاس کردہ خود داشتن، نے ایک وسیع مضمون کو مختصر لفظون مین ادا کر دیا۔

اس قسم کی سیکڑون ترکیبین ہین، جنکی بدولت فارسی زبان بہت بڑے بڑے وسیع اور نازک اور رنگین خیالات نہایت لطافت سے ادا کرسکتی ہے، ہم چند مثالین یکجا درج کرتے ہین،

بالکم سخنیش، مے توان ساخت　　　این است بلا کہ کم نگاہ است

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش　　　کہ تا لختی بیاسایم ز دنیا و از شر و شورش

مصرع۔

ہر چند بے نقاب تراز آفتاب بود

بہ برقع مہ کنعان کہ بود حسن آباد　　　بہ حجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زار

۱۰- لطافت خیال، ایران کا تمدن اور تنعم نہایت قدیم زمانہ کا ہے، اس لیئے ہزارون برس کی مستقل نازونعمت کی وجہ سے ہر قسم کے خیالات نہایت نازک اور لطیف ہو گئے تھے اور چونکہ زبان بھی منجھتے منجھتے نہایت صاف اور لطیف ہو گئی تھی اس لئے اسی لطافت سے وہ خیالات ادا بھی ہو سکتے تھے، عربی بلکہ شاید کسی اور زبان کو یہ لطافت خیال نصیب نہین ہو سکتی، مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا،

چشم چون پر عشوہ کرد، اول بسوی خویش دید　　　بادہ خود خورد ساقی ساغر لبریز را

اس شعر مین جو مضمون ادا کیا ہے، مشکل سے کسی اور زبان مین ادا ہو سکتا تھا،

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معشوق جب بن ٹھنکر طیار ہوتے ہین تو مزے مین آکر خود اپنی سج دھج کو دیکھنے لگتے ہین، شاعر اس حالت کی تصویر کھینچتا ہے اور کہتا ہے کہ "جب معشوق کی آنکھوںمین کرشمہ بھر گیا تو اس نے پہلے خود اپنے آپ پر نظر ڈالی گویا ساقی نے جب پیالہ بھرا تو پہلے تھوڑی سی خود بھی پی لی۔

جاے مشام دیدہ کشودم بوے گل　　　پنداشتم کہ گرد رہ یار می رسد

یعنی "پھولونکی جو خوشبو آئی تو مین نے بجائے اس کے کہ شامہ سے کام لیتا، آنکھین کھول دین، مین سمجھا کہ معشوق کے راستہ کی گرد ہے" اس لطافت خیال کو دیکھو، کوچہ معشوق کی گرد لطافت کیوجہ سے بوے گل ہے، اسلئے پھولون کی جو

خوشبوآئی تو دھوکا ہوا کہ کوئے یار کی گرد ہے، یہ خیالات اس قدر لطیف ہین کہ تاب اظہار نہین لا سکتے، گویا حباب ہین کہ چھونے سے ٹوٹ جاتے ہین، مین اُردو مین ترجمہ کرتا ہون اور افسوس آتا ہے کہ تمام لطافت خاک مین ملجاتی ہے،

صحبتِ احباب کے لطف کو ایک شاعر اس لطافت کے ساتھ ادا کرتا ہے،

عادت بجمع بودن احباب کردہ ایم　　　ما بُوئی نکنیم گلُے را کہ دستہ نیست

یعنی جب تک احباب کا جمگھٹا نہو مجھکو صحبت کا لطف نہین آتا، پھول جب تک گلدستے مین نہو، مین اسکو نہین سونگھتا۔

پریرخے بہ شکر خندہ قتل مردم کرد　　　چو گفتمش کہ مرا ہم بکش تبسم کرد

شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ "ایک پری روئے خندۂ شیرین سے ہزارون آدمیون کو قتل کر دیا، مین نے کہا کہ مجھکو بھی، یہ سنکر مسکرا دیا" اس مضمون کو کس لطافت سے ادا کیا ہے، عاشق کے قتل کی درخواست پر مسکرا دینا، متعدد پہلو پیدا کرتا ہے جمنین ایک یہ بھی ہے اور یہ سب سے کم لطیف ہے کہ معشوق کے شکر خندہ سے ہزارون آدمی کو قتل کیا تھا، اب جو عاشق نے قتل کی درخواست کی تو وہ مسکرا دیا کہ ایک آدمی کے لئے اسی قدر کافی ہے،

تاک را سیراب دار اے ابر نیسان در بہار　　　قطرہ تامے تواند شد چرا گوہر شود

تاک انگور کی بیل کو کہتے ہین، ابر نیسان کی نسبت خیال ہے کہ اسکے قطرے سیپ مین گرتے ہین تو موتی بنجاتے ہین، شاعر، ابر نیسان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ

تو انگور کی بیل کو سیراب رکھ، کیونکہ جب تک قطرہ شراب بن سکتا ہے موتی بننے کی کیا ضرورت ہے، یعنی شراب کا قطرہ، موتی سے زیادہ قیمتی ہے، اس لئے بجائے اس کے کہ ابر نیسان موتی طیار کرے یہ بہتر ہے کہ انگور پر برسے کہ شراب طیار ہو،

فیضے عجبے یافتم از صبح بہ بینید　　　　این جادۂ روشن رہ میخانہ نباشد

"جادۂ روشن" وہ راستہ جو صاف ہو اور بے تکلف منزل تک پہنچا دے،

اصل خیال یہ تھا کہ صبح کے سہانے وقت مین شراب زیادہ لطف دیتی ہو اسلئے صبح کے آثار دیکھ کر شراب کو زیادہ جی چاہتا ہے اس کو یون ادا کیا ہے کہ صبح سے عجب فیض حاصل ہو رہا ہے دیکھنا یہ جادۂ روشن، شراب خانہ کا راستہ تو نہین ہے،

در بوستان، بہ یاد دہان تو غنچہ را　　　　امسال باغبان ہمہ نشگفتہ چیدہ بود

غنچہ کو دہن سے تشبیہ دیتے ہین، شعر کا مطلب یہ ہے کہ باغبان کو جو معشوق کا دہن یاد آیا تو اس نے ابکی سال پھول کے بجائے بن کھلی ہی کلیان چن لین،

روے نکو معالجۂ عمر کوتہ است　　　　این نسخہ از بیاض مسیحا نوشتہ ام

یعنی خوبصورت چہرہ کا دیکھنا کم عمری کا علاج ہے، مین نے یہ نسخہ حضرت عیسی کی بیاض سے نقل کیا ہے،

لب گزیدی دمن از ذوق فنادم مدہوش　　　　باتو کیفیت این بادہ ندانم کہ چہ کرد

محبوب نے اپنے ہونٹ دانتو نمین دبا لئے تھے، عاشق کو اس کیفیت نے بیتاب کر دیا اور خیال ہوا کہ کاش اسکو معشوق کے ہونٹون پر یہ دسترس ہوتا، معشوق سے

کہتا ہے کہ جب تصور سے میرا یہ حال ہوا تو خدا جانے تجھ پر اس شراب کا کیا اثر ہوا ہوگا اور تو نے کیا لطف حاصل کیا ہوگا۔

شراب لطف پر در جام میریزی و می ترسم کہ زود آخر شود این بادہ و من در خمار افتم

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محبوب بعض وقت حد سے زیادہ مہربان ہو جاتا ہے لیکن یہ مہربانی دیر تک نہین قائم رہتی، اس خیال کو یون ادا کیا ہے کہ محبوب کو مخاطب کر کے کہتا ہے "تو لطف وعنایت کی شراب لبالب دے رہا ہے لیکن مجھکو ڈر ہے کہ یہ شراب جلد ختم ہو چکی گی، اور مجھکو خمار کی تکلیف اٹھانی پڑیگی،

آوازہ خلیل زبنیاد کعبہ نیست مشہور شد ازان کہ در آتش نکو نشست

یعنی حضرت ابراہیم کی شہرت اس وجہ سے نہین ہے کہ اُنھون نے کعبہ کی بنیاد ڈالی بلکہ اسوجہ سے ہے کہ آگ مین استقلال کے ساتھ جم کر بیٹھے،

بر رُوے تو چشم باز کردن خمیازہ دیدن دگر بود

شعر کا یہ مطلب ہے کہ معشوق کے چہرہ کی طرف آنکھ اُٹھانا دوسری بار دیکھنے کی انگڑائی تھی، یعنی ایک دفعہ کے دیدار سے تسلی نہین ہوئی، بلکہ ہر بار کا دیکھنا دوبارہ دیکھنے کے لئے بے چین کرتا ہے۔

روزم تو بر فروز، و شبم را تو نور دہ این کار تست کار مہ و آفتاب نیست

اس خیال کو کہ معشوق کے بغیر عاشق کی آنکھون مین سب اندھیرا ہے، یون ادا کیا ہے معشوق سے کہتا ہے میرے دلکو تو روشن کر اور میری راتکو نور دے، یہ تیرا کام ہے۔

آفتاب وماہتاب کے بس کی چیز نہین، بظاہر مبالغہ ہو کہ آفتاب وماہتاب بھی دن کو روشن نہین کرسکتے۔ لیکن واقع مین بالکل سچ ہے، دل خوش نہو تو دن بھی اندھیرا معلوم ہوتا ہے، "تو" اور "کار" کی تکرار نے ایک خاص لطف پیدا کردیا ہے،

ما تو گستاخی است گفتن ترک بدخوئے تُرا	با دلِ خود گفتہ ام آئینہ را بے زنگ ساز

کہنا یہ تھا کہ معشوق تو بدخوئی سے باز نہین آسکتا ہو اس لئے اپنے ہی دلکو ایسا بنالینا چاہیے کہ معشوق کی بدخوئی سے رنج نہو اسکو یون ادا کرتا ہے کہ معشوق سے یہ کہنا تو گستاخی ہے کہ تو بدخوئی چھوڑ دے، اس لئے مین نے اپنے دل سے کہ دیا ہو کہ اپنی آئینہ ایسا بنا تا کہ اسمین زنگ آنے ہی نہ پائے، صیغہ غائب کے بجائے خطاب نے اور زیادہ لطف پیدا کردیا ہے۔

ہر چند غیر لاف محبّت زند برت	ما را امید ہا بدل بدگمان تست

کہنا یہ مقصود ہے کہ رقیب گو معشوق کے سامنے اپنے عشق اور جانبازی کے بڑے دعوے کر رہا ہو لیکن معشوق اسقدر بدگمان ہے کہ اسکو کب یقین آسکتا ہو اس خیال کو یون ادا کیا ہے کہ معشوق سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ "گو رقیب تیرے سامنے محبّت کے بڑے بڑے دعوے کرتا ہے لیکن مجھکو تیری بدگمانی سے بڑی بڑی امیدین ہین" یعنی وہ رقیب کی محبت کا یقین نہ کریگا۔

مُرغے چو ہمائے دل من گشتہ شکارت	شکرانہ این عید، تہی کن قفسے چند

کہنا یہ مقصود ہے کہ اے معشوق، جب مجھ سا عاشق تجکو ہاتھ آگیا، تو اور تمام عاشقون نے

تجکو بے تعلق ہوجانا چاہیے، اوران کو چھوڑ دینا چاہیے، اس مضمون کو یون ادا کیا ہی کہ اے معشوق، میرا دل ہما ہے، جب اسکو تو نے شکار کرلیا تو اس کے شکرانے مین پنجرے کے پنجرے خالی کر دینے چاہئین - قاعدہ ہے کہ جب کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو لوگ صدقے کے طور پر جانور چھوڑ دیتے ہین،

نیست ممکن کہ گریزم زغزالان خیال   ورنہ مجنون تو تنہا تر ازین می بایست۔

عاشق سب سے الگ رہتا ہے اور عالم خیال مین بسر کرتا ہی شاعر کہتا ہی کہ کیا کرون غزالان خیال سے بھاگنا ممکن نہین، ورنہ تیرے مجنون کو تو اس سے بھی زیادہ تنہا رہنا چاہیے، یعنی خیالات بھی نہ آنے پائین۔

فغان کہ بند قبائے تو باز خواہد شد   کہ بادہ بے ادب افتادہ وہوا گستاخ

کہنا یہ تھا کہ معشوق شراب کی سرمستی مین بے تکلف ہوجائے گا اس کو یون ادا کرتا ہے کہ ہائے تیری قبا کے بند کھل جائین گے، کیونکہ شراب بے ادب اور ہوا گستاخ ہی

از بس زبیم خوے تو دز دیدہ ام نفس   یک پردہ پست تر زخموشی ست نالہ ام

جب سردی اسقدر بڑھجاتی ہی کہ مقیاس الحرارۃ کا پارہ مطلق نہین چڑہتا تو اس درجہ کو صفر کہتے ہین اس سے بھی سردی بڑھ جائے تو اس کے بھی مدارج ہین اور اسکو یون ادا کرتے ہین کہ صفر سے ایک درجہ نیچے، اس سے بھی بڑھنے تو صفر کے درجو نکے عدد بڑہاتے جاتے ہین، اسیطرح آواز کی پستی وبلندی کے درجے ہین لیکن جب مطلق آواز نہو تو سکوت ہوگا، شاعر تخیل سے سکوت کے بھی مدارج قائم کرتا ہی

اور کہتا ہو کہ اے معشوق مین نے تیرے ڈر سے اسقدر خاموشی اختیار کی ہے کہ میرا نالہ سکوت سے بھی بقدر ایک پردہ کے پست ہے" اس قدر باریک خیال دوسری زبان مین اس لطافت کے ساتھ ادا نہین ہوسکتا،

بسا این شایستگی چون محرم رازت توانم شد　　زبس با خویش گفتم رازِ تو غمّاز گردیدم

راز داری کی یہ تعریف ہو کہ کسی سے بھید نہ کہا جائے یہانتک کہ خود بھی بھول جائے اور اس کا خیال دلمین نہ لائے، عاشق، معشوق کا راز سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہے لیکن دل سے تو نہین بھلا سکتا، اس پر اس کو خیال آتا ہے اور معشوق سے کہتا ہے کہ مین ترا محرم راز کیونکر ہو سکتا ہون، مین نے تو تیرا راز اپنے دل سے کہدیا۔

ز نظم زین کہ با ہر عاشقے میل سخن داری　　کہ تو حسنے زیاد، از کار دبارِ عشق بن داری

عشق کا اگرچہ یہی اقتضا ہے کہ معشوق کسی اور کی طرف ملتفت نہونے پائے لیکن بعض وقت دلمین انصاف آتا ہے کہ آخر ساری دنیا کو اُسکے حُسن کے تمتع سے کیون روکا جائے، اس خیال کو شعرا نے مختلف طریقون سے ادا کیا ہے، ایک شاعر کہتا ہے مصرع۔

بہ بلبلے نتوان داد یک گلستان را

یعنی سارا باغ، ایک بلبل کو نہین دیا جاسکتا، اس شعر مین اس خیال کو نہایت لطافت سے ادا کیا ہے، معشوق سے کہتا ہے کہ اگر تو ہر عاشق سے ملنا چاہتا ہو تو مین اسکا

رنج نہین کرتا، کیونکہ تیرے حُسن کی وسعت میرے عشق کے پھیلاؤ سے بہت زیادہ ہے، یعنی تیرے وسیع حُسن کے لئے صرف ایک شخص کا عشق کافی نہین ہوسکتا،

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معشوق ناز کے نشہ مین جب چور ہوتا ہے، اور اس وقت کوئی ناز بردار نہین ہوتا تو خود اپنے آپ سے لڑتا ہے، اپنی کسی بات کو خود ناپسند کرتا ہے اور اپنے آپ پر جھلاتا ہے، اس حالت کی تصویر ایک شاعر کھینچتا ہی،

فغان زغمزۂ شوخے کہ وقت تنہائی　　　بہانۂ بخود آغاز کردہ در جنگ است

ان چند مثالون سے تم اندازہ کرسکتے ہو کہ فارسی نے جو لطیف خیالات ادا کئے عربی وغیرہ زبانون کے دسترس سے باہر ہین،

بدیع الاسلوبی بدیع الاسلوبی کے معنی کسی خیال کو جدید اور اعجوبہ زا پیرایہ مین ادا کرنا ہی یہ وہ وصف ہے، کہ بہت سے اہل فن کے نزدیک اسی کا نام شاعری ہے، فارسی اس وصف مین علانیہ ممتاز ہے،

بدیع الاسلوبی کی مثالین اگرچہ متعدد شعرا کے ذکر مین گزر چکی ہین لیکن موقع کے اقتضا سے چند مثالین یہان بھی لکھی جاتی ہین کہ بدیع الاسلوبی کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔

اے برہمن چہ زنی طعنہ کہ در معبد ما　　　سجۂ نیست کہ آن غیرت زنار تو نیست

کہنا یہ تھا کہ زاہد اور عابد اس قدر ریاکار ہین کہ ان کی تسبیح زنار سے بھی بدتر ہے، اس مضمون کا پیرایہ اسقدر بدل دیا کہ ظاہر مین اسکی طرف خیال بھی نہین جاتا، شعر کا ظاہری

ماحصل یہ ہے کہ برہمن طعنہ دے رہا تھا کہ اسلام ہندوؤنکے مذہب کی برابری نہین کرسکتا شاعر جو مسلمان ہی جواب دیتا ہے کہ یہ طعنہ بیجا ہو ہماری عبادتگاہ مین تو جتنی تسبیحین ہین ایسی ہین کہ زنار کو ان پر رشک آتا ہے،

اسمین بلاغت یہ ہے کہ یہ بات اگر مسلمانون سے کہی جاتی تو برا مانتے، اسلئے برہمن سے کہا ہے اور وہ بھی اس پیرایہ مین کہ اسلام کی توہین پیش نظر نہین، بلکہ کفر کے مقابلہ مین اسکی ترجیح مقصود ہی۔

درمیان کافران ہم بودہ ام　　　　یک کمر شائستۂ زنار نیست

کہنا یہ مقصود ہے کہ اس زمانہ مین کوئی شخص کسی فن مین کامل نہین، یہانتک کہ کافر اپنے کفر مین بھی پورا نہین۔ اس مضمون کو یون ادا کرتا ہے کہ مین کافرون مین بھی مدت تک رہ چکا ہون۔ ایک کمر بھی زنار کے قابل نہین، یعنی ان مین کوئی شخص ایسا نہین کہ اپنے مذہب مین کامل ہو اور زنار پہننے کا مستحق ہو،

ایکہ ہمراہ موافق بجہان می طلبی　　　　آن قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید

کہنا یہ ہے کہ سچا دوست دنیا مین ناپید ہے، اس کو یون ادا کیا ہو کہ گویا ایک شخص سچا دوست تلاش کر رہا ہے، شاعر اس سے کہتا ہے کہ ذرا ٹھہر جاؤ عنقا سفر مین گیا ہی اُسکو آلینے دو، مطلب یہ ہے کہ سچا دوست عنقا کی طرح ناپید ہے،

عرفی بحال نزع رسیدی بہ شد ی　　　　شرمت نیامد از دل امیدوار دوست

اصل مطلب یہ ہے کہ عرفی بیمار ہو کر نزع کے قریب ہو گیا تھا معشوق کو خبر ہوئی

توخوش ہوا کہ مرجائے تو قصہ پاک ہو، سو اتفاق کہ مرنی اچھا ہوگیا، اور معشوق کی امید جاتی رہی، اس مضمون کو یون ادا کیا ہی، کہ خود اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ کمبخت تو نزع تک پہونچکر اچھا ہوگیا، تجھکو معشوق سے بھی شرم نہ آئی کہ وہ تیرے مرنے کا انتظار کر رہا تھا،

اے اجل، اجان ندہند اہل وفا سعی مکن | یا برو رخصت آن غمزۂ خونخوارہ بیار

مقصود یہ تھا کہ عاشق پر صرف معشوق کی ادائین اثر کرسکتی ہین، اسکو یون ادا کیا ہے کہ موت سے مخاطب ہوکر کہتا ہے، کہ عشاق یون نہ مرینگے، بے فائدہ کوشش نکر، مارنا ہے تو پہلے جا، اور معشوق کے غمزہ سے، اجازت لے آ،

بآفتاب از ان ذرّہ را در انداز ند | کہ عذر مردم کامل بہ ناکسی ننہند

در انداختن لڑا دینا، عذر نہادن، معذور رکھنا، شعر کا مطلب یہ ہے کہ فطرت ذرّو نکو اس لئے آفتاب سے لڑواتی ہے کہ کوئی کامل آدمی یہ عذر نہ پیش کرے کہ "مین، ہیچ آدمی ہون کیا کرسکتا ہون" کیونکہ ذرّہ سے بڑھکر کون ہیچ ہوگا، لیکن وہ آفتاب سے کشتی لڑتا ہے، ذرّے جو آفتاب کی روشنی مین چمک اُٹھتے ہین، اسکو آفتاب سے لڑنا قرار دیا ہے، گویا وہ آفتاب کو اپنی چمک دمک دکھاتے ہین، اور درخشندگی مین آفتاب کا مقابلہ کرتے ہین،

ہزار بار قسم خوردہ ام کہ نام ترا | بہ لب نیا ورم الا قسم بنام تو بود

یہ خیال اکثر شعرا نے ظاہر کیا ہے، کہ عاشق، معشوق کی رسوائی اور بدنامی کے ڈر سے لوگون کے سامنے اس کا نام نہین لیتا چاہتا لیکن بے اختیار اسکا نام زبان پر

آہی جاتا ہے، اسی مضمون کو یون ادا کیا ہے، معشوق سے مخاطب ہوکر کہتا ہے، کہ مین نے سیکڑون دفعہ قسم کھائی کہ تیرا نام نہ لونگا، لیکن قسم تیرے ہی نام کی تھی، (یعنی یون تیرا نام آگیا)

اس مضمون کو **نظیری** نے اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا، اس طرزِ ادا مین یہ عیب تھا کہ قصداً نام لینا ثابت ہوتا ہے، نظیری کہتا ہے،

گرچہ می دانم قسم خوردن بجانت خوب نیست ہم بجانِ تو کہ یادم نیست سوگندے دگر

یعنی "گو مین جانتا ہون، کہ تیری جان کی قسم کھانا کچھ اچھی بات نہین، لیکن تیری ہی جان کی قسم کہ مجھکو اور کوئی قسم یاد نہین" اس مین یہ خوبی ہے کہ معشوق کا نام لے لیا ہے، لیکن جانکر نہین، یعنی خود اسکو یہ نہین خبر کہ معشوق کا نام زبان پر آگیا ہے،

مرا دو خضر عنان گیر باید از چپ و راست کہ کجروی نکنم ور نہ قصد راہ خطاست

کہنا یہ ہے کہ ہر کام مین دو طرح کی غلطیان انسان سے ہوسکتی ہین، افراط اور تفریط، جس طرف زیادہ جھکا راستہ سے ہٹ گیا، اس مضمون کو یون ادا کرتا ہے، کہ مجکو دو خضرونکی ضرورت ہے کہ دائین بائین دونون طرف سے میرے ہاتھ تھامے رہین، اور اِدھر اُدھر جھکنے نہ دین، رہبری کے لئے خضر کافی سمجھا جاتا تھا، شاعر نے دو خضرونکی ضرورت ثابت کی

ہیچ اکسیر بہ تاثیر محبت نہ رسد کفر آوردم و در عشق تو ایمان کردم

کہنا یہ ہے، کہ اگر طلب صادق ہو تو کفر و اسلام سب ایک ہین، اسکو یون ادا کرتا ہے، کہ محبت ایک اکسیر ہے چنانچہ مین کفر لایا تھا، اور عشق کے اثر نے اسکو سونا کر دیا،

تا کے بباغ وصل تو از بیم مدعی گلہائے ناشگفتہ بجیب و بغل کنم

مجلس مین جب غیرون اور رقیبونکا مجمع ہوتا ہے، تو ان کے لحاظ سے عاشق اپنے معشوق کی طرف جی بھر کر نہین دیکھ سکتا، بلکہ کبھی دزدیدہ نگاہی سے کام لیتا ہی کبھی اچٹتی ہوئی نظر ڈال لیتا ہے، اس مضمون کو شاعر یون ادا کرتا ہے کہ وصلِ معشوق ایک باغ ہی جسمین غیرونکے ڈرسے مین کچّی کلیان چُنتا ہون،

فارسی شاعری

پر

تفصیلی ریویو

شاعری کے انواع ہمارے اہل ادب نے شعر کی تقسیم، وزن، قافیہ، ردیف وغیرہ کے لحاظ سے کی ہے اور اس بناپر، شعر کے اقسام قصیدہ، غزل، مثنوی، وغیرہ قرار دے ہین الیکن یہ تقسیم علمی تقسیم نہین، شعر کے انواع قرار دینے مین یہ لحاظ ہونا چاہئے کہ شعر کی جو حقیقت ہی، اور جو اسکے ذاتیات ہین اُن کے لحاظ سے شعر کے کیا انواع پیدا ہوتے ہین؟ شعر کی اصلی حقیقت مصوری یا تخئیل ہے، اسلیے انہی دو لزنی چیزون کے تنوعات اور اختلاف خصوصیات سے شعر کے اقسام پیدا ہوتے ہین،

مصوری کے لحاظ سے شعر کے اقسام عالم مین جو کچھ ہے ان کی دو قسمین کیجا سکتی ہین، مادیاتؔ[1] مثلاً زمین، آسمان، چاند، ستارے، باغ، جنگل، کوہ، بیابان، گرمی، سردی، بہار، خزان وغیرہ وغیرہ، کیفیاتؔ[2] باطنی، یعنی انسان کے دل مین جو گوناگون جذبات ودلیعت کیے گئے ہین،

مثلاً۔ رنج و مسرّت۔ محبّت و بغض، حسرت و غم، غیظ و غضب وغیرہ۔ اس تقسیم کے لحاظ سے شعر کی بھی دو قسمین ہین، ایک وہ جسمین، مادیات اور اس کے متعلقات کی تصویر کھینچی جائے، رزمیہ مثنویان، تاریخی افسانے، مناظر قدرت کے متعلق اشعار، سب اسی قسم کے تحت مین داخل ہین، اُن سب مین مادیات کی یا اُن چیزون کی تصویر کھینچی جاتی ہے جنکو مادیات سے تعلق ہے، اس شاعری کو انگریزی مین ایپک کہہ سکتے ہین، ایپک اگرچہ اصل مین صرف شجاعانہ شاعری کا نام تھا لیکن اب یہ لفظ زیادہ وسیع معنون مین مستعمل ہوتا ہے،

دوسری قسم جذبات کی شاعری ہے جس مین جذبات انسانی کی تصویر کھینچی جاتی ہے اسکے ذیل مین حسب ذیل چیزین داخل ہین،

۱- غزل جسمین محبت کے جذبات کا بیان ہوتا ہے،

۲- عشقیہ مثنویان۔

۳- مرثیہ۔

وہ اشعار جنمین فخر، غرور، انتقام، مسرّت، غم، شکر، صبر، حسرت، ندامت، حُبِ وطن، اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا جائے،

تخئیلی۔ شاعری مین کسی چیز کی تصویر نہین کھینچی جاتی بلکہ شاعر کوئی دعویٰ کرتا ہے اور اسکی کوئی خطابی دلیل پیش کرتا ہے یا کسی بات کو معمولی طریقے کے بجائے عمدہ طریقہ سے ادا کرتا ہے یا کسی چیز کی مدح یا ذم مین کوئی اعجوبہ آمیز مبالغہ تلاش کرتا ہے، یا کوئی نادر اور اچھوتی اور دلآویز تشبیہ ایجاد کرتا ہے، اس قسم کی شاعری کو واقعیت سے بہت کم لگاؤ ہوتا ہے متاخرین

کی شاعری زیادہ تر اسی قسم مین داخل ہے،

شاعری کے جو مشہور اقسام ہین یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی، مذکورۂ بالا اصول کے لحاظ سے انکی نوعیت یہ ہے کہ قصیدہ اور غزل، جذباتی شاعری مین داخل ہین اور مثنوی مظاہر قدرت کی مصوّری ہے، لیکن ہمارے شعرا نے، ان مین سے کسی کو اپنے حدود مین محدود نہین رکھا، غزل مین بجائے اسکے کہ جذبات محبّت کا اظہار کیا جاتا، ہر قسم کے فلسفیانہ اور تخئیلی مضامین داخل کر دیئے، قصیدے ہمہ تن تخئیل بنگئے، مثنوی نے واقعہ نگاری کی حد سے متجاوز ہو کر، ہر قسم کی شاعری پر تصرف کر لیا،

اب ہم فارسی شاعری کے انواع پر الگ الگ ریویو کرتے ہین، لیکن ان انواع کے قرار دینے مین مجبوراً غلط مبحث سے کام لینا پڑا ہے، یعنی بعض نوعین علمی تقسیم کے لحاظ سے قائم کی گئین اور بعض مین اسی قدیم اصطلاح کو قائم رکھا ہے،

مثنوی | انواع شاعری مین یہ صنعت، تمام انواع شاعری کی بہ نسبت زیادہ مفید، زیادہ وسیع، زیادہ ہمہ گیر ہے، شاعری کے جسقدر انواع ہین سب اسمین نہایت خوبی سے ادا ہو سکتے ہین، جذبات انسانی، مناظرِ قدرت، واقعہ نگاری، تخئیل، ان تمام چیزون کے لئے مثنوی سے زیادہ کوئی میدان ہاتھ نہین آسکتا، مثنوی مین اکثر کوئی تاریخی واقعہ یا کوئی قصہ بیان کیا جاتا ہے، اس بنا پر زندگی اور معاشرت کے جسقدر پہلو ہین سب اسمین آجاتے ہین، عشق و محبت، رنج و مسرت، غیظ و غضب، کینہ و انتقام غرض جسقدر انسانی جذبات ہین سبکے سمان دکھانے کا موقع ملسکتا ہے، تاریخ مین مختلف اور گوناگون واقعات

پیش آتے۔ اس لئے ہر قسم کی واقعہ نگاری کا کمال دکھایا جاسکتا ہی، مناظر قدرت، بہار و خزان، گرمی و سردی، صبح و شام، باجنگل بیابان، کوہ صحرا، سبزہ زار وغیرہ کی تصویر کھینچی جاسکتی ہے، اخلاق، فلسفہ، تصوف کے مسائل نہایت تفصیل سے ادا کئے جاسکتے ہین،

اس آسانی اور وسعت کی وجہ یہ ہے کہ مثنوی کا ہر شعر علیحدہ ہوتا ہے اس لئے یہ پابندی نہین ہوتی کہ پوری نظم ایک ہی قافیہ مین ادا کیجائے جیسا کہ غزل اور قصیدہ مین لازمی ہی، مثنوی کے لئے اشعار کی تعداد بھی محدود نہین، اسلئے جسقدر وسعت دینا چاہین دیسکتے ہین، مضامین کی بھی کوئی تخصیص نہین، رزمیہ، عشقیہ، تصوف، فلسفہ، واقعہ نگاری جو مضمون چاہین مثنوی مین ادا کر سکتے ہین،

یہ بتانا مشکل ہی کہ مثنوی کی ابتدا ایران مین کیونکر ہوئی، یعنی خود ایران کی ایجاد ہی یا عرب کا کوئی نمونہ پیش نظر تھا، یہ ظاہر ہے کہ عرب مین اس زمانہ تک مثنوی کوئی چیز نہ تھی، البتہ رجز کو مثنوی کہ سکتے ہین کیونکہ اسکا بھی ہر شعر الگ ہوتا ہے، اس مین مسلسل واقعات بیان کئے جاتے ہین، بنوامیہ کے زمانہ مین رجز نے اس قدر ترقی کر لی تھی کہ سو سو شعر کے رجز پائے جاتے ہین، روبۃ العجاج کے طویل الذیل رجز آج بھی موجود ہین،

عباسیون کے زمانے مین عبد اللہ بن المعتز نے شکار کے حالات رجز مین لکھے ہین اور وہ مختصر سی مثنوی کہی جاسکتی ہی غرض یا تو ایران نے خود مثنوی ایجاد کی یا رجز کا نمونہ ان کے سامنے تھا لیکن اگر رجز کی تقلید بھی کی تو یہ تقلید اجتہاد سے بڑھکر تھی عرب مین کوئی لبسیط مثنوی آج تک شاعرانہ انداز مین نہین لکھی گئی ایران مین سیکڑون،

ہزارون اعلیٰ درجہ کی مثنویان موجود ہین،

مثنوی کا سب سے پہلا موجد بھی متعین نہین ہو سکتا لیکن اگر رودکی کو شعر کا آدم تسلیم کیا جاے تو مثنوی کا موجد بھی اسیکو کہنا چاہیے، کیونکہ اسکے قبل کسی مثنوی کا پتہ نہین لگتا، رودکی نے نصر بن احمد سامانی کی فرمایش سے کلیلہ دمنہ کا ترجمہ مثنوی مین کیا اور مشہور ہے کہ ۴۰ ہزار روپیہ انعام مین ملے، یہ مثنوی آج ناپید ہے لیکن اسدی طوسی نے اپنے لغت مین اسکے اکثر شعر سند مین نقل کیے ہین، یہ لغت ہمارے پیش نظر ہے اور ہم اس سے چند شعر نقل کرتے ہین کہ اسوقت کی مثنوی گوئی کا اندازہ ہو سکے۔

گفت با خرگوش، خانہ، خان من،	خیز وخاشاکت از و بیرون فگن،
شوبدان کنج اندر و خمے بجوے	زیرا دیجی است بیرون شوبدوی
	سوراخ
چونکہ مالیدہ بدو گستاخ شد	کار مالیدہ بدو در واخ شد
	درست
آفریدہ مردمان، مر رنج را	پیشہ کردہ رنج جان آہنج را

معلوم ہوتا ہے کہ رودکی نے تمام مشہور بحرون مین مثنوی گوئی کی بنیاد ڈالدی تھی، شہنامہ کے وزن مین بھی اسکی ایک مثنوی ہے اسکا ایک شعر ہی،

نکو گفت مزدور با آن خدیش	مکن بدبکس گر نخواہی بخویش

ہفت پیکر کی بحر مین یہ اشعار ہین،

گفت نقاش چونکہ نشناسم	کہ نہ دیوانہ و نہ خرناسم
خویشتن پاک دار و بی پرخاش	ہیچ کس را مباش عاشق غاش

رودکی کے بعد اکثر شعراے مثنویان لکھین اور فردوسی سے پہلے مثنویون کا ایک بڑا ذخیرہ طیار ہو گیا،

اسدی نے اپنے لغت مین لبیبی، ابوشکور، طیان عنصری کی مثنویون کے بہت سے اشعار نقل کئے ہین، عنصری نے اکثر بحرون مین مثنویان لکھین، وامق وعذرا جو اسکی مشہور مثنوی ہو (گو آج ناپید ہی) اسکے چند اشعار یہ ہین،

مرا ہرچہ ملک وسپاہ است و گنج | ہمہ آن تست و تراز و است گنج
بتجید عذرا چو مردان جنگ | ترنجید بر بار گی تنگ تنگ
چو رائی بنیاد بستردن بکام | بو در اندرن تعبیہ بے نظام
پریزادگان رزم را دل پسند | بہ پولاد پوشیدہ چینی پرند

ان مثنویون کی جوزبان ہو کئی سو برس سے بالکل متروک ہے اسلئے ان کا ناپید ہونا کوئی تعجب کی بات نہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ کچھ بھی ہوتین شاہنامہ کے طلوع ہونے کے بعد ان ستارون کا فروغ کیونکر قائم رہ سکتا تھا،

فردوسی کے بعد سب کو علانیہ نظر آیا کہ سورج کو چراغ دکھانا بے فائدہ ہو اس لئے رزمیہ مثنویان بند ہو گئین، نظامی کا زور طبع، قابو کا نہ تھا، اس لئے اُنھون نے ہمت نہین ہاری، اور سکندرنامہ لکھا، اور اس مین شبہہ نہین کہ اپنے طرز مین لاجواب لکھا، لیکن پھر بھی قطرہ و دریا کا فرق ہے، نظامی کی تقلید مین اورون نے بھی سکندرنامے اور شہنامے لکھے لیکن وہ نری نقالی تھی۔

غرض رزمیہ یا واقعہ نگاری تو شاہنامہ پر ختم ہو گئی، لیکن چونکہ دائرہ نہایت وسیع تھا، اس لئے اور شاخین پیدا ہوئین اور **مثنوی** نے نہایت وسعت حاصل کی اور بیشمار مثنویان لکھی گئین، مضامین کے اعتبار سے اگر انکی تقسیم کی جائے تو تمام مثنویان ذیل کے عنوان مین داخل ہو سکتی ہین۔

رزمیہ یا تاریخ۔ مثلاً شاہنامہ و سکندر نامہ وغیرہ،

عشقیہ۔ شیرین خسرو وغیرہ۔

اخلاقی۔ حدیقۂ سنائی و بوستان وغیرہ،

قصہ و افسانہ۔ ہفت پیکر و ہشت بہشت وغیرہ،

تصوف و فلسفہ، مثنوی مولانا روم و جام جم اوحدی وغیرہ،

ان مین سے رزمیہ کے سوا، باقی اقسام کا ذکر فلسفہ کے عنوان مین آئے گا یہان صرف رزمیہ یا تاریخی مثنوی کا ریویو مقصود ہے،

رزمیہ کو انگریزی مین **ایپک** کہتے ہین، اور یورپ مین وہ اقسام نظم مین سب سے زیادہ مہتم بالشان اور وسیع ہے، ہومر کی ایلیڈ جسکو تمام یورپ مذہب شاعری کی کتاب آسمانی سمجھتا ہے، رزمیہ ہی ہے، اس بنا پر ہم اسی صنف پر تفصیل سے بحث کرنی چاہتے ہین کہ فارسی شاعری کے کمال کا اندازہ ہو سکے،

رزمیہ مثنویان اگرچہ بہت ہی لکھی گئین مثلاً گشتاسپ نامۂ اسدی، شہنامۂ دقیقی سکندر نامۂ نظامی، سکندر نامۂ خسرو، تیمور نامۂ ہاتفی، وغیرہ وغیرہ لیکن ان مین صرف تین

قابل ذکر ہین، شاہ نامہ، گشتاسپ نامہ اسدی، اور سکندر نامہ نظامی، لیکن انمین بھی مثنوی کا معیار کمال صرف شاہ نامہ ہے، اس لئے ہم شاہ نامہ پر تفصیلی ریویو لکھتے ہین، شاہنامہ کا ریویو پہلے حصہ مین گذر چکا ہے لیکن وہ ضمنی طور پر تھا وہان اصل مقصود فردوسی کے حالات تھے، لیکن قبل اسکے کہ ہم شاہ نامہ پر ریویو لکھین، ضرور ہی کہ مثنوی کے کمال کا معیار اور اسکے اصول بتا دے جائین،

کسی مثنوی کی خوبی کا اندازہ کرنا ہو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ امور ذیل کا کہانتک لحاظ رکھا گیا ہے، اور شاعر کو ان سے عہدہ برآ ہونے مین کہانتک کامیابی ہوئی ہی،

حسن ترتیب سب سے مقدم یہ شرط ہی کہ جس داستان یا جس واقعہ کو لکھا ہی اسمین حسن ترتیب کہانتک پایا جاتا ہے، شاعر کو کسی تاریخی واقعہ مین جو مصالحہ ہاتھ آتا ہے وہ صرف چند اجمالی، خام اور غیر مترتب واقعات ہوتے ہین اب دیکھنا چاہے کہ اس نے داستان کا خاکہ کیونکر قائم کیا؟ واقعات مین کیونکر ترتیب پیدا کی؟ کس واقعہ سے آغاز کیا؟ جن ضمنی واقعات سے گذرتا ہوا اصل واقعہ تک پہونچا ان مین کس قسم کا تناسب اور ترتیب ہے؟ کس طرح انکی کڑیان ایک دوسرے سے ملتی ہین؟ کن کن واقعات پر اس نے زور دیا ہے؟ کن کو ابھارا ہی؟ کن کو دھندلا رکھا ہے؟ موقع بموقع تخیل سے کس طرح کام لیا ہے؟ اخلاقی نتائج پیدا کرنے کے لئے جو فرضی باتین پیدا کرلی ہین انمین کس طرح تناسب پیدا کیا ہی؟ جس سے یہ معلوم ہو کہ قصداً ایسا نہین کیا بلکہ بات مین بات پیدا ہوگئی ہی، جذبات پر کس طرح موقع بموقع اثر ڈالا ہی؟ اگر ان تمام مرحلوں نسے شاعر عہدہ برآ ہو

تو وہ حسن ترتیب مین کامیاب سمجھا جائیگا،

کیرکٹر | مثنوی مین سیکڑون اشخاص کا ذکر آتا ہے، مرد کا، عورت کا، آقا کا، نوکر کا، بچہ کا، جوان کا، امیر کا، غریب کا، سوداگر کا، پیشہ ور کا، عالم کا، جاہل کا، وغیرہ وغیرہ، ان مختلف اشخاص کے اخلاق، خو بو، طرز انداز، مزاج، طبیعت، گفتگو، بول چال، مختلف ہوتی ہے، شاعر کا یہ کمال ہے کہ اس شخص کا بیان کرے، اسکے تمام امتیازی خصوصیات کو قائم رکھے، بچہ کا بیان اس طرح کرنا چاہیے کہ اسکی بات بات مین بچپن کی ادائین پائی جائین، نوکر کا واقعہ لکھا جائے تو گو یا یہ نہ معلوم ہو کہ شاعر بالقصد اس کے نوکر ہونے کا اظہار کرنا چاہتا ہے، تاہم اسکے اخلاق و عادات، بول چال، طرز انداز سے نوکری اور محکومی کی بو آتی ہو، ایک شریف کا بیان ہو تو سخت سے سخت حوادث مین مبتلا ہونے پر بھی اُسکی شرافت کے جوہر نظر آئین،

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کے خاص اخلاق و عادات مین بعض باتین نمایان ہوتی ہین، معمولی شاعر صرف ان باتون کو دکھاتا ہے، یعنی اسکی نظر وہین تک پونہچ سکتی ہے لیکن ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر کی نگاہ ان باریک اور گہری خصوصیات تک پونہچتی ہے، جو عام نگاہون سے بالکل اوجھل ہوتے ہین،

ایشیائی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے، کہ اس قسم کی خصوصیات کا امتیاز نہین کیا جاتا،

کیرکٹر کا اتحاد | مثنوی مین اس کا لحاظ نہایت ضرور ہے کہ ہر شخص کا ایک خاص کیرکٹر قائم کیا جائے اور جہان کہین اُس شخص کا ذکر آئے یہ کیرکٹر بدلنے نہ پائے، کم سے کم یہ کہ ایسی کوئی

بات نظر نہ آے جو قائم کردہ کیرکٹر کے خلاف ہو ہمارے ہان کے اکثر شعرا اس نکتہ کو پیش نظر نہین رکھتے، وہ جس موقع کا بیان کرتے ہین، وہان کے خاص لوازم کا اثر اس قدر اُن پر غالب آجاتا ہی کہ پچھلے کیرکٹر کا خیال نہین رہتا اور اس لئے بعض اوقات تناقض بیانی ہوجاتی ہے

اُردو مین **میرانیس** اس وصف مین ممتاز ہین، مثلاً اُنھون نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کا جو خاص کیرکٹر قرار دیا ہے، وہ صبر، حلم، برداشت، تمکین اور وقار ہے مرثیو نمین امام موصوف کا ذکر سو سو طرح سے آیا ہے اور ہر قسم کی حالتین پیش آئی ہین لیکن کسی جگہ، کسی موقع، کسی حالت مین یہ اوصاف بدلنے نہین پاتے،

واقعہ نگاری مثنوی کا اہم الاوصاف واقعہ نگاری ہے، واقعہ نگاری مین جو نقص عموماً اکثر شعرا کے کلام مین پاے جاتے ہین، انکی تفصیل ہم اس لئے لکھتے ہین، کہ ان سے واقعہ نگاری کی اصلی حقیقت سمجھ مین آئیگی، یعنی صحیح واقعہ نگاری وہ ہے جسمین یہ نقص نہ ہون،

۱- اکثر شعرا جب کسی چیز کا بیان کرتے ہین تو اُسکے ایسے عام اور مبہم اوصاف بیان کرتے ہین جو قریباً ہر چیز کی نسبت منسوب کئے جا سکتے ہین اور جنکو ہر عامی سمجھ سکتا اور بیان کرسکتا ہے، دقیق اور نازک باتین نہین بیان کرتے، مثلاً ایک اعلیٰ درجہ کے خوشنویس کے قطعہ کی تعریف کی جاے تو یہ کہنا کہ نہایت عمدہ ہے، لاجواب ہے، بے نظیر ہے، نظر فروز ہے، آنکھون مین کھُبا جاتا ہے، دیکھکر حیرت چھا جاتی ہے، عام اوصاف ہین یعنی ہر عمدہ چیز کی نسبت یہ اوصاف استعمال کئے جا سکتے ہین، اور جو شخص فن خوشنویسی سے مطلق واقف نہ ہو، وہ بھی ان الفاظ مین حسن خط کی تعریف کرسکتا ہے، لیکن ایک

ماہرِفن، دائرون کی باقاعدگی، حرفونکی کشش، کرسیونکی نشست، نقطونکی موزونی، قلم کے زور کی تعریف کریگا اور اس علمی طریقہ سے کریگا جو فن خطاطی کا اصول ہے، ایک برجستہ شعر سنکر ایک عامی بھی بیساختہ سبحان اللہ کہ اٹھتا ہی اور عام الفاظ مین تعریف کرتا ہے لیکن یہ تعریف عامیانہ تعریف ہوتی ہی بخلاف اسکے ایک ماہرِفن، مضمون کی جدت، بندش کی صفائی طرزِادا کی خوبی الفاظ کی شستگی، جملونکی دروبست، بلاغت کے اسلوب کا ذکر کرتا ہے،

واقعہ نگاری کا کمال یہ ہی کہ جس چیز کا بیان کیا جائے اس طرح کیا جائے جس طرح ایک ماہرِفن کرتا ہے یعنی اُس کے تمام اصلی خصوصیات اور جزئیات بیان کی جائین ہمارے شعرا جب دو پہلوانونکی لڑائی باندھتے ہین، تو زمین آسمان کو ہلا دیتے ہین لیکن یہ نہین بیان کرتے کہ دونون حریف کس طرح بڑھے، کیونکر وار کیا، کیا کیا داؤن پیچ کئے تلوار کے کیا کیا ہاتھ نکالے؟ نیزے کے بند کیونکر باندھے؟ کمان کیونکر چڑھائی؟ تیر کیونکر جوڑا؟ ڈھال کیونکر سر پر لی؟ وغیرہ وغیرہ،

چونکہ شاعری درحقیقت ایک قسم کی مصوّری ہی، اسلیے جب تک واقعہ نگاری مین اس قسم کی خصوصیات نہ دکھائی جائین، کسی واقعہ کی اصلی اور صحیح تصویر ذہن مین نہین آسکتی،

۲- واقعہ نگاری کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے واقعات نظرانداز کردیئے جائین، ہمارے شعرا سمجھتے ہین کہ جزئی باتون کا بیان کرنا عامیانہ پن ہے، لیکن وہ یہ نہین خیال کرتے کہ اکثر موقعون پر ایک خفیف اور جزئی بات سے واقعہ کی تصویر اسطرح

کھنچ جاتی ہو کہ بڑے بڑے واقعات کے ادا کرنے سے نہین کھنچ سکتی تھی چنانچہ اس کی تفصیل ہم شاعری کی بحث مین **محاکات** کے عنوان مین لکھ آئے ہین،

۳۔ شاعر جب کسی بات کو واقعہ کی حیثیت سے لکھتا ہے تو وہ گو فرضی ہو لیکن اسکا فرض ہو کہ بیان مین ایسی کوئی بات نہ آئے جس سے واقعہ ناممکن یا مشکوک ہو جائے، یہ نقص مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے، کبھی تو جو واقعہ بیان کیا جاتا ہو فی نفسہ ناممکن ہوتا ہے، مثلاً یہ واقعہ کہ جب رستم چلتا تھا تو گھٹنون تک زمین مین دھنس جاتا تھا، کبھی ناممکن نہین ہوتا لیکن موقع۔ وقت، اور حالات کے لحاظ سے ناممکن معلوم ہوتا ہے، مثلاً یہ واقعہ کہ **کیکاوس** نے عقابون کے ذریعہ سے آسمان پر چڑھنا چاہا تھا، کیکاوس کے جو حالات اور واقعات، شاہ نامہ مین مذکور ہین ان سے وہ اس قدر احمق نہین ثابت ہوتا کہ ایسی بیہودہ کوشش کا ارادہ کرے،

غرض واقعہ نگاری کا یہ سب سے مقدم فرض ہے کہ واقعہ کو اس صورت مین ظاہر کیا جائے کہ دل مین اتر جائے،

ان اصول کے بعد ہم **شاہ نامہ** پر تفصیلی ریویو لکھتے ہین،

شاہ نامہ کی تاریخی حیثیت

شاہ نامہ ایک تاریخی نظم ہے اس لئے سب سے پہلے اس پر اس حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیے کہ وہ تاریخی اعتبار سے کیا درجہ رکھتا ہے،

اس امر کے متعلق ہم پہلے حصہ مین جہان **شاہ نامہ** پر ریویو ہے، تفصیل سے بحث کر چکے ہین جہین ہم نے ان یورپین محققین کے اقوال نقل کئے ہین جو ایران کی قدیم

زبانون سے واقف ہین اور جنھون نے تسلیم کیا ہو کہ "فردوسی کا بیان قدیم ایرانی تاریخون سے حرف حرف مطابق ہو" لیکن اس موقع پر ہم اور مختلف حیثیتون سے بحث کرنی چاہتے ہین

ا۔ فردوسی کو اپنی تاریخی ذمہ داری کا اس قدر لحاظ ہے کہ واقعات کے بیان مین سب سے پہلے وہ اپنا ماخذ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہو جیسا کہ عام قاعدہ ہے، شاہ نامہ کے تمام ماخذ یکسان درجے نہین رکھتے یعنی بعض زیادہ مستند ہین، بعض کم بعض اس سے بھی کم، اسلئے وہ ہر موقع پر اس فرق مراتب کی تصریح کر دیتا ہے، اس نے بیان کیا ہے کہ شاہ نامہ کی عام بنیاد ایک قدیم ایرانی تاریخ ہے، جسکی تصنیف کو دو ہزار برس گذر چکے تھے چنانچہ کہتا ہے، ع۔

گذشتہ بر و سالیان دو ہزار

وہ عام واقعات اسی کتاب سے لیتا ہو، انکے لئے ہر جگہ حوالہ دینا ضروری نہین سمجھتا ان سے الگ جو واقعات لکھتا ہے اسکے ماخذ کی تصریح کرتا ہے شغاد کی داستان اس نے خود اسی خاندان کی ایک زندہ یادگار سے حاصل کی تھی چنانچہ لکھتا ہے،

یکے پیر بد نامش آزاد سرو	کہ با احمد سہل بودے بمرد
بسام نریمان کشیدش نژاد	بسی داشتے رزم رستم بیاد
اس کا نسب، سام تک پہونچا تھا،	اسکو رستم کی لڑائیان بہت یاد تھین،
بگویم سخن آنچہ زو یافتم	سخن را یک اندر دگر بافتم
مین نے اس سے جو کچھ سُنا اسکو بیان کرتا ہون	مین نے ایک بات کو، دوسری بات سے جوڑ دیا

بیژن کی داستان کی تمہید مین تصریح کی ہے کہ اسکے واقعات، اسکے ایک منظور نظر نے مہیا کیے تھے، چنانچہ کہتا ہے،

بدان سرو بین گفتم اے ماہ روے — مرا امشب این داستان باز گوے

مین نے اس سے کہا کہ اے ماہرو! — آج کی رات، مجھسے یہ داستان بیان کر

مرا گفت کز من سخن بشنوی — بہ شعر آرے از دفتر پہلوی

اسنے کہا کہ مجھ سے جو سنو، اسکو — پہلوی زبان مین نظم کر ڈالو

طلخند اور **گو** کی داستان، اصلی ماخذ مین نہ تھی اسلیے اس کے راوی کا نام تصریح سے بتا دیا ہے،

چنین گفت فرزانہ شاہوے پیر — وشاہوے پیر این سخن یاد گیر

جس عہد کی اس کو تفصیلی تاریخ نہین ملی وہان صاف تصریح کردی ہے، سکندر نے جب ایران فتح کیا تو اس غرض سے کہ ایران کی قوت تقسیم ہو کر کمزور ہو جائے، ہر ہر صوبہ کا الگ الگ حاکم مقرر کیا جس سے طوائف الملوکی قائم ہو گئی، دو سو برس تک یہ حالت رہی اس عہد کے حالات قلمبند نہین کیے گئے، **فردوسی** اسکا اجمالی تذکرہ کرکے لکھتا ہے،

ازین گونہ بگذشت سالے دویست — تو گفتی کہ اندر جہان شاہ نیست

اس طرح دو سو برس گذرے — گویا دنیا مین کوئی بادشاہ نہ تھا

چو کوتاہ شد شاخ وہم بیخ شان — نگوید جہان دیدہ تاریخ شان

چونکہ انکی شاخ اور جڑ کٹ گئی اس لئے تجربہ کار، ان کی تاریخ نہین بیان کرتا

از ایشان جز از نام نشنیدہ ام نہ در نامۂ خسروان دیدہ ام

جو واقعات اسکو پوری تفصیل کے ساتھ ملے ہین اُنکو تمامہ ادا کیا ہے اور اس کی تصریح کروی ہی کاموس کی داستان ختم کرکے لکھتا ہی۔

سر آورد م این رزم کاموس نیز دراز است و نفتاد از وی یک پشیز

مین نے کاموس کی داستان بھی ختم کی لمبی داستان تھی اور ایک حرف بھی اسکا نہین چھوٹا

گر از داستان، یک سخن کم بُدے روان مرا جائے ماتم بُدے

اگر داستان کا ایک جملہ بھی رہ جاتا تو میری جان کو صدمہ ہوتا۔

۲- فن تاریخ کی ابتدا قصہ اور فسانہ سے ہوئی ہے، یعنی خاندان کے لوگ اپنے باپ دادا کے قصے بیان کیا کرتے تھے، جب تہذیب و تمدن آیا تو یہی قصے قلمبند ہو کر تاریخ بنگئے، اس بنا پر جس قدر قدیم تاریخین ہین ان مین لڑائی اور جنگ و جدل کے علاوہ ملکی نظم و نسق کے واقعات کم ملتے ہین، فردوسی چونکہ جو کچھ لکھتا ہے قدیم تاریخون سے لکھتا ہو اس بنا پر شاہنامہ مین یہ فرق صاف نظر آتا ہے، کیکاوس اور خسرو کے زمانہ تک کے جو حالات ہین ان مین رزم و جنگ کے سوا اور کچھ نہین، جسقدر زمانہ گذرتا گیا اور اور حالات کی آمیزش ہوتی گئی ہے، نوشیروان چونکہ قریب العہد تھا اس لئے اس کے ہر قسم کے ملکی انتظامات کی تفصیل بہم پہنچی ہو اور فردوسی نے انکو مفصل لکھا ہے یہان تک کہ نوشیروان نے مختلف اوقات مین سائلونکی درخواست پر جو احکام لکھے ہین اور جنکو

توقیعات کہتے ہین انکو ایک ایک کرکے لکھتا ہو اور اسکا ایک الگ باب باندھتا ہو۔

۳- تاریخون مین جہان دو حریفونکی لڑائی اور انکے سپاہیانہ کرتبون اور داؤن پیچ کا ذکر آتا ہو عموماً یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعات کیونکر معلوم ہوے جبکہ بعض اوقات دونون حریفون مین سے کوئی میدان جنگ سے واپس نہین آتا تھا **فردوسی** نے ڈہونڈہکر یہ پتہ لگایا کہ عام لڑائی اور پہلوانونکی معرکہ آرائی کے حالات کے محفوظ رکھنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے جنکو **ترجمان** کہتے تھے، فردوسی نے مختلف موقعون پر انکا ذکر کیا ہے،

نہادند پیمان کہ با **ترجمان** نباشند بر خیرگی بدگمان

آپس مین یہ اقرار کیا کہ ترجمان سے بدگمان نہ ہون گے،

بدان تا بدونیک باشہریار بگویند ازین گردشِ روزگار

تا کہ بری بھلی، سب اگر بادشاہ سے بیان کرین۔

کہ کردار چون بود؟ وپیکار چون؟ برزم اندرون کار و کردار چون؟

کہ کیونکر لڑائی ہوئی کیا کام ہوا کس طرح ہوا۔

۴- **فردوسی** کا ہیرو رستم ہے **شاہنامہ** کا مقصد گویا رستم کا کارنامہ ہو، فردوسی کو رستم سے اسقدر محبت ہے کہ جہان اسکا نام آتا ہو وہ محبت کے جوش سے لبریز ہوجاتا ہے، کیقباد کے عہد سے گشتاسپ تک، ایران کی سلطنت گویا رستم کے دست و بازو پر قائم رہی، رستم کی شجاعت، پامردی اور بہادری **فردوسی** کا قومی رجز ہے جسکو سو سو بار پڑہکر بھی اسکو تسلی نہین ہوتی، با این ہمہ فردوسی نے رستم کے کسی عیب پر پردہ ڈالنا نہین چاہا

سہراب کے مقابلہ میں رستم نے جسطرح دروغ گوئی سے کام لیا اسکو اس نے صاف صاف کہدیا، **سیاوش** کے انتقام کے لیے جب رستم نے توران پر حملہ کیا۔ بے توقتل عام کا حکم دیا اور اور تمام ملک کو برباد کرادیا یہ واقعات اسنے بتصریح لکھے ہین، چنانچہ کہتاہی،

ہمہ غارت وکشتن اندر گرفت	ہمہ بوم، بردست وبرسر گرفت
بالکل لوٹنا اور مارنا شروع کیا	سارے ملک کو سرپر اُٹھا لیا
زتوران زمین تا بہ سقلاب وروم	نہ دیدند یک مرز آباد بوم
توران زمین سے لیکر روم تک	ایک شہر بھی آباد نہ رہا،
ہمہ سر بریدند برنا وپیر	زن وکودک وخرد کردند اسیر
بوڑھے جوان سبکے سرکاٹ ڈالے	اورعورتون اوربچون کو قید کرلیا

اسفندیار نے جب رستم کو تیرون سے چھلنی کردیا تو رستم بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا،

فردوسی نے اس واقعہ کو بے کم وکاست لکھا، ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ کوئی چیز اسکو اپنے فرض کے اداکرنے سے مانع نہین ہوسکتی،

۴۔ **فردوسی** نے شاہنامہ کو اس حیثیت سے لکھا ہو کہ وہ پایۂ تخت کا مورخ ہی، اور تمام واقعات شاہی تاریخ ہین، اس لئے تمام کتاب مین یہ حیثیت نمایان ہے، آجکل جو قومی تاریخین یورپ مین لکھی جاتی ہین، انکا یہ انداز ہے کہ ہربات مین اپنی عظمت ثابت کیجاتی ہی حریف سلطنتون کے مقابلہ مین جہان فتح ہوتی ہے اسکو نہایت آب ورنگ سے لکھتے ہین، شکست کی تاویل کی جاتی ہے اور اسکو ماند کرکے دکھایا جاتا ہے، ہرموقع اور محل پر

اپنا فخر، عظمت، برتری ثابت کیجاتی ہی، مورخین اسلام کا اگرچہ یہ طرز نہین، انکو صرف واقعیت سے غرض ہوتی ہی، لیکن فردوسی اس سے مستثنیٰ ہی، اسکی یا تو یہ وجہ ہے کہ اس نے جس تاریخ کو نظم کیا اس کا خود یہ انداز تھا اور اس لئے فردوسی نے اپنی طرف سے کوئی تصرف کرنا نہین چاہا یا یہ وجہ ہے کہ فردوسی خود مجوسی تھا اور قومی حمیت کا اثر اس کے دل سے نہین گیا تھا، بہرحال واقعہ یہ ہے کہ شاہنامہ سرتاپا قومی پاسداری کے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے، ایران کا اصلی مقابلہ توران سے ہی اسلئے ہر جگہ تورانی یا مغلوب ہوتے ہین یا اتفاقیہ فتح پاتے ہین تو یہ گردش زمانہ کا اثر ہوتا ہے، لڑائیون مین ہمیشہ تورانی ہی زیادتی کے مجرم ہین، ایرانی صرف دفاع کرتا ہی، گشتاسپ جب آتش پرست ہو گیا، توران کے بادشاہ ارجاسپ نے اسکو ملامت آمیز خط لکھا کہ تم نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر یہ مذہب کیون اختیار کیا، فردوسی مسلمان تہا اور یہان اسکو موقع حاصل تھا کہ انصاف سے کام لیتا، لیکن اب بھی ارجاسپ ہی ملزم ہے، اور اس لئے گشتاسپ اسپر فتح پاتا ہے اور اسفندیار کے ہاتھ سے اسکو قتل کرا دیتا ہے، عرب کا ذکر شاہنامہ مین اکثر آیا ہے لیکن ایک موقع بھی نہین جو عرب کی تحقیر سے خالی ہو، فریدون۔ اپنے بیٹون کی شاہ یمن کی لڑکیون سے شادی کرنی چاہتا ہے شاہ یمن کو دل سے منظور نہین لیکن فریدون کے آگے سرتابی کی مجال نہین، خود کہتا ہی۔

اگر سر بہ پیچم ز گفتار اوے	ہراسان شود دل ز آزار اوے
اگر مین اُس کی بات سے سرتابی کرون	تو اس کے حملہ کا خطرہ ہو گا۔

کسے کو بود شہریار زمین — نہ بازی است، با او سگالید کین

یہ شخص دنیا کا بادشاہ ہے — اس سے لڑنا کچھ کھیل نہین ہے

فریدون کے بعد کیکاؤس کے زمانہ مین عرب نے ایران سے سرتابی کی اور مصر و شام کی سرحد سے علم بغاوت بلند ہوا،

کیکاؤس نے شام پر حملہ کیا اور بالآخر عربون نے شکست کہا کر پناہ مانگی،

ہمیدون شہ بربر و مصر و شام — بدین گونہ دادند شہ را پیام

کیکاؤس نے انکی جان بخشی کی اور کہلا بھیجا۔ کہ یکسر شما در پناہ منید،

سکندر کی نسبت خود یونانیون کو یہ دعوے نہین کہ اس نے عرب فتح کیا تہا لیکن فردوسی کا بیان ہی کہ سکندر عرب پر بڑہا، حکمران عرب نے جسکا نام **نصر قتیب** تہا بڑہ کر استقبال کیا، سکندر نے جاکر خانہ کعبہ کی زیارت کی، حضرت **ابراہیم** کے خاندان کو سردار بنایا اور ان کے حریف **خزاعہ** کو برباد کر دیا،

ازان جائے با گنج و دیہیم رفت — بہ دیدار **خان براہیم** رفت

وہان سے خزانہ اور تاج کے ساتھ — کعبہ کی زیارت کے لئے آیا،

سکندر ز نصر این سخنہا شنید — ز تخم **خزاعہ** ہر آنکس کہ دید

سکندر نے نصر سے یہ باتین سنین — چنانچہ خزاعہ کے قبیلہ سے جسکو پایا

بکشت و بہ سرشان برآویخت پوست — نماند، ایچ ازیشان دشمن نہ دوست

قتل کر ڈالا، اور ان کے سر لٹکا دئے — اور انمین کوئی باقی نہین رہا

نژاد سمٰعیل را بر کشید | کسے کو از ان مہتری راسزید

سب سے اخیر، عرب کا ذکر اسلامی عہد مین آیا ہے جب حضرت سعد وقاص نے یزدگرد کو دعوت اسلام کا خط بھیجا ہی یہان فردوسی اپنے آپے سے باہر ہو کر ہمہ تن مجوسی بن گیا ہی۔

زشیر شتر خوردن و سوسمار | عرب را بجائے رسید ست کار

اونٹ کا گوشت اور گوہ کہاتے کہاتے | اب عرب کو یہ دن لگے کہ

کہ تخت کیان را کنند آرزو | تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

کیانی تخت کی ہوس ہے | اور آسمان! تجھپر تف ہی اور پھر تف ہے

اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ فردوسی نے جس قوم کی تاریخ لکھی اسکی روایات، خیالات پورے پورے ادا کئے، روایات اور تاریخ کی حیثیت سے یہی اسکا فرض تہا، ایرانی اگر عرب کو حقیر سمجھتے تھے تو فردوسی کو بھی یہی کرنا چاہے تھا،

شاہنامہ ایک انسائکلوپیڈیا ہی اگرچہ قدیم زمانہ مین تاریخ صرف واقعات جنگ کا نام تہا اور شہنامہ مین بھی یہی واقعات زیادہ نمایان نظر آتے ہین، تاہم شاہنامہ ایران کی ایک مبسوط اور جامع انسائکلوپیڈیا ہی، مذہب، فلسفہ، اخلاق، نظام حکومت، ملکی انتظامات، فوجی اصول، مالی آئین، اخلاق، عادات، وضع، لباس، طور طریقے۔ ایک ایک چیز کی تفصیل اس مین ملسکتی ہی، ہم اس موقع پر صرف چند اہم اور ضروری باتین درج کرتے ہین۔

نظام حکومت شاہنامہ سے معلوم ہوتا ہی کہ حکومت کا طریقہ گو شخصی تہا لیکن بادشاہ خود مختار

نہ تھا، مذہبی پیشوا جنکو موبد کہتے تھے اُنکے مشورہ اور استرضا کے بغیر بادشاہ کوئی کام نہین کرسکتا تھا، موبد اور افسران دربار نہایت آزادی سے اپنا فرض ادا کرتے تھے اور ان موقعونپر بادشاہ کے رعب وداب کی کچھ پروا نہین کرتے تھے، کیخسرو نے جب ارادہ کیا کہ تخت سلطنت چھوڑکر کسی پہاڑ مین روپوش ہوجائے تو تمام افسرون نے مخالفت کی، زال نے علانیہ کہا۔

مگر دیو با اُو دیم آواز گشت	کہ از راہ یزدان، سرش باز گشت
غالباً شیطان نے اسکو گمراہ کردیا ہے	کہ خدا کے طریقہ سے پھر گیا ہے

زال نے خود کیخسرو سے جاکر کہا۔

گر این باشد اے شاہ سامانِ تو	نگردد کسے گرد فرمانِ تو
اگر آپ کا یہ ارادہ ہے	تو کوئی آپکی اطاعت نہین کریگا
پشیمانی آید ترا زین سخن	بر اندیش و فرمانِ دیوان مکن
اس بات سے آپکو افسوس کرنا پڑیگا	غور کر لیجئے اور شیطان کے کہنے مین نہ آئے

کیخسرو نے نہایت حلم کے ساتھ زال کی باتون کا جواب دیا اور اپنی مجبوری بیان کی اور ظاہر کیا کہ مین جو کچھ کرتا ہون غیب کی ہدایت ہی، اُس وقت سبنے اپنا اعتراض واپس لیا۔

کیکاؤس نے جب مازندران پر حملہ کرنا چاہا تو درباری اس سے متفق نہ تھے، اُنھون نے ایک مجمع کیا، اور بالآخر یہ رائے ٹھہری کہ زال سب کیطرف سے وکیل ہوکر کیکاؤس کو اس ارادے کے نقصانات جتائے،

وزان پس یکے انجمن ساختند	زگفتارِ او، دل بہ پرداختند

پھر ایک کمیٹی کی | اور اسکی بات دل سے بہلا دی،
نشستند وگفتند بایک دگر | کہ از بخت ما را چہ آمد بسر
ملکر بیٹھے اور یہ مشورہ کیا | کہ یہ کیا بد قسمتی ہے
یکے چارہ باید نمودن برین | کہ این بد بگردد ز ایران زمین

کوئی علاج کرنا چاہیے جس سے یہ بلا ملک ایران سے دور ہو

بہرام کا باپ نہایت ظالم اور سفاک تھا جب وہ مرا تو بہرام یمن مین تھا یہ خبر سنکر ایران روانہ ہوا کہ باپ کے بجائے تخت نشین ہو لیکن لوگون نے اس بنا پر انکار کیا کہ ظالم کے خاندان مین حکومت نہین رہ سکتی، بہرام نے دلائل اور جنگی کارنامون سے اپنا استحقاق ثابت کیا تو بڑی مشکل سے لوگ راضی ہوئے،

جب نیا بادشاہ تخت حکومت پر بیٹھتا تھا تو سب سے پہلے کھڑے ہو کر اسپیچ دیتا تھا، جسمین اپنی پالیسی اور اصول حکومت کا اظہار کرتا تھا، اس کے ساتھ محاسن اخلاق اور پند و موعظت کی باتین کہتا تھا- فردوسی نے بہرام، یزدگرد- نوشیروان، نرسی وغیرہ کے ذکر مین نہایت تفصیل سے انکی تقریرین نقل کی ہین،

فوجی[1] خدمت جبری اور عام تھی حکم تھا کہ ہر بچہ جب ہوش سنبھالے تو لڑائی کی تعلیم پائے،

سواری بیاموز و رسم و جنگ | بہ گرز و کمان و بہ تیر و خدنگ

---

[1] یہ انتظامات اردشیر کے عہد کے ہین-

سن بلوغ کے بعد ہر شخص کو دربار مین حاضر ہونا پڑتا تھا۔ رجسٹر مین اسکا نام اور مقام درج کیا جاتا تھا اور رہنے کے لئے مکان ملتا تھا ہزار سپاہیون پر ایک موبد مقرر کیا جاتا تھا، لڑائی مین موبد ساتھ جاتا تھا، اور سپاہیونکی لیاقت یا نالیاقتی کی رپورٹ کرتا تھا اسطرح تمام ملک فوج بنگیا تھا،

چنین تا سپاہش بدانجا رسید　　　کہ پہنای ایشان ستارہ نہ دید

جو لوگ مفلسی کیوجہ سے بگھرے اور بے خان دمان ہوتے تھے اُنکے لئے سرکار کی طرف سے مکان بنوادئے جاتے تھے، اور روزینہ مقرر کردیا جاتا تھا،

جہان نہر مین پانی کم ہوجاتا تھا اور آب پاشی نہین ہوسکتی تھی وہان کا خراج معاف کردیا جاتا تھا، نادار کاشتکارونکو آلات زراعت اور نقدی دیجاتی تھی۔

گر ایدون کہ دہقان بدے تنگدست　　　سوے نیستی گشتہ کارش زہست

اگر زمیندار، دولتمندی کے　　　بعد مفلس ہوجاتا تھا،

بدادے زگنج آلت و چارپائے　　　نماندے کہ پاشش برفتے زجائے

تو اسکو سرکاری خزانہ سے سامان زراعت اور مویشی دئے جاتے تھے۔

ہر محلہ مین مکتب اور مدرسے تھے جن مین مذہبی تعلیم بھی ہوتی تھی،

بہ ہر برزنے بر دبستان بُدے　　　ہمان جائے آتش پرستان بُدے

تعلیم صرف شرفار کے لئے مخصوص تھی، **نوشیروان** کے زمانہ مین ایک کفن گر ٢
نے لاکھون روپئے پیش کئے کہ اس کے بیٹے کو پڑھنے کی اجازت ملے لیکن نوشیروان نے

منظور نہ کیا،

آردشیر اور نوشیروان کے ذکر مین انتظامات ملکی کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور عرب مورخون نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قانون مالگذاری مین زیادہ تر انہین قواعد کی پیروی کی تھی،

تہذیب و تمدن

شاہنامہ ایران کے تمدن اور تہذیب کا پورا آئینہ ہو اس سے عہد بعہد کی تہذیب و شائستگی کی حالت معلوم ہو سکتی ہو، مہتم بالشان واقعات کو **فردوسی** مستقل حیثیت سے ذکر کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتون کو ضمناً لکھ جاتا ہو، تہذیب کی ابتدا کیومرث نے کی، بھیڑ، اور بکری کے بالون سے کپڑے بنوائے، پہلے زمین پر سوتے تھے، اُس نے بستر اور فرش ایجاد کیا، گھوڑے پالے، وحشی جانورون مین سے سیہ گوش اور چیتے پکڑ کر ان سے کام لیا، باز شاہین، مرغ، وغیرہ کو رام کیا، **جمشید** نے تہذیب کو اور زیادہ ترقی دی، لڑائی کا لباس مثلاً خود، زرہ چلتہ، پاکھر وغیرہ ایجاد کیا، منو کیطرح تمام لوگون کو چار گروہون تقسیم کیا،

جمشید نے عمارت کے فن کو بہت ترقی دی، اس سے پہلے گارا بنانا نہین جانتے تھے، اس نے اینٹ کے سانچے طیار کرائے اور سنگی اور خشتی عمارتین تیار کرائین چقماق سے آگ نکالنا، خوشبو کی چیزین، دوا علاج، جہاز رانی وغیرہ سب اسی کی ایجاد ہین، یہ تمام تفصیل شاہنامہ مین مذکور ہو، رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ کا تمدن پیدا ہوتا گیا، جسکی تفصیل فردوسی ہر موقع پر کرتا جاتا ہو،

دربار مین بادشاہ طلائی تخت پر بیٹھتا تھا جسکے پائے بلور کے ہوتے تھے،

یکی تخت زرین بلورینش پائے — نشستہ بر و بر جہان کدخدائے

ایک شخص سالار بار ہوتا تھا جو لوگون کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا ؎

برفت از در پردہ سالار بار

اُمرا جب دربار مین تخت کے پاس آتے تھے تو زمین کو بوسہ دیتے تھے اور دیر تک سجدے مین پڑے رہتے تھے،

چو نزدیک تخت اندر آمد زمین — ببوسید و بر شاہ کرد آفرین

جب تخت کے پاس آیا تو زمین — چومی اور بادشاہ کی تعریف کی

زمانے ہمی داشت بر خاک روے — بر و داد دل، شاہ آزرم جوے

دربار کے سلام کا یہ طریقہ تہا کہ ہاتھ سینے پر رکھتے تھے اور سر آگے کو جھکاتے تھے

بیامد چو گودرز را دید، دست — بکش کرد و سر پیش بنہاد پست

دربار مین جسپر نوازش ہوتی تھی، اسکے چہرہ اور داڑھی پر مشک چھڑکواتے تھے،

بفرمود تا روئش از خاک خشک — ستردند، و بر روے پراگند مشک

جب کسی معرکہ پر فوجی افسر بھیجے جاتے تھے تو دربار مین بلائے جاتے تھے جواہرات کمخواب، اطلس، مشک، عنبر، خوبصورت غلام، کنیزین دربار مین حاضر کیجاتی تھین، بادشاہ افسرون سے مخاطب ہو کر کہتا تھا کہ جو شخص فلان کام انجام دیگا یہ حصہ اسکا ہے، افسر اور پہلوان آگے بڑھتے اور اپنے اپنے حوصلہ کے لحاظ سے کامون کا بیڑہ اُٹھاتے تھے کیخسرو نے سیاوش کے انتقام کے لئے جب فوجین بھیجی ہین تو اسیطرح تمام افسرونکو

کام تقسیم کئے ہین، فردوسی نے نہایت تفصیل سے ایک ایک کا نام اور انکے کام گنائے ہین،

صلہ اور انعام کے مختلف پرلطف طریقے تھے، کبھی لعل ویاقوت سے منھ بھر دیتے تھے، کبھی روپیون اور اشرفیون کا سرتک انبار لگواتے تھے،

چو برخواند نامہ بہ خسرو دبیر　　زیاقوت رخشان دہان ہجیر
بیاگند، وزان پس بہ گنجور گفت　　کہ دینار و دیبا بیار، از نہفت
بیاورد بدرہ، چو فرمان شنید　　ہمی ریخت تا شد سرش ناپدید

شادی اور استقبال وغیرہ کے موقعون پر گھوڑون کے ایال پر مشک اور شراب، اور سم پر شکر چھڑکتے تھے،

ہمی یال اسپان پُر از مشک و مے　　شکر با درم ریختہ زیر پے

خون کے انتقام مین عہد کرتے تھے کہ جب تک انتقام نہ لینگے بدن سے ہتھیار نہ اتارینگے اور منھ پر پانی نہ ڈالینگے رستم نے سیاوش کے قتل ہونے پر یہی عہد کیا تھا،

بہ دادار دارندہ سوگند خورد　　کہ ہرگز تنم بے سلیح نبرد

کبھی کبھی قتل عام کا حکم دیتے تھے لیکن اس قسم کا واقعہ بہت کم پیش آیا ہو رستم نے سیاوش کے انتقام مین قتل عام کا حکم دیا تھا،

ز توران زمین تا بہ سقلاب روم　　نہ دیدند یک مرز آباد بوم
ہمہ سر بریدند برنا و پیر　　زن و کودک خرد، کردند اسیر

مذہبی آزادی نہ تھی۔ منوچہر کہتا ہے،

برآن بد کنش کو، نہ بردین بود | زیزدان واز منش نفرین بود
وزان پس بہ شمشیر یازیم دست | کنم سر بسر کشور از کینہ پست

مہراب نے زال سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول کرین اس نے اس بنا پر انکار کیا کہ مہراب بُت پرست تھا،

کہ ما مے گساریم دستان شویم!! | سوے خانۂ بت پرستان شویم

عرب مین عورتین دشمن کا کلیجہ کھالیتی تھین، ایران مین خون پی لیتے تھے گودرز نے جب پیران ویسہ کی زخمی لاش پڑی دیکھی تو خون چلو مین لیکر پیا اور چہرہ پر مل لیا،

فرو برد چنگال وخون بر گرفت | بخورد و بیالود روے اے شگفت

تعلیم، شرفا مین عام تھی، امرا اور فوجی افسر اعلیٰ درجہ کی تعلیم پاتے تھے، رستم کے باپ زال کو جب سام نے تعلیم دلانی چاہی تو تمام اطراف ملک سے مذہبی علما، ہیئت دان، فن جنگ کے ماہر بلوائے اور اسکی تعلیم پر مقرر کیے،

زہر کشورے، موبدان راں بخواند | پژوہید ہر چیز دہر گونہ راند
ستارہ شناسان ودین آوران | سواران جنگی وکین آوران

موبدون نے چند برس کے بعد جب زال کا امتحان لیا اور ریاضی وغیرہ کے متعلق سوال کیے، تو زال نے نہایت قابلیت سے جواب دیے فردوسی نے ان سب باتون کو تفصیل سے لکھا ہی، تاہم تعلیم عام نہ تھی، نوشیروان کے زمانے مین ایک نہایت دولتمند موچی

تہا، اس نے یہ درخواست کی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دیجائے نوشیروان نے نامنظور کی اور کہا کہ تجارت پیشہ یا اراذل پڑھکر نوکر ہونگے تو خاندانی آدمیون کے ہاتھ مین کیا رہ جائے گا،

ہنر یابد از مرد موزہ فروش　　　　سپارد بد و چشم بینا د گوش

بہ دست خردمند مرد نژاد　　　　نماند جز از حسرت و سرد باد

ون کو
ی کی تعلیم

لڑکیون کو عموماً موسیقی اور رقص کی تعلیم دی جاتی تھی، بہرام گور جو مشہور بادشاہ گذرا ہے اسکی عادت تھی کہ بھیس بدلکر دیہات اور قصبات مین نکلجاتا اور زمینداروں اور کاشتکارون کے گھر مہمان ہوتا، ان موقعون کا فردوسی جہان ذکر کرتا ہے یہ واقعہ بھی ہمیشہ لکھتا ہے کہ صاحب خانہ، اپنی کنواری لڑکیون کو بلواتا تہا اور وہ اگر مہمان کے آگے گاتی اور ناچتی تھین، گیت یا غزل کو چامہ کہتے تھے اور انہین پہلے مہمان کا نام لیتے تھے

تجہیز و تکفین کے یہ مراسم تھے کہ لاش کو آلائش سے صاف کر کے مشک اور کافور بھرتے تھے تابوت مین تاج شاہی، گلاب کے شیشے، اور زعفران و کافور رکہتے تھے،

بچہ جب پیدا ہوتا تھا تو باپ اُس کے کان مین آہستہ سے کسی کا نام لیتا تھا، پھر نام ایک اور پکار کر کہتا ہے،

بگوشش یکے نام، گفتے پدر،　　　　نہانی دگر آشکارا دگر

نہانی بگفتش بگوشش اندرون　　　　ہمی خواندی آشکارا بزن

عبادت کا خاص لباس تھا، ۶

بہ پوشید نوجامۂ بندگی

آگ کی پرستش جب کرتے تھے تو سفید کپڑے پہنتے تھے، کیخسرو کے حال مین یہ تصریح مذکور ہے،

عورتون کی طرح مرد بھی زیور یعنی کانون مین آویزے، گلے مین طوق، ہاتھون مین کنگن پہنتے تھے، شاہنامہ مین اکثر اسکا ذکر آتا ہی،

پردہ کا رواج

عورتون مین پردہ کا عام رواج تھا، عورتون کا جہان ذکر ہے ان کو "پوشیدہ رو" سے تعبیر کیا ہے،

فن جنگ

ایک تاریخی رزمیہ نظم سے جسمین سرتاپا لڑائیون ہی کا تذکرہ ہو، ہم کو یہ اُمید ہوسکتی تھی کہ اُس سے اُس زمانہ کا فن جنگ معلوم ہوگا، یعنی یہ کہ صف بندی کے کیا اصول تھے، فوج کے حصّون کی کیا ترتیب تھی، حملہ کا کیا قاعدہ تھا، سپہ سالار کسطرح فوج کو لڑاتا تھا، زخمیون کا کیا انتظام تھا، کسرت اور سفرمینا کا کیا طریقہ تھا، لیکن جب ہم ایشیا کی بڑی بڑی تاریخین اس تفصیل سے خالی پاتے ہین تو ایک نظم کی نسبت جس مین شاعر کو شاعری کا فرض بھی ادا کرنا ہے، اس قسم کی شکایت کا کیا موقع ہو؟ تاہم فردوسی نے ان باتون کی جسقدر تفصیل لکھدی ہے اورکہین نہین ملسکتی چنانچہ ہم بعض امور کی تفصیل لکھتے ہین،

فوج کو اکثر ایسے موقع پر قائم کرتے تھے کہ دائین بائین طرف پہاڑ یا نہر ہوتی تھی صرف سامنا کھلا ہوتا تھا،

سپہ را سوے میمنہ کوہ بود ز جنگ دلیران بے اندوہ بود

سوے میسرہ، رود آب روان ۔۔۔ چنان درخور آمد کہ تن را روان

فوج اسطرح جماتے تھے کہ سب سے پہلے پیدل فوجین جنکے ہاتھون مین برچھے ہوتے تھے، انکے پیچھے رسالے، رسالہ کے پیچھے ہاتھیون کی صفین،

پیادہ کہ بد در خود کارزار ۔۔۔ بفرمود تا پیش روے سوار

صفے برکشیدند نیزہ وران ۔۔۔ سپردار، با باد پایان سران

پس پشت ایشان سواران جنگ ۔۔۔ کز آتش بہ خنجر بُردند زنگ

پسِ پشت شان، ژندہ پیلان چو کوہ ۔۔۔ زمین از پے پیل گشتہ ستوہ

طلایہ یعنی حفاظتی فوج الگ ہوتی تھی جسکا کام ہر طرح کی دیکھ بھال رکھنا تھا کہ دشمن دفعتہً کسی اور طرف سے نہ آجائے، فوج کے گرد خندق کھودتے تھے اور اس کو پانی سے بھرتے تھے،

بگرد سپہ بر یکے کندہ کرد ۔۔۔ طلایہ بہ ہر سو پراگندہ کرد

میدان مین لوہے کے گوکھرو بچھاتے تھے کہ دشمن قدم نہ بڑھانے پائے.

خسک بر پراگندہ برگرد دشت ۔۔۔ کہ دشمن نیارد بران جا گذشت

پہاڑ کی پشت پر سوارون کی فوج ہوتی تھی کہ دشمن ادھر سے آنے نہ پائے،

ہمیدون فرستاد بر سوے کوہ ۔۔۔ درفشے و سی صد ز گردان گروہ

نہر کی حفاظت پر، دستے متعین ہوتے تھے،

درفشے فرستاد و سی صد سوار ۔۔۔ نگہبان لشکر سوے رود بار

کسی اونچے مقام پر دیدہ بان متعین ہوتا تھا کہ مخالف فوج کی آمد اور نقل و حرکت کی خبر دیتا رہے، اسکو رات دن جاگتے رہنا پڑتا تھا،

یکے دیدہ بان بر سر کوہ سر | برآمد برآورد، از انبوہ سر
شب و روز گردن برافراختہ | ازان دیدہ گہہ دیدہ برتاختہ
بجستے ہمی راہ توران سپاہ | پے مور را گر بدیدی براہ

جب دو حریف لڑتے تھے تو دونون کے ساتھ ایک ایک ترجمان ہوتا تھا جو لڑائی کی ایک ایک ادا کو دیکھتا تھا، اور آکر بادشاہ کو مفصل رپوٹ سناتا تھا، یہ قاعدہ تھا کہ ان ترجمانون کو کوئی گزند نہین پہونچا سکتا تھا جسطرح آجکل اخبارونکے نامہ نگار جو فوج کے ساتھ جاتے ہین ان کو کوئی شخص ضرر نہین پہونچا سکتا،

نہادند پیمان کہ با ترجمان | نباشند بر خیرگی بدگمان
بدان تا بد و نیک با شہریار | بگوید ازین گردش روزگار
کہ کردار چون بود؟ پیکار چون | برزم اندرون کار و کردار چون

مترجم

مختلف زبانون کے جاننے والے ترجمان کے کام پر مقرر تھے کہ دونون طرف کے پیغام کا ترجمہ کر کے سنائین،

یکے ترجمان را ز لشکر بجست | کہ گفتار ترکان بداند درست

ڈاک کا یہ انتظام تھا کہ ہر منزل پر گھوڑے طیار رہتے تھے، جو خبر جب پہنچانی ہوتی سوار لیکر جاتے تھے اور ہر منزل مین گھوڑے بدلتے جاتے تھے،

زلشکر زخویشان دوتن را بخواند | سبک شان بر اسپ تگاور نشاند
برون شد زپرده سرای پدر | به ہر منزلے برہیونے دگر

طبیب اور جراح

فوج مین طبیب و جرّاح ساتھ ہوتے تھے،

پراگندہ از لشکرت خستگان | زخویش و زپیوند و پیوستگان
بمان تاشوند، از پزشکان درست | زمان جستن، اکنون بدین کارتست

دوحریف جب لڑتے لڑتے تھک جاتے تھے تو گھوڑے سے اُتر کر دم لیتے تھے اور ترجمان گھوڑے تھامے رہتے تھے،

پس از اسپ ہر دو فرود آمدند | زپیکار یکبارہ دم برزدند
گرفتہ بہ دست اسپ شان ترجمان | دو جنگی بہ کردار شیر ژیان

کبھی کبھی آپس کی رضامندی سے جاکر پانی پی آتے تھے،

وزان جابہ دستوری یکدگر | برفتند پویان سوے آب خور

مفید معلومات، | ا۔شاہنامہ کی ہر داستان ایک دلچسپ افسانہ (ناول) ہے، افسانہ نگار جب کوئی واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو صرف واقعہ بیان کرنا اسکا مقصود نہین ہوتا، بلکہ وہ بہت سے مفید اور دلچسپ معلومات کو اس کے ذریعہ سے روشناس کرنا چاہتا ہے، وہ بہت سے ادبی، اخلاقی، علمی، تاریخی، معاشرتی، تمدنی، معلومات کا ذخیرہ سامنے رکھ لیتا ہے، اور موقع بموقع انکو عام واقعات مین اسطرح کھپاتا جاتا ہے کہ کسی شخص کو یہ خیال نہین ہوسکتا کہ عمداً علمی مسائل بیان کئے گئے ہین بلکہ وہ ان کو ایسے دلچسپ طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ یہ بھی

نہین معلوم ہوتا کہ علمی مسائل ہین شاہنامہ کی ہر داستان کا یہی انداز ہی، اور ہر داستان بجائے خود ایک علمی ناول ہی ہم صرف ایک مثال نمونہ کے طور پر لکھتے ہین، شاہنامہ مین زال (رستم کے باپ) کی شادی کی داستان ہے، یہ ایک معمولی واقعہ تھا لیکن فردوسی نے اس کے ضمن مین ایران کے تمدن، تہذیب، معاشرت، اخلاق، تعلیم، فنون جنگ، سیاست، آداب سلطنت، عشقیہ جذبات، پدرانہ محبت، فرزندانہ ناز، مستورات کی حالت اور اس قسم کی بہت سی مفید اور دلچسپ باتونکو ادا کر دیا ہے اور اسطرح ادا کیا ہی کہ بظاہر یہ نہین معلوم ہوتا کہ اس نے ان واقعات کو قصداً ذکر کیا ہی، یہ واقعات گو باہم اجنبی ہین، لیکن اسطرح حُسن ترتیب سے ادا کئے گئے ہین کہ ایک واقعہ دوسرے واقعہ سے پیدا ہوگیا ہی،

شادی کی بنیاد عشق و محبّت پر رکھی ہے، اور گویا اس مسئلہ پر توجہ دلائی ہی کہ طرفین کی پسندیدگی کے بغیر ایک ایسے تعلق کا قائم ہوجانا جو تا حیات باقی رہے گا، پسندیدہ نہین

رودابہ جب زال پر عاشق نادیدہ ہوگئی اور اس نے اپنی خواصون سے اسکا اظہار کیا ہی تو ان سبھون نے سخت مخالفت کی کہ زال کے بال سفید ہین، رودابہ نے کہا جیسا کچھ ہی مین اُسی پر مرتی ہون، وہی میرے درد کی دوا ہے،

دلِ من چو شد بر ستارہ تباہ	چگونہ توان شاد بودن بماہ
جب مین ستارہ پر مرتی ہون	تو مجھکو چاند سے تسکی نہین ہوسکتی
کرا سر کہ دارو بود بر جگر	شود زانگبین درد او بیشتر
جسکی دوا سرکہ ہے	شہد اسکو اور ضرر کرے گا۔

بااین ہمہ اس بات کو پیش نظر رکھا کہ پسندیدگی کا معیار حُسنِ صورت کے بجائے حُسن سیرت ہونا چاہیے اس لیے رودابہ کی زبان سے کہتا ہے،

بر دہ بسر بانم نہ بر روے وموے | بسوے ہنر گشتمش مہر جوے

مین اُسپر مرتی ہون نہ اُسکے خال و خط پر | مجھکو اسکے ہنر سے محبت ہے

شاہنامہ مین ہر جگہ عورتون کے رتبہ کا معیار نہایت بلند قائم کیا ہو اس لیے یہان بھی رودابہ کی نکتہ سنجی اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ خواصون نے رودابہ کا میلان طبع دیکھا تو اسکی ہم زبان ہوگئین،

بآواز گفتند ما بندہ ایم | بہ دل مہربان و پرستندہ ایم

پکار کر بولین کہ ہم آپکی لونڈیان ہین | اور دل سے خدمت گذار ہین،

یہان کنیزون اور پیش خدمتون کی وفاداری اور جان نثاری کا کیرکٹر دکھایا ہو چنانچہ انکی زبان سے کہتا ہو،

اگر جادوے بایدآمو ختن | بہ بند و فسون چشم ہا دوختن

بہ پرّیم تا مرغ جادو شویم | بپوئیم و در چارہ، آہو شویم

یعنی اگر اس کام مین جادوگری کی ضرورت ہو تو ہم مرغ بنکر اُڑین گے، اور ہرن بنکر دوڑین گے،

یہ کہکر پانچ کنیزین چوٹی مین پھول رکھکر گھر سے نکلین زال ایک جھیل کے کنارے خیمہ ڈالے پڑا تھا، یہ اس پار پھول چننے لگین، زال نے انکو دیکھا تو غلام سے کہا کہ کمان لا

چشمہ مین مرغابیان تھین، غلام سے کہاکہ انکو آواز دیکر اڑا دے، اڑین تو تیر مارا اور زخم کہاکر گرین، زال نے غلام کو انکے پکڑنے کے لئے بھیجا، یہین کنیزین پھول چن رہی تھین، اس ضمن مین زال کی قدر اندازی، شکار کا طریقہ کہ پرند کو اڑاکر مارتے ہین، کنیزونکو اپنا جوہر دکھاکر فریفتہ کرنا، ان باتونکو ادا کیاہی، غلام کنیزونکے پاس آیا تو کنیزون نے پوچھا " یہ کون جوان ہے؟ ایسا تیر انداز ہم نے نہین دیکہا، غلام نے نام ونشان بتایا اور کہاکہ آج زمانے مین اسکا ہمسر نہین، کنیزون نے کہا" نہ کہو ہماری ملکہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے" بالاخر دونون فریق نے تسلیم کیاکہ اس سے بہتر جوڑ نہین ہوسکتا، غلام نے واپس آکر زال سے تمام ماجرا کہا، سلام وپیام کے بعد زال خود کنیزونکے پاس آیا اور رودابہ تک رسائی کی تدبیر پوچھی، اور یہ ٹھہری کہ زال کمند کے سہارے بالاخانہ پر جائے چونکہ زال کا جو کچھ جوہر ہے سپہگری ہے اسلئے ہر موقع پر فردوسی نے اس کا لحاظ رکھاہی، زال کنیزونکو اپنا مفتون کرتا ہے تو شکار افگنی سے کرتا ہی، کوٹھے پر چڑھتا ہی تو کمند کے سہارے سے چڑھتا ہے، کنیزون نے آکر رودابہ سے زال کی مداحیان کین اسکے ساتھ اسکی رعنائی وخوبروئی کی بھی تعریف کی، رودابہ نے معشوقانہ شوخی سے کہا،

ہمان زال کو مرغ پرورده بود چنان پیر سربود وپژمرده بود

برخ شد کنون چون گل ارغوان سہی قد وزیبا رخ وپہلوان

یعنی وہی زال جو سفید مو اور بدشکل تہا اب گلرو اور سرو قد بنگیا، غرض زال رودابہ کے محل کے پاس آکر بالاخانہ کے نیچے ٹھہرا، رودابہ بالاخانہ پر آئی، طالب مطلوب

کی پہلے پہل کی ملاقات، ہم صحبتی، ہم سخنی، راز و نیاز، عشقیہ شاعری کے عمدہ ترین موقع ہین، فردوسی اگرچہ بالطبع متین اور خشک مزاج ہی کتاب کا موضوع بھی اس کوچہ سے الگ ہی تاہم موقع پڑا تو شاعرانہ کمال کی وجہ سے اُس نے اس داستان کو نہایت رنگینی اور دلآویزی سے ادا کیا،

زال کو دیکھکر رودابہ نے اپنی چوٹی لٹکا دی کہ اسکے سہارے سے چڑھ آؤ،

بگیر این سر گیسو از یک سویم — ز بہر تو باید ہمی گیسویم

میری چوٹی کا ایک سر پکڑ لو — یہ گیسو اسی کام کے ہین،

بدان پروریدم این تار را — کہ تا دستگیری کند یار را

اسی غرض سے مین نے یہ تار پالے تھے — کہ دوست کی دستگیری کیلئے کام آئین

زال نے چوٹی کو چوما اور اس ذوق سے چوما کہ چومنے کی آواز رودابہ تک پہنچی ع

کہ بشنید آواز بوسش عروس

کمند ڈالکر بالاخانہ پر اُترا، رودابہ بڑھکر تسلیم کو جھکی اور ہاتھ مین ہاتھ ڈالکر ایوان زرنگار مین لائی،

گرفت آن زمان دست دستان بدست — برفتند ہر دو بہ کردار مست

باایں ہمہ رودابہ نے شرم وحیا کا لحاظ قائم رکھا، وہ دل کی تڑپ سے بیقرار تھی، تاہم آنکھ بھر کر نہین دیکھ سکتی تھی، ع

بہ دزدیدہ در روے ہمی بنگرید

دز دیدہ نگاہی سے زال کو دیکھتی تھی

ہم آغوشی، بوس و کنار، سب کچھ ہوا لیکن فردوسی شہادت دیتا ہی اور ہمکو اسکی شہادت پر اعتبار ہی کہ یہی اخیر سرحد تھی،

ہمی بود بوس و کنار و نبید — مگر شیر کو گور را نشکرید

بوس و کنار اور شراب خواری رہی — لیکن شیر نے گورخر کو پھاڑا نہین،

دونون نے وفاداری کا عہد باندہا رودابہ نے ان مؤثر لفظون مین اس مضمون کو ادا کیا،

جہان آفرین بر زبانم گواہ — کہ بر من نباشد کسے بادشاہ

خدا میرا گواہ ہے کہ — مجھپر تیرے سوا کوئی حکمران نہین ہوسکتا

اب صبح ہونے کو آئی، دونون نے مشرق کی طرف دیکھکر کہا کہ اے آفتاب! آج اتنا جلد نہین آنا چاہیے تہا ع

نبایست آمد چنین در ستیز

زال نے دربار کیا اور حاضرین کے سامنے ایک لکچر دیا[1]. پہلے خدا کی تعریف کی کہ اس نے دنیا پیدا کی، مختلف موسم پیدا کیے اور ہر چیز کے جوڑے بنائے،

ہر آنچہ آفرید[2] است جفت آفرید — کشادہ ز راز نہفت آفرید

[1] اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ اہم معاملات مین سلاطین اور امرا دربار مین اسپیچ دیتے تھے، [2] یہ شادی اور نکاح کا فلسفہ ہی یعنی نکاح ایک قانون قدرت ہی جو تمام کائنات مین جاری ہی، آج جدید مسلہ جدید تحقیقات سے ثابت کر دیا کہ ہر چیز مین نر و مادہ ہے، اور دونون کے امتزاج سے انواع وجود مین آتے ہین، البتہ بعض اس قسم کے ہین کہ ایک ہی ہیولی

پھر نکاح کی ضرورت بیان کی کہ اسکے بغیر انسان کا نام زندہ نہین رہ سکتا،

بگیتی بماند ز نر زند نام   کہ این پور زال است وآن پور سام

تمہید اور نکاح کا فلسفہ بیان کرتے کرتے دفعتہً کہتا ہو اور یہ کسقدر عمدہ گریز ہو،

کنون این ہمہ داستان من است

یعنی یہ جو کچھ مین کہہ گیا میرا ہی قصہ ہے

رودابہ کا خاندان ضحاک سے تعلق رکھتا تہا جس سے کیانیون کو خاندانی عداوت تھی جب یہ خبر منوچہر کو پونچی تو اس نے سام کو لکھ بھیجا کہ کابل پر حملہ کرے اور اس خاندان کو برباد کر دے سام ایک بڑی فوج لیکر کابل کیطرف بڑہا زال کو یہ خبر ہوئی تو باپ کی خدمت مین حاضر ہوا، دربار کے قاعدہ کے موافق پہلے زمین چومی،

زمین بوسی کے بعد سام کی مدح وثنا کی، پھر کہا کہ تمام دنیا آپکے عدل والصاف سے بہرہ ور ہے صرف مین محروم ہون،

زال نے اس مؤثر طریقے سے اپنی مظلومی بیان کی کہ سام نے سر جھکا لیا زال نے کہا:

"مین ایک بدقسمت مرغ پروردہ ہون، جب مین پیدا ہوا تو آپنے مجھکو پہاڑ پر لیجاکر پھینکدیا، مجھکو نہ گہوارہ نصیب ہوا نہ مان کا دودہ، اسکے سوا میرا کوئی جرم

(بقیہ صفحہ ۲۸۱) یعنی ذکوری اور اناثی دونون مادے ہوتے ہین اور دونون کا امتزاج ہوتا ہے یہی ہے جسکی طرف فردوسی نے اشارہ بلکہ تصریح کی ہے، ع

ہر انچہ آفریدہ است جفت آفرید

نہ تھا کہ مین سام کا فرزند ہون، آپ خدا سے لڑتے تھے کہ اُس نے کیون مجھکو آپکے یہان پیدا کیا۔ خیر مین کسی طرح بلکر بڑا ہوا، ہر قسم کے ہنر سیکھے، قابلیت پیدا کی، زور، قوت، تاج ونگین حاصل کیا، تو اب آپ اس ارادہ سے آے ہین کہ میری مطلوبہ کا گھر برباد کرین، یہ میرا سر حاضر ہے تلوار سے اڑا دیجئے[1] لیکن کابل کا کیا قصور ہے؟ اس کو کیون آپ برباد کرنے آے ہین"

زما در بزادم بسیندا ختی ۔۔۔ بکوہ اندرون جبا نگہ ساختی

نہ گہوارہ دیدم نہ پستان شیر ۔۔۔ نہ از ہیچ خویشی، مرا بود دیر

ترا با جہان آفرین بود جنگ ۔۔۔ کہ از چہ سپید وسیاہ است رنگ

زما تر مذر ان ہدیہ این ساختی ۔۔۔ ہم از کرگساران بدین تاختی

کہ ویران کنی کاخ آبادِ من ۔۔۔ چنان دادخواہی ہمی دادِ من

من اینک بہ پیش تو استادہ ام ۔۔۔ تن زندہ، خشم ترا دادہ ام

بہ ارہ[2] میانم بدو نیم کن ۔۔۔ ز کابل مپیمائے با ما سخن

سام کی فوجین کابل کے قریب آگئین تو مہراب سخت پریشان ہوا اور اپنی بیوی سین دخت کو بلاکر کہا کہ مین سام کا مقابلہ نہین کر سکتا اس لئے اس کے سوا کوئی تدبیر نہین کہ تجھکو اور رودابہ دونون کو قتل کر دون کہ جھگڑا مٹ جاے۔ سین دخت نے کہا مین خود

[1] جذبات کا اظہار اور بیکسی اور مظلومی کی تصویر اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے، اسکے ساتھ باپکے آداب اور اطاعت کا سر رشتہ ہاتھ سے نہین جانے دیا ہے۔

[2] اس سے ظاہر کرنا ہے کہ رودابہ تا دم موت کے ساتھ ہمیشہ برجا نہ رہا۔

سام کے پاس جاتی ہون اور اسکا بند وبست کرتی ہوں[1]، یہ کہکر اس نے پیش کش کا سامان کیا، جسکی تفصیل یہ ہی، لاکھ اشرفیان۔ دس گھوڑے، ساٹھ زرین کمر غلام جنمین سے ایک ایک کے ہاتھ مین زرین جام اور ہر جام مین مشک و یاقوت اور جواہرات تھے ایک جام مین شراب اور ایک مین شکر تھی، چالیس کمخواب کے تہان جنپر موتی ٹکے ہوئے تھے، دو سو ہندی تلوارین، اونٹنیان جنکے بال سرخ تھے۔ سو بارکش اونٹ، ایک گوہر نگار تاج، ایک تخت زرین، طوق۔ کنگن، اور آویزے[2]۔

سین دخت گھوڑے پر سوار سام کے محل کے پاس پونچی اور دربانون سے کہا میرے آنے کی اطلاع کرو، سام نے دربار مین بلایا سین دخت پہلے آداب بجالائی، پھر نذر اسنے پیش کئے، اور مدحیہ جملون کے بعد کہا کہ "مجرم اگر ہے تو مہراب ہی، شہر اور اہل شہر نے کیا قصور کیا ہے جو آپ کابل کے برباد کرنے کو آئے مین، ہمارا اور آپ کا خدا ایک ہی

---

[1] فردوسی نے ہر جگہ عورتون کی قابلیت اور لیاقت ثابت کی ہی، اس لئے یہان بھی اس مشکل کو عورت ہی حل کرتی ہی فردوسی کو واقعہ پر قناعت نہین اسلئے صاف صاف کہتا ہی۔

یکے چارہ آورد از دل بجاے	کہ از ژرف بین بد بہ تدبیر و راے
اس نے ایک تدبیر نکالی کیونکہ	وہ عقل مین شوہر سے بڑھکر تھی،

اس ضمن مین یہ بھی دکہایا ہی کہ عورتین ہر قسم کے مہمات مین شریک ہوتی تھین اور نامہ و سلام انکے لئے معیوب نہ تہا، [2] پیش کش کی تفصیل مین متعدد نکتے پیش نظر رکھے ہین،

اس زمانے کی رسم ورواج کا اظہار، غلامی کا رواج تہا، سلاطین اور امرا زیور پہنتے تھے چنانچہ ان تحفون مین طوق، کنگن اور آویزے ہین، سواری کے لیے سرخ بال اونٹنیان پسند کی جاتی تھین اس لئے بتصریح کہا ہے، ع د اشتر ہمہ مادہ و سرخ موے

شراب اور شکر شگون نیک کا کام دیتے تھے۔

ہم بت کو پوجتے ہین لیکن اس کو خدا نہین سمجھتے، بلکہ وہ قبلۂ عبادت ہی جسطرح آپ آگ کو قبلہ سمجھتے ہین،

گذشتہ از و قبلۂ ما بتے است [1] چہ در چین و کابل چہ در ہند و بست

رودابہ نے اس خوبی سے مطالب بیان کئے کہ سام بھی نہایت متاثر ہوا اور اسکی سب باتین قبول کین،

سام نے زال کو عرضی کے ساتھ منوچہر کے پاس بھیجا عرضی مین پہلے اپنے حقوق بیان کئے پھر یہ ظاہر کیا کہ اب مین بڑھاپے سے معذور ہوتا جاتا ہون اس لئے میری خدمات زال انجام دے گا، اخیر مین یہ ذکر تھا کہ زال کو رودابہ سے محبت ہو گئی ہی اور چونکہ وہ پہاڑ پر پلا اسلئے ایک ماہ رو پر اسکا فریفتہ ہوجانا محل تعجب نہین حضور اس پیوند کی اجازت دین"

زال منوچہر کے دربار مین آیا، تخت کے پاس آکر زمین چومی، دیر تک سر بسجدہ رہا، منوچہر نے حکم دیا کہ اسکے چہرہ کی گرد صاف کر کے مشک چھڑکی جائے، [2] دوسرے دن منوچہر نے عام دربار کیا، منجمون سے رائے لی پھر موبدون کو حکم دیا کہ زال کا امتحان لین موبدون نے بہت سے علمی سوالات کئے، [3] زال نے سب کے معقول جواب دئے، تیسرے دن زال کی

---

[1] فردوسی نے اس تقریب سے بُت پرستی کی حقیقت اور مذہبی تعصب کی برائی بیان کی،

[2] سلاطین ایران جس سے خوش ہوتے تھے، اُسکی داڑھی پر مشک چھڑکواتے تھے۔ [3] اس ضمن مین فردوسی کو یہ دکھانا تھا کہ تعلیم اُس زمانہ مین اسقدر عام تھی کہ فوجی خاندان، اور امرا بھی، ہر قسم کے علمی مسائل کی تعلیم پاتے تھے۔

سپہگری کا امتحان لیا اور زال کی آرزو پوری کی،

زال کابل مین آیا اور دھوم دھام سے شادی ہوگئی

اس داستان کے ضمن مین فردوسی نے فلسفیانہ مسائل، مذہبی اصول، اس زمانہ کا تمدن، معاشرت۔ رسم ورواج وغیرہ وغیرہ بہت سے مختلف اور گوناگون معلومات ادا کر دیے

کیرکٹر شاہنامہ مین سیکڑون ہزارون مختلف اشخاص کا ذکر آیا ہو جنمین عرب، عجم ترک، حبشی، ہندی، شاہ، گدا، امیر، غریب، آقا، غلام، عالم، جاہل، شریف، رذیل، تاجر، پیشہ ور زاہد، رند، بوڑھے، جوان، بچے غرض ہر جنس اور ہر قسم کے لوگ داخل ہین، انمین سے جس کا جہان ذکر آیا ہے اسکا امتیازی وصف صاف الگ نظر آتا ہو، ذیل کی مثالون سے اس کا اندازہ ہوگا۔

(۱) جب رستم بیژن کے چھڑانے کے واسطے توران گیا ہو تو اس غرض سے کہ لوگونکو اسکے نام ونشان کا پتہ نہ لگ جائے سوداگر بنکر گیا ہے؟ بہت سا مال اسباب ساتھ لیا ہو توران پہونچکر دکان کھولی اور تجارتی سامان ہر طرف پھیلا دیے بہت جلد اسکا شہرہ پھیل گیا، دور دور سے لوگ اسکی دُکان اور سامان دیکھنے کے لئے آئے منیژہ[1] یہ خبر سنکر کہ ایران سے سوداگر آیا ہے دوڑی آئی، اور رستم سے کہا کہ ایران مین کسی کو بیژن کی بھی خبر ہے؟ وہ غریب کنوئین مین مرا جاتا ہے،" رستم نے اس خیال سے کہ کہین پردہ فاش ہو جائے منیژہ کو زور سے ڈانٹا کہ" مین بیژن ویژن نہین جانتا، بیفائدہ کیون میرا سر پھراتی ہے"

[1] افراسیاب کی بیٹی جو بیژن پر عاشق ہوگئی تھی اور جسکی بدولت بیژن کنوئین مین قید کیا گیا،

بدو گفت کز پیش من دور شو — نہ خسرو شناسم نہ سالار نو

رستم نے اس سے کہا چل ہٹ — مین نہ خسرو کو جانتا ہون اور نہ کسی کو

نہ دارم ز گودرز گیو آگہی، — کہ مغزم ز گفتار کردی تہی

مجھکو گودرز و گیو کی خبر نہین، — تو نے میرا سر بک بک سے خالی کردیا

منیژہ صدمہ سے بیتاب ہوگئی اور رو کر بولی کہ "کیا ایران مین یہی دستور ہے کہ لوگ غریبونکی بات نہین سنتے"

چنین باشد آئین ایران مگر — کہ درویش را کس نگوید خبر

رستم کا دل درد سے بھر آیا اور نرمی سے کہا کہ واقعی مجھکو گیو وغیرہ کی کچھ خبر نہین، باقی مجھکو غصہ جو آیا تو اس وجہ سے کہ تو نے آکر میرے کاروبار مین ہرج ڈالدیا۔

بدین تندی از من میازار بیش — کہ دل بستہ بودم ببازار خویش

اس غصہ پر تو مجھسے ناراض نہ ہو — میرا دل دکان مین لگا ہوا تھا۔

ہمی در نوشتی تو بازار من، — ازین روی بد با تو پیکار من،

تو نے میرا کاروبار برہم کردیا — اس لئے مین تجھ پر جھلا اُٹھا

یہ خاص دکانداروں کا کیرکٹر ہے۔ دوکاندار کسی چیز سے اسقدر برہم نہین ہوسکتا، جتنا خرید و فروخت مین ہرج ڈالنے سے ہوسکتا ہی چونکہ رستم سوداگری کے لباس مین ہی، اسلیئے فردوسی نے سوداگرونکا خاص کیرکٹر دکھایا ہی، اسی قسم کا موقع اسفندیار کو پیش آیا ہے وہ بھی اپنی بہنون کو چھڑانے کے لئے سوداگر بنکر گیا ہے اسکی بہنونکو جب یہ خبر ہوئی

کہ اُنکے وطن سے ایک تاجر آیا ہے تو دوڑی ہوئی آئین اور پوچھا کہ آپ اسفندیار کو بھی جانتے ہین ؟ اسفندیار نے کہا مجھکو بادشاہون اور شاہزادون کی کیا خبر، مین اپنے پیٹ کے دھندے مین رہتا ہون،،

نہ بینید کاید نہ دغندہ ام — زہرِ خودرِ خویش کوشندہ ام

(۲) فریدون نے اپنے بیٹون کی شادی شاہ یمن کے خاندان مین کرنی چاہی ہو اور اس غرض کے لئے سفارت بھیجی ہو، شاہ یمن کو تردد ہوا کہ اگر انکار کرتا ہون تو فریدون ناراض ہوتا ہو، اور اقرار کرتا ہون تو خاندان کو بٹہ لگتا ہو، عرب کسی اور قوم کو اپنا کفو نہین سمجھتے تھے، غرض اُس نے درباریون سے مشورہ کیا اور یہ جتا دیا کہ فریدون بڑے زور و اقتدار کا بادشاہ ہے اسکا مقابلہ کچھ آسان بات نہین، درباریون نے جواب دیا۔

کہ ما ہمگنان این نہ بینیم رائے — کہ ہر باد را تو بہ جنبی ز جائے

اگر شد فریدون چنین شہریار — نہ ما بندگانیم باگوشوار

یعنی "ہم لوگون کی یہ رائے نہین کہ جدھر کی ہوا بدلے آپ اُدھر جھک جائین فریدون بادشاہ ہی تو ہو، ہم بھی حلقہ بگوش غلام نہین ہین"

سخن گفتن و رنجش آئین ماست — عنان و سنان باختن دین ماست

زبان آوری اور تندمزاجی ہمارا شیوہ ہے — شہسواری اور نیزہ بازی ہمارا مذہب ہے۔

عرب کے ہر قسم کے اوصاف اخلاق اور عادات کا سرچشمہ دو چیزین ہین فصاحت و بلاغت اور حمیت و غیرت، ان دونون وصف کو فردوسی نے سخن گفتن اور رنجش سے تعبیر

کیا ہے، یہ دو لفظ عرب کے کیرکٹر کی پوری تصویر ہین۔

(۳) رستم نے جب منیژہ کو اپنی انگوٹھی دیکر بیژن کے پاس بھیجا تو بیژن پہچان گیا اور بیساختہ ہنس پڑا منیژہ چونکہ رستم سے واقف نہ تھی اسکو حیرت ہوئی کہ اس مصیبت مین خوشی کا کیا موقع ہی، بیژن نے کہا کہ اگر تم اقرار کرو کہ راز افشا نہ کرو گی تو مین بتاؤن۔

یاد رکہنا چاہیے کہ منیژہ اسدرجہ وفادار ہی کہ اُسنے بیژن کے لئے شاہانہ عیش و آرام اور گھر بار چھوڑا، بیژن اسکی وفاداری سے واقف، اور اسکا معترف ہی، یہ سب کچھ ہے تاہم راز داری عورت کا کیرکٹر نہین اسلئے بیژن رکتا ہی، قسم لیتا ہے اور پھر کہتا ہے۔

اگر لب بدوزی ز نہبر گزند ‌ ‌ ‌ زنان را زبان ہم نماند بہ بند

یعنی اگر عورت کے ہونٹھ سی دے جائین تب بھی اسکی زبان بند نہین رہ سکتی بیژن کی اس بدگمانی کا منیژہ کو جو صدمہ ہونا چاہیے تھا ہوا، وہ چلا اٹھی اور کہا۔

دریغا کہ شد روزگاران من ‌ ‌ ‌ دل خستہ و چشم گریان من

بدادم بہ بیژن دل و خانمان ‌ ‌ ‌ کنون گشت بر من چنین بدگمان

پدر گشتہ بیزار و خویشان ز من ‌ ‌ ‌ برہنہ دوان بر سر انجمن

ہمان گنج و دینار و تاج و گہر ‌ ‌ ‌ بتاراج دادم ہمہ سربسر

بپوشد ہمی راز بر من چنین، ‌ ‌ ‌ تو آگہ تری اے جہان آفرین

یعنی "ہائے میری عمر غم مین روتے روتے کٹ گئی ہین بیژن کو اپنا دل اور گھر بار سب کچھ دے چکی، باپ ناراض ہے عزیز خفا ہین، ننگے سر باہر پڑی پھرتی ہون،

خزانے۔ روپے پیسے، سب لٹا چکی، اب بھی بیٹرن مجھسے بھید چھپاتا ہے، اے خدا اسکا انصاف تیرے ہاتھ ہے"

(۳) بہرام گور ایک مشہور بادشاہ گذرا ہی اس کے باپ نے معلوم نہین کن اسباب سے اُسکی پرورش عرب مین کرائی تھی جب وہ پیدا ہوا تو یمن سے منذر کو بلاکر کہا کہ یہ بچہ مین تمہارے حوالہ کرتا ہون، تم اسکی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرو منذر نے کہا۔

منرہائے ماشاہ دانند ہمہ | کہ او چون شیان ست و ما چون رمہ
سواریم و گردیم و اسپ افگنیم | کسے را کہ دانا بود بشکنیم

ہم سوار ہین، پہلوان ہین۔ | اسپ افگن ہین، اور پڑھے لکھے کو تباہ کر دیتے ہین

اِس جہالت کو دیکھو کہ شہسواری اور پہلوانی کے ساتھ اس بات پر بھی فخر کرتا ہی کہ ہم لوگ پڑھے لکھے آدمی مار ڈالتے ہین، غرض منذر بہرام گور کو یمن لے گیا۔ اور اسکی پرورش شروع کی، بہرام جب سات برس کا ہوا تو اُس نے منذر سے کہا کہ آپ میری تعلیم کا انتظام کیجیے، منذر نے کہا کہ ابھی پڑھنے کے دن نہین، اسکا زمانہ آئیگا تو مین خود انتظام کرونگا۔

چو ہنگام فرہنگ باشد ترا | بہ دانائی آہنگ باشد ترا
بہ ایوان نمانم کہ بازی کنی | ببازی ہمی سرفرازی کنی

بہرام نے کہا۔

مرا بجز دمی ہست اگر سال نیست

گو میری عمر زیادہ نہین لیکن عقل ہے

پھر تعلیم کی ضرورت بیان کی اور منذر سے کہا۔

ترا سال ہست و خرد کمتر ست	نہادِ من ورا اے تو دیگر ست
تو سن رسیدہ ہو لیکن عقل کم ہے	میری اور تیری فطرت مین فرق ہے
نگہ کرد منذر بر و خیرہ ماند	بزیر لبان نام یزدان بخواند
منذر اسکی طرف دیکھکر حیران رہ گیا	اور خدا کا نام لیا۔

شاہ نامہ مین جن اشخاص کا ذکر آیا ہو انکا خاص خاص کیرکٹر ہے اور یہ کیرکٹر ہر جگہ محسوس ہوتا ہو مثلاً اشخاص ذیل کا کیرکٹر حسب ذیل ہے،

کیکاؤس	جاہ و عظمت و حوصلہ مندی کے ساتھ حماقت اور زود اشتعالی۔
کیخسرو۔	علو ہمت شجاعت، رحم، عدل و انصاف۔
رستم	پہلوانی اور تخت کی وفاداری،
سہراب	شجاعت کی بدمستی اور البیلاپن۔
اسفندیار	شجاعت کے ساتھ تخت حکومت کی سخت حرص۔
افراسیاب	جور و ظلم و شجاعت،
بیژن	شجاعت اور دوستانہ وفاداری۔

اشخاص مذکورہ بالا کا جہان جہان ذکر آیا ہو یہ کیرکٹر کہین نہین بدلتے اور فوراً معلوم ہو جاتا ہو کہ یہ وہی تصویر ہے جو پہلے نظر سے گذر چکی ہے مثلاً گشتاسپ نے جب

یہ چاہا کہ اپنے بیٹے اسفندیار کو کسی حیلے سے قتل کرا دے تو اس سے کہا کہ "مین تمکو تاج و تخت اس شرط پر دونگا کہ رستم کو گرفتار کر کے لاؤ"، اسفندیار سلطنت کا اس قدر حریص تھا کہ اس ناممکن اور نامناسب کام کے لئے آمادہ ہوگیا رستم زابل مین تھا وہان پہنچکر رستم سے یہ خواہش ظاہر کی، رستم وہ شخص تہا کہ کیقباد سے لیکر اس زمانہ تک، ایرانی سلطنت اسکی بدولت قائم رہی، وہ اس ذلت کو کیونکر قبول کرسکتا تھا، اس نے کہا کہ مین یون آپکے ساتھ چلتا ہون، وہان گشتاسپ کا جو حکم ہوگا بجالاؤن گا، اسفندیار نے نہ مانا، بالآخر لڑائی ہوئی، رستم زخمی ہوا اور رات ہوجانے کیوجہ سے لڑائی دوسرے دن پر اُٹھا رکھی گئی، رستم نے سیمرغ سے سے مدد طلب کی، اس نے ایک تیر دیا کہ یہ خطا نہ کرے گا، دوسرے دن رستم مقابلہ کو گیا، پہلے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ اس ارادہ سے باز آئے اسفندیار نے نہ مانا، اب رستم مجبور ہوا، تیر کمان ہاتھ مین لی چلہ چڑہایا رستم اگرچہ بالکل بے قصور تھا، اور اسفندیار چونکہ اس کو بے وجہ قتل کرنا چاہتا تہا اسلئے جان بچانا اسکا فرض تہا، تاہم چونکہ اسفندیار ولی عہد سلطنت تہا اور رستم اسی تخت کا نمکخوار تھا اس لئے وفا شعاری کے احساس سے اسکا دل کانپتا ہے، بار بار خوشامد کرتا ہے بالآخر اسفندیار کے بھائی پشوتن کو بلاتا ہے کہ گواہ رہنا مین بے قصور ہون،

رستم کو نمکخواری کا پاس

بداند کہ از من نہ بُد جنگ و کین نہ گردیدم از کیش و آئین و دین

سن لو لڑائی میری طرف سے نہ تہی، مین نے آدمیت اور مذہب سے منھ نہین موڑا

اسفندیار ہنستا ہے کہ "یہ بہانہ ہے، تو لڑائی سے جی چُراتا ہے"، غرض پشوتن آتا ہے

اور رستم اُس سے کہتا ہی۔

چنین گفت پس با پشوتن بر از　　کہ اے پاک دل، مرد گردن فراز

رُستم نے پشوتن سے کہا　　کہ" اے نیک طینت اور معزز سردار

بسے لابہ کردم بہ اسفندیار　　نیاید برش لابہ گفتن بکار

مین نے اسفندیار کے آگے بہت　　خوشامد کی، لیکن سب بیکار گئی۔

تو دانی و دیدی زمن بندگی　　نہ پذرفت و سیر آمد از زندگی

تمنے میری فرمان برداری دیکھی، لیکن　　اس نے نہ مانا، اور وہ زندگی سے سیر ہو چکا ہی

اگر او شود کُشتہ بر دست من　　زمن باز گوئی بہ ہر انجمن

اگر وہ میرے ہاتھ سے مارا جائے　　تو سب لوگون سے کہنا

کہ رستم بسے لابہ در از کرد　　نہ بد سود نزدیک آزاد مرد

کہ رستم نے بہت خوشامد اور عاجزی کی　　لیکن کچھ کام نہ آئی

اسفندیار نے ڈپٹ کر کہا کہ بک بک سے کیا فائدہ؟ لڑتا ہی تو لڑ،

بدو بانگ بر زد دل اسفندیار　　کہ بسیار گفتن، نہ آید بکار

رستم کا دل اب بھی لرزتا ہی، وہ آسمان کی طرف رُخ کرتا ہے اور کہتا ہے

اے خدا!!

تو دانی کہ بیداد کوشد ہمی　　بہ من جنگ و مردی فروشد ہمی

تو جانتا ہو کہ اسفندیار زیادتی کرتا ہی اور　　مجھ سے زبردستی لڑتا، اور دون کی لیتا ہی

به باد افره این گناهم مگیر | تو اے آفرینندۂ ماہ و تیر

اس گناہ مین مجھکو نہ پکڑنا۔ | اے خدا کہ تو چاند اور عطارد کا خالق ہے

رستم کی کمان کھچ چکی ہے لیکن تیر ہاتھ سے نہین چھوٹتا، یہانتک کہ اسفندیار رستم پر تیر چلاتا ہی جو اس کے سر پر آکر لگتا ہے اب رستم بالکل مجبور ہو جاتا ہے اور حفاظتِ خود اختیاری کا فرض بجالاتا ہی، اگر اور کوئی شاعر اس معرکہ کو لکھتا تو رستم کی عذر خواہی کا خیال بھی اسکے دل مین نہ آتا، لیکن **فردوسی** ہر جگہ یہ پیش نظر رکھتا ہو کہ اس نے رستم کا کیا کیرکٹر قائم کیا ہی؟ اور ہر جگہ اس کیرکٹر کا کیا اقتضا ہی؟ اسفندیار سے مقابلہ مین رستم کا ہاتھ اُٹھانا گو کتنی ہی مجبوری کیوجہ سے ہو، پھر بھی وفاشعاری کے خلاف ہے، اس لئے بار بار رُکتا ہے خوشامدین کرتا ہے، پشوتن کو گواہ بناتا ہے، اور بآخر کس لجاجت، مجبوری اور عاجزی سے خدا کو مخاطب کرتا ہی کہ "تو خوب جانتا ہے کہ اسفندیار ظلم پر آمادہ ہے، اے خالق زمین و آسمان اس جرم مین مجھکو نہ پکڑنا"،

سہراب کا کیرکٹر، زور شجاعت، جوش شباب اور البیلاپن ہے، یہ باتین اسکی ایک ایک ادا سے نمایان ہین، پہلے معرکہ مین رستم کو جس شان سے وہ پچھاڑتا ہی اسپر نظر ڈالو،

بر رستم درآویخت چون پیل مست | بر آورد ش از جائے و بنہاد پست

مست ہاتھی کیطرح رستم سے لپٹ گیا | اور اسکو زمین پر اُٹھا کر پٹک دیا

نشست از بر سینہ پیل تن | پُر از خاک چنگال و روے و دہن

رستم کے سینے پر چڑھ بیٹھا   پنجے، چہرہ، منہ۔ خاک مین بھر گئے تھے

رستم نے جب دیکھا کہ قتل ہوا چاہتا ہی، تو سہراب سے کہا کہ ہمارے ملک کا یہ دستور نہین، پہلی دفعہ حریف کو قتل نہین کرتے، بلکہ چھوڑ دیتے ہین، بھولا بھالا بدمست نوجوان اس فریب مین آجاتا ہو اور چھوڑ دیتا ہے، کوئی اور ہوتا تو اتنا بڑا معرکہ سر کرکے مجلس جماتا اور اپنے فخر کی داستان سناتا، لیکن بدمست بہادر کو احساس تک نہین، رستم کے سینے سے اُٹھکر جنگل کو نکلجاتا ہے اور شکار کھیلنے لگتا ہی۔

ہمی کرد نخچیر دیا دش بنود   ازان کس کہ باا و نبرد آزمود

شکار کھیلنے لگا اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس سے لڑا تھا۔

یورپ کے اہل نظر کا اعتراض ہے کہ ایشیا کے شعرا مختلف اشخاص کی الگ الگ خصوصیات نہین دکھا سکتے۔ مثلاً ایک بوڑھے اور جوان کی لڑائی کا حال لکھتے ہین تو دونون کی لڑائی کا ٹھاٹھ یکسان ہوتا ہے۔ بڑھاپے اور جوانی کی تمیز نہین ہوسکتی، یہ اعتراض عام شعرا کی نسبت صحیح ہی لیکن فردوسی اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً سہراب نے جب کیکاؤس کے آگے جاکر ہم نبرد طلب کیا ہی تو کہتا ہے،

ازان پس خروشید سہراب گرد   ہمی شاہ کاؤس را برشمرد

چرا کردہ نام کاؤس کے   چو در جنگ شیران نداری توپے

جب کہین سے آواز نہین آتی تو جوش شجاعت سے کاؤس کے خیمہ پر حملہ کرتا ہے اور برچھے سے خیمہ کی میخین اُکھاڑ ڈالتا ہے۔

خم آورد پشت دسنان ستیخ | بزد تند و برکند هفتاد میخ

رستم کو جس طرح اُس نے پچھاڑا ہے اس کی ایک ایک ادا مین جوانی کی شان پائی جاتی ہے۔

بزد دست سھراب چون پیل مست | چو شیر دمنده ز جا در بجست
یکی نعره برزد پُر از خشم و کین | بزد رستم شیر را بر زمین
بہ کردار شیرے کہ بر گور نر | زند دست و گور اندر آید بسر

جب فوج پر حملہ کیا ہے تو یہ حالت تھی۔

سر نیزہ پر خون و خفتان درست | چو شیرے کہ گرد ز نخچیر نست

حکمت و موعظت حکمت، موعظت، اور اخلاق کے تمام مہمات اُصول، **شاہنامہ** مین مذکور ہین اور انکو اس خوبی اور لطافت سے ادا کیا ہے کہ شاعرانہ طرز ادا ہاتھ سے جانے نہین پایا ورنہ ناصر خسرو کی طرح فلسفیانہ مسائل خشک طریقے سے ادا کر دینا تو سب کر سکتے ہین

(۱) انگریزی مثل ہے "نالج از پاور" یعنی "علم قوت ہے" یہ بظاہر صحیح نہین معلوم ہوتا، کیونکہ عام خیال مین **قوت** زور و زر، اور فوج و لشکر کا نام ہے، لیکن زیادہ غور و فکر اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوت حقیقت مین **عقل** کا نام ہے دنیا مین سیکڑون قومین زور اور قوت مین تمام دنیا سے بڑھکر تھین، لیکن شایستہ قومون کی غلامی کرتی تھین آج تمام دنیا ایک طرف اور یورپ کے مٹھی بھر آدمی ایکطرف، لیکن کل دنیا انہی مٹھی بھر آدمیون کی غلامی کر رہی ہے، یہ وہی **عقل** کا زور ہے، اس نکتہ کو **فردوسی** نے

ان مختصر لفظون مین ادا کیا ع

توانا بود ہر کہ دانا بود

جو شخص عقل رکہتا ہو وہ زور رکہتا ہو

(۲) شخصی اور جمہوری کامون مین بڑا فرق یہ ہو کہ شخصی کامون مین صرف ایک شخص پر مدار ہوتا ہو اگر وہ عاقل اور صاحب الرائے ہو تو سب کچھ ہو ورنہ پھر اصلاح کی کوئی صورت نہین بخلاف اس کے جمہوری کامون مین سیکڑون ہزارون عقلین شامل ہوتی ہین اور وہ کام گویا ان ہزارون عقلون کے مجموعی قوت کا نتیجہ اور اثر ہوتا ہو۔ اس سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا کہ ایک ادنی سے ادنی آدمی کچھ عقل رکہتا ہو اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک معمولی آدمی کو جو بات سوجھ جاتی ہو بڑے بڑون کو نہین سوجھتی۔

شخصی کامون مین عام قوتون سے کچھ فائدہ نہین اُٹھایا جاتا۔ بخلاف اسکے جمہوری کامون مین ایک بچہ کی عقل بھی رائگان نہین جاتی، ہر شخص اپنی رائے ظاہر کرسکتا ہو اسکی رائے سُنی جاسکتی ہے اور اسپر عمل کیا جاسکتا ہے

اس مسئلہ کو فردوسی یون ادا کرتا ہے۔

شنیدم ز دانا کہ دانش بسے است   ولیکن پراگندہ با ہر کسے است

یعنی مین نے عاقل سے سنا کہ دنیا مین عقل بہت ہے لیکن کسی ایک شخص کے پاس سب جمع نہین، بلکہ تھوڑی تھوڑی سبکے پاس ہے، اس لئے سب کو یکجا کرنا چاہئے۔

(۳) لوگ اس بات کے شاکی رہتے ہین کہ دنیا مین وفادار دوست نہین ملتے، لیکن

حقیقت یہ ہے کہ دوست کا اچھا بُرا ہونا خود اپنے طرز عمل پر موقوف ہے، اگر ہم مین خلوص راستی اور درد ہے تو ہر شخص ہمارا مخلص اور ہمدرد ہے اور اگر ہم خود کج خلق اور بیدرد ہین تو اچھے سے اچھا آدمی بھی ہمارا دشمن ہو سکتا ہے، **فردوسی** شاعرانہ انداز مین اس نکتہ کو بیان کرتا ہے،

اگر یار خار است خود کشتۂ	وگر پرنیان است خود رشتۂ
اگر دوست کانٹا ہے تو خود تمہارا بویا ہوا ہے	اور اگر کمخواب ہے تو خود تمہارا بُنا ہوا ہے

(۴) سخاوت اور فیاضی کے متعلق اکثر لوگ غلطی کرتے ہین یعنی یا تو اسراف اور فضول خرچی کی حد تک پہونچ جاتے ہین یا بخیل بنجاتے ہین، **فردوسی** نے اسکے اصول بتائے

چنین گفت رستم خداوند رخش	کہ گر نام خواہی درم را ببخش
رستم کا قول ہے	کہ اگر نام چاہتے ہو تو سخاوت اختیار کرو
نہ چندان کہ بے چیز گردی ز چیز	جہان تنگ دارد بے از چیز نیز
لیکن نہ اس قدر کہ نادار بنجاؤ	دنیا کے لوگ مفلس سے عار رکھتے ہین
بنوشش و بپوشش و بخشش و بدہ	برائے دگر روز چیزے بنہ
کھاؤ، پہنو، دو، دلاؤ،	لیکن کل کے لئے بھی کچھ رکھ چھوڑو

(۵) جہانتک ممکن ہو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی سے مخالفت اور دشمنی نہ پیدا ہو اور تمام دنیا دوست بنجائے، یہ نہین خیال کرنا چاہئے کہ تھوڑے سے دوست کافی ہین، **فردوسی** نے اس بات کو ایک تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کیا ہے

تو تا خاک یابی ہمہ دوست کار

تم کو جہان تک زمین ملے دوست بوتے جاؤ

(۶) تمام دنیا مین مکافات کا اُصول جاری ہی یعنی ہم جو کچھ کرتے ہین وہی بعینہ ہمکو ایک دوسری صورت مین پیش آتا ہے۔ یہ بات بظاہر کلیتہً صحیح نہین معلوم ہوتی کیونکہ بعض اوقات ہم دیکھتے ہین کہ ایک آدمی ایک کام کرتا ہے اور اسکا بدلہ اُسکو اس دنیا مین نہین ملتا لیکن جب زیادہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عموماً دنیا مین ردّ عمل کا اُصول قائم ہے قول و عمل کا ہر ذرّہ اثر رکھتا ہے۔ ہر آواز ہوا مین ایک تموّج پیدا کرتی ہی اور یہ ہوا اور تموّج واسطہ در واسطہ وہین پہونچ جاتا ہے جہان سے چلا تھا، اسلئے ہم اگر کسی کو ضرر پہنچانا چاہین تو ہمکو اُسی درجے کے ضرر اُٹھانے کیلئے طیار رہنا چاہئے اس نکتہ کو فردوسی یون ادا کرتا ہے۔

چنین گفت پورِ گوِ پیل تن — کہ چون را با اندازہٴ خویش کن

زال کے بیٹے نے کہا — کہ کنوان جب کھودو تو اپنے انداز کے موافق کھودو

(۷) "کارِ امروز بہ فردا مگذار"۔ مشہور مقولہ ہی، فردوسی نے یہ اُصول زیادہ خوشنما اور مدلل طریقہ سے ادا کیا ہے۔

گلستان کہ امروز باشد ببار — تو فردا بچینی نیاید بکار

اگر باغ مین آج پھول آئے ہین — تم کل پھول چنو گے تو بیکار جائینگے

(۸) فضل و کمال کا اصلی معیار عمل ہی علم نہین،

که صد گفته چون نیم کردار نیست

سیکڑون باتین آدھے عمل کے برابر نہین

(۵) "خرچ آمدنی کے انداز سے کرنا چاہیے" پولٹیکل اکانومی کا ایک اصول موضوعہ ہی، شیخ سعدی نے اسکو یون ادا کیا ہے۔

چو دخلت نیست، خرچ آہستہ ترکن　　　که می گویند ملاحان سرودے

اگر باران بہ کوہستان نبارد　　　بہ سالے دجلہ گردد خشک رودے

یعنی اگر آمدنی نہین ہی تو خرچ کم کرو، ملاح یہ گیت گاتے ہین کہ اگر گرمیون مین بارش نہو تو سال بھر مین دجلہ سوکھ کر نہر رہجائے گا، **فردوسی** اس اصول کو دو مصرعون مین ادا کرتا ہے،

چو برگیری از کوہ و ننہی بجاے　　　سر انجام کوہ اندر آید ز جاے

یعنی اگر پہاڑ مین سے کچھ پتھر نکال لیا جاے کرے اور اُس کے بجاے وہان کچھ نہ رکھا جاے تو باٰخر پہاڑ ختم ہو جاے گا۔

یہ شعر **سعدی** کے شعر سے زیادہ بلیغ ہے، سعدی کے شعر کا صرف اس قدر مفہوم ہے کہ اگر آمدنی نہین ہے تو خرچ کم کر دلیکن آمدنی پیدا کرنے کی تدبیر و تحریص کا ذکر نہین **فردوسی** کے شعر کا یہ مطلب ہی کہ جب خرچ کرو تو کچھ پیدا بھی کرو یہ بھی اشارہ ہے کہ دا فر اندوختہ مین سے جب آدمی کچھ خرچ کرتا ہے تو غلطی سے اسکی کچھ پروا نہین کرتا، جسطرح پہاڑ سے ایک آدھ پتھر نکال لیا جاے تو کچھ کمی نظر نہین آتی لیکن رفتہ

رفتہ رفتہ ایک دن سارا ذخیرہ ختم ہوجاتا ہے۔

حکمت وموعظت کے بہت سے اصول جو آج عام اور ضرب المثل ہوگئے ہین فردوسی نے ان کو بہت پہلے بیان کیا اور اس طرح کیا کہ آج بھی اسکا طرز ادا نیا معلوم ہوتا ہی، مثلاً

آسمان کبھی موافق ہوتا ہی کبھی مخالف،

دو دل دار داین باژگونہ سپہر — یکے پر ز کین و یکے پر ز مہر

آسمان کے دو دل ہین — ایک دشمنی سے بھرا ہوا ہی اور ایک محبت سے

دیر آید درست آید۔

خداوند ما دادر رہنمائے — بہ شش روز کرد این جہان را بپائے

عزیز کا عتاب دشمن کی محبت سے اچھا ہی،

پدر گر پسر را بہ زندان کند — ازان بہ کہ دشمن گل افشان کند

بلند مرتبگی، جانبازی سے حاصل ہوتی ہے۔

نشانِ بزرگی ہر آنکس کہ جست — نخستین بہ خون بایدش دست شست

جو شخص بڑا ہوتا چاہتا ہے — اسکو پہلے خون سے ہاتھ دھونا چاہئے

دہ درویش در گلیمے بخسپند۔

بہ یک خانہ گنجند دہ پارسا — بہ ملکے نہ گنجند دو بادشا

دوست نادان بہ از دشمن دانا۔

چو دانا ترا دشمن جان بود | بہ از دوست مردے کہ نادان بود

عزت سے مرنا بدنامی کی زندگی سے بہتر ہے،

بنام بلند ار بغلطی بہ خون | بہ از زندگانی بہ ننگ اندرون

دولت، حقیقت مین خوشی کا نام ہے،

توانگر شود ہر کہ خوشنود گشت | دلِ آرزو خانۂ درد گشت

نصیحت کی بات، بار بار سننا چاہیے، کیونکہ نصیحت دہرانے سے پرانی نہین ہوتی،

اگر دا... در اندر سخن، | تو بشنو کہ دانش نگردد کہن

اخلاق و موعظت و سیاست — **شاہنامہ** اگرچہ ایک رزمیہ نظم ہے لیکن **شاعری** کی خوش قسمتی ہے کہ فردوسی جسطرح فطرۃً رزم کا مذاق ساتھ لیکر آیا تھا جو ایک دہقان نژاد کے لئے موزون تھا اسی طرح فلسفہ، اور اخلاق بھی اسکی فطرت کا عنصر اعظم ہے، عین معرکہ کی حالت مین بھی وہ پند و موعظت سے باز نہین آتا۔ میدان جنگ کا سمان بندھ رہا ہے، ہر طرف تلوارین چمک رہی ہین، نعرون سے عالم کا افق گونج اٹھا ہے۔ دل جوش سے لبریز ہین خاقانِ چین، پیل سفید پر جلوہ گر ہے، چارون طرف فوجون کا حصار ہے، رستم شیر کی طرح دڑاتا ہوا فوجونکو چیرتا پھاڑتا خاقان کے ہاتھی تک پہنچ جاتا ہے اور کمند پھینکتا ہے، **خاقان** کمند مین گرفتار ہوتا ہے، رستم اس کو زمین پر پٹک دیتا ہے،

چو از دست رستم رہا شد کمند | سرِ شہریار اندر آمد بہ بند

ز پیل اندر آورد و زد بر زمین | بہ بستند بازوے خاقان چین

رستم کو حق تھا کہ اس کامیابی پر ناز کرتا اور کچھ دیر تک اس کے سر سے یہ نشہ نہ اترتا لیکن دفعتہً **فردوسی** سامنے سے نمودار ہوتا ہے۔ اور کہتا ہی۔

چنین است رسم سرای فریب — گہے بر فراز و گہے بر نشیب

فریب دینے والی دنیا کا یہی طریقہ ہے — کبھی بلند ہے کبھی پست

چنین بود تا بود گردان سپہر — گہے جنگ، زہر است گہ نوش مہر

جب سے آسمان ہی یونہی ہوتا آیا ہے — لڑائی کبھی زہر ہے اور کبھی شہد

رستم فردوسی کا حاصل شاعری ہی اس کے کارنامہ عظمت پر ایک ذرا سا داغ بھی فردوسی کو گوارا نہیں ہوسکتا، تاہم اخلاقی فرائض کے وقت وہ رستم کو بھول جاتا ہے۔ رستم و سہراب کی داستان شاہنامہ کا مشہور منظر ہے، اس معرکہ مین فردوسی نے پورا زور صرف کیا ہے کیونکہ رستم اس کا ہیرو اور سہراب اسی کا فرزند ہے لڑائی اس حد تک پہنچ چکی ہی،

بہ شمشیر ہندی بر آویختند — ہمی ز آہن آتش فرو ریختند

ہندی تلوارین لیکر دونون لپٹ گئے — اور لوہے سے آگ برسانے لگے

دفعتہً **فردوسی** کو خیال آتا ہے کہ رستم کی یہ کوششین کس کے مقابلہ مین ہین؟ اسکا حریف کون ہے؟ اس کا ہاتھ کس پر اٹھ رہا ہے؟ ایک جانور اپنے بچے کو دیکھکر پہچان لیتا ہے خون کی بو محسوس ہوتی ہے، رستم آدمی ہوکر بیٹے کو نہین پہچانتا، صرف اس لئے کہ خودغرضی نے اسکی آنکھین بند کر دی ہین،

ہمی بچہ را باز داند ستور | چہ ماہی بہ دریا چہ در دشت گور
گھوڑا اپنے بچہ کو پہچان لیتا ہے | مچھلی پانی مین اور گورخر جنگل مین اپنے بچہ کو پہچانتے ہین

نداند ہمی مردم از رنج آز | یکے دشمنے را ز فرزند باز
لیکن آدمی، حرص و طمع کی وجہ سے | بیٹے اور دشمن مین تمیز نہین کرسکتا

شاہان ایران مین **بہرام گور** بڑی شان و شوکت اور عزم و استقلال کا بادشاہ گذرا ہے **فردوسی** کو اس سے خاص محبت ہے، وہ اس کو عدل و انصاف اور شان و شوکت مین تمام سلاطین ایران پر ترجیح دیتا ہو چنانچہ کہتا ہو۔

بہ پنجاہ خسرو، ز تختِ کیان | کہ بستند بر تخت ایران میان
کیانی خاندان کے جو ۵۰ | بادشاہ گذرے

نبد ہیچ مانند بہرام گور | بہ داد و بزرگی و فرہنگ و زور
انمین کوئی، انصاف، عدل، عقل، اور تدبیر مین بہرام گور کے برابر نہ تھا

باایں ہمہ **بہرام گور** کے معائب کی نکتہ چینی نہایت سختی سے کرتا ہو، بہرام باوجود تمام محاسن کے نفس پرست تہا. اسکی عام عادت تھی کہ شہر سے دور نکلجاتا، دیہاتون مین پہرتا اور جہان کوئی دوشیزہ لڑکی نظر آجاتی اس کو گھر مین ڈال لیتا، اسطرح اسکا شبستانِ عیش اندر کا اکھاڑہ بن گیا تھا، فردوسی ایک سردار کی زبان سے اس بیہودگی کی برائیان کرتا ہے، اور کہتا ہو کہ شادی کا مقصد بقائے نسل ہو اس غرض کے لئے مہینے مین ایک بار عورت سے ملنا جائز ہے، اس سے زیادہ تندرستی کے لئے مضر ہے،

بہ یک ماہ یک بار آمیختن ‏ ‏ گر افزون بود خون بود ریختن

ہمین مایہ از بہر فرزند را ‏ ‏ بباید جوانِ خردمند را

جب کسی سے کوئی بات اخلاق کے خلاف سرزد ہوتی ہی تو **فردوسی** فوراً گرفت کرتا ہے اور اسکی بدنمائی دکہاتا ہی، شخصی سلطنتون مین تمام بداخلاقیون کی بنیاد دو چیزین ہین ایک خودمختاری اور دوسرے عدم آزادی راے، خودمختاری صرف بادشاہ اور فرمانروا پر محدود نہین ہوتی بلکہ درجہ بدرجہ ہزارون فرمانروا ہوتے ہین، اور کوئی شخص اپنے فرمانروا کو کسی بات پر ٹوک نہین سکتا، اس بناپر ہر قسم کی برائیان جب کسی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہین تو بڑہتی اور پہیلتی جاتی ہین کیونکہ انکے خلاف کہین سے کوئی صدا بلند نہین ہوتی، لیکن **شاہنامہ** مین ہر شخص آزاد نظر آتا ہی، بادشاہ کوئی غلطی کرتا ہی تو درباری نہایت آزادی سے نکتہ چینی کرتے ہین اسی طرح ہر طبقہ مین زیردست اپنے بالادست پر گرفت کرتا ہو اور اسکو بے اعتدالی سے روکتا ہی کیکاؤس نے **سوداب**ہ کی سازش مین آکر بیٹے کو ہاتھ سے کہو دیا، رستم کو خبر ہوئی تو سر دربار کیکاؤس سے کہا۔

ترا عشق سودابہ بدخوی ‏ ‏ زسر برگرفت آن کلاہ کئی

سودابہ کے عشق نے ‏ ‏ تیرا شاہی تاج اُتار لیا

کسے کو بود مہتر انجمن ‏ ‏ کفن بہتر اورا ز فرمانِ زن

جو شخص سردار ہو اُس کو زن پرستی سے کفن بہتر ہے۔

یہ کہکر رستم حرم مین جاکر سودابہ کو پکڑ لایا اور اسکا سر اڑا دیا کیکاؤس چپ بیٹھا دیکھا کیا۔

بہ خنجر بہ دو نیمہ کرد ش براہ　　نہ جنبید بر تخت، کاؤس شاہ

گشتاسپ اپنے بیٹے اسفندیار کو تخت دینا نہین چاہتا تھا لیکن اسفندیار کا دباؤ اسقدر تھا کہ علانیہ انکار بھی نہین کر سکتا تھا۔ بالآخر یہ تدبیر سوچی کہ اسکو رستم کے مقابلہ پر بھیجا اور وہ بیچارہ جان سے مارا گیا **پشوتن** جو **اسفندیار** کا بھائی تھا، گشتاسپ کے دربار مین گیا، شاہی آداب و احترام مطلق نہ بجا لایا اور گشتاسپ سے کہا کہ او سرکشون کے بادشاہ، تو نے اسفندیار کو برباد کر دیا، تو بیٹے کو تخت پر قربانی چڑہاتا ہے

بآواز گفت اے سر سرکشان　　زبرگشتن کارت آمد نشان

پکار کر کہا کہ او سرکشون کے سردار　　اب تیری بدبختی کے دن آگئے

پسر را بہ کشتن دہی بہر تخت　　کہ تا مبنیا د چشمت نہ تخت

تو تخت کیلئے اولاد کو قتل کرا دیتا ہے　　خدا تجھکو تخت و تاج کی صورت نہ دکھلائے

بہرام گور کے باپنے لوگون پر ظلم کئے تھے، جب وہ مرگیا تو بہرام گور نے تخت کا دعوے کیا لیکن رعایا نے کہا کہ ہم ظالم بادشاہ کے خاندان مین حکومت نہین دیکھ سکتے، نوشیروان کے باپ **قباد** نے اپنے مدار المہام کو بیوجہ قتل کرا دیا تھا، اس پر رعایا نے قباد کے پاؤن مین زنجیرین ڈال دین، اور اس کے بھائی کو تخت پر بٹھایا۔ نوشیروان نے بزرجمہر کو کسی بات پر ناراض ہو کر قید خانہ بھیجدیا اور پوچھ بھیجا کہ کیا حالت ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ "آپ سے اچھی حالت مین ہون" نوشیروان نے

برہم ہو کر اندھے کنوئیں میں قید کرا دیا۔ بزرجمہر نے اب بھی وہی پیغام کہلا بھیجا، نوشیروان نے لوہے کے تنور میں ڈلوا دیا اور چوتھے دن پیغام بھیجا، کہ اب کیا حالت ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہہ دینا۔

کہ روزم بہ از روز نوشیروان

میرے دن، نوشیروان کے دن سے اچھے ہیں

تمام **شاہنامہ** اسی قسم کے آزادانہ خیالات اور آزادانہ طرز عمل سے بھرا پڑا ہے شاید تم کو یہ خیال ہو کہ اس میں فردوسی کا کیا احسان ہے، ایران کی یہ واقعی حالت تھی، فردوسی نے واقعہ نگاری کی حیثیت سے اس کو ادا کیا، اس سے خود اسکے خیالات کا اندازہ نہیں ہو سکتا، لیکن ایران کی اور بہت سی تاریخیں موجود ہیں، انمیں یہ واقعات کہاں ہیں؟ کم سے کم یہ کہ جن واقعات کو اوروں نے اہم نہ سمجھا اور نظر انداز کر دیا **فردوسی** انکا ذکر ضروری سمجھتا ہے، اچھے افعال جن لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں انکی تحسین کرتا ہے، انکو خوب پھیلا کر لکھتا ہے اور اس طرح لکھتا ہے کہ دوسروں کے لئے نمونہ قائم کرتا ہے، اور جہاں کسی سے معیار اخلاق کے خلاف کوئی فعل سرزد ہوتا ہے اسپر نکتہ چینی کرتا ہے، اکثر یہ خود فرض ادا کرتا ہے۔ وہ سرسری اور ضمنی موقعوں پر بھی اس فرض سے غافل نہیں ہوتا گودرز کو پیران ویسہ سے جو افراسیاب کا وزیر اعظم تھا اس بنا پر سخت عداوت تھی کہ پیران ویسہ کے ہاتھ سے اس کا تمام خاندان برباد ہو گیا تھا۔ گودرز نے جب پیران ویسہ کو برچھے سے مار لو

انتقام کے جوش مین چلو مین اسکا لہو لیکر پہلے چہرے پر ملا، پھر پی گیا، اس واقعہ کو فردوسی نے ادا کیا لیکن ساتھ ہی اس بیرحمی اور خونخواری پر حیرت ظاہر کی۔

فرو برد چنگال و خون برگرفت — بخورد و بیالود روی اے شگفت

گودرز نے چاہا کہ پیران کا سر کاٹ لے لیکن پھر خیال آیا کہ یہ آدمیت کے خلاف ہی فردوسی اسکی داد دیتا ہے۔

سرش راہمی خواست از تن برید — چنین بد کنش خویشتن را نہ دید

اس کے سر کو کاٹنا چاہا لیکن — اس نے اپنے آپ کو ایسا بدنفس نہین پایا

فردوسی نے سلاطین ایران مین سے کیخسرو اور نوشیروان کو عدل وانصاف اور محاسن اخلاق کا آئیڈیل قرار دیا ہے، اور اس تقریب سے محاسن اخلاق کا ایک بلند معیار قائم کیا ہی کیخسرو نے جب افراسیاب کے مقابلہ مین فوجین روانہ کین تو حکم دیا کہ دشمن کے ملک مین جو لوگ برسر مقابلہ نہ آئین انکو کسی قسم کا گزند نہ پہنچنے پائے۔

نیازرد باید کسے را براہ — چنین است آئین و رسم کلاہ

راستے مین کسی کو ستانا نہین چاہیے، حکومت کا یہی دستور ہے

کشاورز یا مردم پیشہ ور — کسے کو بہ رزمت نہ بندد کمر

کاشتکار، یا پیشہ والے جو لڑائی مین شریک نہین ہین۔

نباید کہ بر وے وزد باد سرد — مگوشید جز با کسے ہم نبرد

انکو کسی قسم کی تکلیف نہین پہونچی چاہیے — لڑنے والون کے سوا کسی سے نہ لڑنا

افراسیاب جب شکست کہاکر بہاگ گیا، اور اس کے حرم کیخسرو کے سامنے آئے کہ ہمارا کوئی قصور نہین ہمکو گرفتار نہ کیا جائے تو کیخسرو نے کہا کہ جو بات مین اپنے لئے پسند نہین کرتا دوسرون کے لئے بھی پسند نہین کرتا، ہرچہ برخود نہ پسندی بر دیگران ہم مپسند۔

چنین گفت کیخسرو ہوشمند — کہ ہرچیز کونیست مارا پسند
نیارم کسے را ہمان بد بروے — دگر چند باشد دلم کینہ جوے

عام حکم دیدیا کہ کوئی شخص قتل اور گرفتار نہ کیا جائے فوج کو حکم دیا کہ

ز دل ہا ہمہ کینہ بیرون کنید — بہ شہر اندرین کشور افسون کنید
زخون ریختن دست باید کشید — سر بیگناہان نباید برید

صرف اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ حکم دیا کہ کوئی شخص کسی کے مال و اسباب کو بھی ہاتھ نہ لگائے (حالانکہ مال غنیمت پر تصرف کرنا عام دستور تہا)

ز چیز کسان سر بہ پیچید نیز — کہ دشمن شود دست از بہر چیز

افراسیاب نے کیخسرو کے باپ کو نہایت ذلت سے قتل کیا تہا اور کیخسرو کی ماں کی توہین کی تھی اور خود کیخسرو کو قتل کرا دینا چاہا تھا، اس انتقام مین کیخسرو نے **افراسیاب** کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا لیکن قتل کرنے کے بعد لوگون سے کہا کہ یہ ایک جائز قصاص تہا اور اس کی حد یہین تک ختم ہوگئی، یہ کہکر حکم دیا کہ کمخواب کا کفن تیار کیا جائے اور زرین تابوت مین اسکی لاش دفن کی جاے۔

اخلاقی اوصاف مین ایثار بہترین اوصاف ہو اس لئے فردوسی نے اکثر موقعون پر اس وصف کو نہایت موثر طریقہ سے ادا کیا ہو بیژن جب ترکون کی فوج سے لڑنے چلا ہے تو اسکا باپ جوش محبت مین بیقرار ہو جاتا ہے اور روکتا ہے بیژن جواب دیتا ہے،

مرا زندگانی نہ اندر خور است　　　گر از دیگرانم ہنر کمتر است

گیو اب بھی نہین مانتا گودرز جو بیژن کا دادا تھا گیو سے کہتا ہو۔

اگر بارد از میغ پولاد تیغ　　　نشاید کہ داریم جان را دریغ

گستہم ایک پہلوان تھا جس نے بیژن کی جان بچائی تھی، ایک مرتبہ گستہم اکیلا دشمن کے تعاقب مین نکل گیا، بیژن کو خبر ہوئی گھوڑا دوڑایا کہ گستہم کو کوئی صدمہ نہ پہونچنے پائے، بیژن کے باپ گیو نے بیژن کے پیچھے گھوڑا اڑالا کہ بیژن کو پھیر لائے۔ گیو بیژن کو روکتا ہو کہ میرا بڑھاپا ہے مین تجھکو جانے نہ دونگا، بیژن کہتا ہو کہ یہ مردی کے خلاف ہو کہ دوست دوست کے کام نہ آئے، گیو کہتا ہو کہ تیرے بدلہ مین جاتا ہون، بیژن کہتا ہو بیٹے کے ہوتے باپ کا خطرہ مین پڑنا بیٹے کی ذلت ہو، دونون مین دیر تک رد و بدل ہوتی ہے بالآخر بیژن جاتا ہو اور گستہم کو زخمی پڑا ہوا پاتا ہے، بیقرار ہو کر روتا ہو، گستہم آنکھین کھول دیتا ہے اور کہتا ہو بھائی! میرے لئے اپنی جان نہ کھو، بس اتنا کر کہ مین کیخسرو تک پہونچ جاؤن اور بادشاہ کا دیدار کر لون، بیژن اسکو کیخسرو کے پاس پہونچاتا ہے، گستہم کیخسرو کے پاس پہونچکر آنکھین کھول دیتا ہو اور آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے ہین

ان واقعات مین فردوسی نے جذبات انسانی کی بھی مؤثر تصویر کھینچی ہے گیو بڈھا ہو چکا ہے بیژن اسکا ایک ہی اکلوتا بیٹا ہے، بیٹے کو بار بار خطرہ مین پڑنا بوڑھے باپ سے دیکھا نہین جاتا، وہ اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر موڑتا ہی اور کہتا ہی تو مجھکو دم بھر کے لئے بھی آرام سے رہنے نہ دے گا، اس طرح کہان دوڑا جاتا ہی؟ بات بات مین میرا دل دُکھاتا ہے، میرے بڑھاپے پر تجکو رحم نہین آتا، میرا ایک تو ہی فرزند ہے، دس دن تک متصل لڑتا رہا ہی، اپنی جان کیون دئے دیتا ہے،

بیژن کہتا ہے کہ آپ کو لاون کی لڑائی یاد نہین، گستہم نے میرے ساتھ کیسا احسان کیا، مین لڑائی سے باز نہین رہ سکتا،

جنس لطیف (عورتون) کی ہمیشہ حق تلفی کیگئی ہے، اور سوسائٹی مین انکا درجہ نہایت پست رہا ہی، شعرا ان الفاظ مین انکو یاد کرتے ہین۔ عورتون کی قدردانی

اسپ وزن وشمشیر وفادار کہ دید

کس از زن راستی ہرگز نہ دیدہ

فردوسی پہلا شخص ہی اور پچھلا بھی جس نے اس مظلوم گروہ کی قدر کی ہی، انکے رتبہ کو سمجھا ہی، ان کو بلند رتبہ ثابت کیا ہی **شاہنامہ** مین عورتین، مردون کے ہمسر نظر آتی ہین بڑے بڑے مہمات مین انکی رائے لی جاتی ہے۔ سلاطین کی طرف سے سفیر بنکر جاتی ہین شہزادے اور سلاطین ان سے مشورے لیتے ہین، سام جب فوجین لیکر کابل پر چڑھکر آیا ہی، تو امیر کابل نے اسکی صرف یہ تدبیر سوچی کہ اپنی لخت جگر بیٹی رودابہ کو قتل کردے،

لیکن رودابہ کی ماں خود سفیر بن کر گئی، اس نے جس خوبی اور عمدگی سے تقریر کی ہے اس سے عورتوں کے فہم و دانش کا اندازہ ہو سکتا ہے،

اسفندیار تخت کا نہایت حریص تھا وہ اپنے باپ گشتاسپ سے اسکی زندگی ہی میں تخت کا مطالبہ کرتا تھا، گشتاسپ کو انکار تھا، بالآخر اُسی نے اسفندیار سے کہا کہ رستم کو گرفتار کرکے لاؤ تو تمکو تخت دیتا ہوں، اسفندیار آمادہ ہوا، اسکی ماں نے سُنا تو بلاکر نہایت عاقلانہ نصیحت کی اور کہا۔

پدر پیر گشت است و برنا تولی	بزور و بمردی توانا، تو لی
باپ بوڑھا ہو چکا ہے اور تو جوان ہے	تجکو زور ہے، اور قوت ہے
پدر بگذرد، گنج و تاجش تراست	همه کشور و تخت و عاجش تراست
باپ گذر جائے گا، پھر خزانہ اور تاج،	اور ملک اور تخت سب تیرا ہی ہے۔
مرا خاکسار دو گیتی مکن	ازین مهربان مام بشنو سخن
مجکو دونوں دنیا میں رسوا نکر	مہربان ماں کی باتیں سُن

اسفندیار نے کہا لیکن فرمان شاہی کے خلاف نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ رستم میری اطاعت قبول کریگا تو میں اسکی کسی طرح توہین نہ کرونگا، ماں نے رو کر کہا رستم کسی سے دب نہیں سکتا، اسنے **کیکاؤس** کی پروا نہ کی، کیقباد کو اسی نے تخت نشین کیا تھا، کیا وہ اپنی آبرو برباد کرنا پسند کرے گا۔

زما در سخن در پذیر د مرد	برائے وخرد اپند مادر شنو

شاہ نامہ سے معلوم ہوتا ہو کہ اکثر مقامات پر عورت ہی کے حسن تدبیر نے مہمات کو حل کیا ہے، جن عورتون کو اتفاق سے تاج وتخت ہاتھ آیا ہے اُنھون نے نہایت قابلیت سے حکومت کے فرائض انجام دیے ہین،

بہمن نے اپنی لڑکی ہما کو ولیعہد سلطنت کیا تھا اس نے جس دل و دماغ سے حکومت کی اُسکے متعلق فردوسی لکھتا ہو،

زدشمن بہ ہر سو کہ بُد مہترے　　فرستاد بر ہر سوے لشکرے

جہان جہان دشمن تھے سب طرف فوجین بھیجین

زچیزے کہ رفتے بہ گرد جہان　　بدو نیک بردے نبودی نہان

جو کچھ دنیا مین ہوتا تھا،　　اُس سے چھپ نہ سکتا تھا

جہانے شدہ ایمن از داد او　　بہ گیتی نبودے جز از یاد او

دنیا اسکے انصاف سے مطمئن تھی　　دنیا مین اسکے انصاف کے چرچے تھے

عورت کی اصلی عزت اسکی عصمت وعزت ہو اور **فردوسی** خوش قسمت ہے کہ اس کو کہین شرمندہ ہونا نہین پڑا ہے، رودابہ زال پر عاشق ہوئی یکجائی کا موقع ملا شراب اور بوس وکنار تک نوبت آگئی، لیکن عصمت کے حدود محفوظ رہے، **تہمینہ** رستم پر عاشق ہوگئی ہے اور لطائف الحیل سے اسکو قابو مین لائی ہے، لیکن قاضی اور شاہد طلب ہوتے ہین اور نکاح ہوجاتا ہے، **سہراب** جب ایران پر حملہ آور ہوا تو پہلی منزل مین ایک خاتون جسکا نام دخت آفرید تھا، مردانہ لباس مین قلعہ سے نکلکر مقابل ہوئی،

دیر تک ردوبدل رہی، بالآخر سہراب نے اسکو پکڑ لیا اور بالو نکے کھلجانے سے معلوم ہوا کہ عورت ہی، سہراب اس پر عاشق ہوگیا، دخت آفرید نے کہا "مجھکو قلعہ مین جانے دیجیے، اور آپ وہین آئیے مین آپکی ہون" سہراب قلعہ کے پاس پہونچا تو دخت آفرید نے فصیل پر سے کہا، ع

کہ ایران زترکان نخواہند جفت

ایرانی اور ترکی کا جوڑ نہین،

شاہنامہ کے مقابلہ مین **ہومر** کی الیڈ پر نظر ڈالو، قصہ کی بنیاد **ہیلن** پر ہے، یونان اور ٹرکی کی دہ سالہ قیامت انگیز جنگ اسی کے بدولت ہی لیکن وہ ایسی بدچلن عورت ہو کہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر آشنا کے ساتھ نکل گئی اور یونان والے اب بھی اسکو واپس لانا چاہتے ہین شاہنامہ مین صرف سودابہ ایک عورت ہے جس نے عصمت کو داغ لگانا چاہا ہے (گو اسکی نوبت نہین آئی) لیکن **فردوسی** اسکو رستم کے ہاتھ سے قتل کرادیتا ہے کہ ایران کے دامن عزت پر داغ نہ آئے، اس سوال کا جواب کہ ع

اسپ وزن وشمشیر وفادار کہ دید

فردوسی اثبات کے پہلو مین دیسکتا ہو،

شاہنامہ مین عورتون کی وفاداری اور ایثار کی مثالین اس کثرت سے موجود ہین کہ انپر ہمیشہ دنیا کو ناز ہوگا، **منیژہ** شہنشاہ کی نور نظر ہے لیکن جب افراسیاب نے اس کے مطلوب **بیژن** کو کنوئین مین قید کردیا تو اس نے بیژن کے لئے

سب کچھ چھوڑا دن بھر گلی کوچوں میں پھر کر روٹی کے ٹکڑے مانگ لاتی تھی اور کنوئیں میں رہا کر ڈال آتی تھی،

خبر چون بگوشش منیژہ رسید   شد از آب دیدہ رخش ناپدید

جب منیژہ کو خبر پہنچی تو   آنسوؤں سے اسکا چہرہ چھپ گیا

ہمہ گنج او را بہ تاراج داد   ازان بدرہ بستہ بدان تاج داد

تمام خزانہ لٹا دیا

منیژہ بیامد بہ یک چادرا   برہنہ دو پائے وکشادہ سرا

صرف ایک چادر اوڑھ کر آئی   دونوں پاؤں ننگے تھے اور سر کھلا ہوا تھا

غریوان ہمی گشت بر گرد دشت   چو یک روز و یک شب بریں سان گذشت

جنگل میں چلاتی پھرتی تھی   جب ایک دن اور ایک رات گذر گیا

بیامد خروشان بہ نزدیک چاہ   یکے دست را اندر و کرد راہ

تو چیختی ہوئی کنوئیں کے پاس آئی   اور ایک طرف راستہ بنایا

چو از کوہ خورشید سر بر زدے   منیژہ زہر در ہمی نان چدے

جب سورج نکلتا تھا تو   در در روٹی مانگتی تھی،

بہ بیژن سپردے دگر ریستے   بریں شور بختی ہمی زیستے

روٹیاں لاکر بیژن کو دیتی تھی، اور روتی تھی، اور اس بدبختی کے ساتھ بسر کرتی تھی،

جب رستم بیژن کے چھڑانے کیلئے سوداگر بنکر توران گیا تو منیژہ اس کے سامنے

اس حالت مین آئی،

برہنہ تنان دخت افراسیاب | بر رستم آمد دو دیدہ پر آب
افراسیاب کی بیٹی ننگے بدن ؛ | رستم کے پاس روتی آئی

وہ اپنا حال رستم سے ان دردانگیز لفظون مین کہتی ہے،

منیژہ منم دختِ افراسیاب | برہنہ ندیدہ تنم آفتاب
مین افراسیاب کی بیٹی ہون ؛ | آفتاب نے میرا جسم کھلا ہوا نہین دیکھا

کنون دیدہ پر خون و دل پر ز درد | ازین در بدان در دُور خسارہ زرد

اب خون آلود آنکھون کے ساتھ در در پھرتی ہون،

برای یکے بیژن شور بخت | فتادم ز تاج و فتادم ز تخت
کمبخت بیژن کے لئے ؛ | مین نے تاج و تخت سب کھو دیا

رنج مین بیژن کو گالی دیتی ہے، لیکن گالی بھی محبت مین لبریز ہے، جب رستم کے پاس سے بیژن کے ہان گئی اور حالات بیان کئے تو بیژن، منیژہ کی وفاداری پر بیتاب ہو گیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا،

تو اے جفت رنج آزمودہ زمن | فدا کردہ جان و دل و جز و تن

اے میری رفیق، تو نے میرے لئے رنج اٹھایا، اور جان و مال فدا کیا

بکردی رہا تاج و تخت و کمر | ہمان گنج و خویشان و مام و پدر

تو نے تاج، تخت، خزانہ، عزیز، مان، باپ سب میرے لئے چھوڑ دیا،

اگر یابم از جنگ این اژدہا | بدین روزگار جوانی رہا

اگر مین نے اس مصیبت سے نجات پائی

بسان پرستار پیش کیان | بہ پاداش نیکیت بہ بندم میان

تو غلامون کی طرح تیری خدمت بجالاؤنگا

فرود (کیخسرو کا سوتیلا بھائی) جب محصور ہو گیا ہے تو اپنی مان اور خواصون سے کہا کہ تھوڑی دیر مین دشمن آئینگے اور تم لوگون پر قبضہ کر لینگے، یہ کہکر مرگیا، تمام خواصین فوراً قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئین اور گر گر کر جانین دیدین، فرود کی مان اس کی لاش کے پاس آئی، منھ پر منھ رکھا اور خنجر سینے مین بھونک کر لاش کے برابر گر پڑی،

بیامد ببالین فرخ **فرود** | بر جامہ او یکے دشنہ بود

فرود کے سرہانے آئی | اسکے کپڑون مین ایک خنجر تھا

دو رخ را بروے پسر بر نہاد | شکم بر درید و برش جان بداد

بیٹے کے منھ پر گال رکھدیئے | اور اپنا شکم چاک کرکے مرگئی

سوداب[۱] بدکار عورت تھی، تاہم جب اس کے باپ نے کیکاؤس کو قید کر دیا اور سوداب کو بلا بھیجا تو سوداب نے اپنے بال نوچ لئے اور کہا کہ یہ بالکل نامردی ہو کیکاؤس کو قید کرنا تھا تو لڑ کر کیا ہوتا، دھوکے سے گرفتار کرنا شرافت کے خلاف ہے

[۱] کیکاؤس کی حرم تھی۔

مین کیکاوس کے ساتھ قید خانہ مین رہونگی،

جدائی نخواہم ز کاوس گفت　　اگرچہ ورا خاک باشد نہفت

جب تک کیکاوس قید خانہ مین رہا، سودابہ شاہی محل چھوڑ کر اسکے ساتھ رہی اور اسکی خدمت کرتی رہی،

اگر عورتون کے واقعات کا حصہ الگ کر لیا جائے اور عورتون کے اخلاق و عادات پر نظر ڈالی جائے تو ثابت ہوگا کہ شریف النفسی کا بہتر سے بہتر معیار اُنھین کے اخلاق و عادات سے قائم ہو سکتا ہے،

فردوسی نے بہرام کی زبان سے عورت کا جو مرتبہ قرار دیا ہی، یہ ہے،

ہم از وے بود دین یزدان بپاے　　جوان را بہ نیکی بود رہنماے

خدا کا دین عورت ہی سے قائم ہے　　وہ مرد کو نیکی کا راستہ بتاتی ہے

اس سے زیادہ عورت بلکہ مرد کی کیا تعریف ہو سکتی ہی،

مذہب　فردوسی نے مختلف تقریبون سے مذہب پر اسقدر لکھا ہی کہ مذہب کے متعلق ایک نہایت عمدہ آرٹکل طیار ہو سکتا ہی، فردوسی مذہب کو تمام چیزون سے زیادہ ضروری سمجھتا ہے، جب کوئی بادشاہ کسی بادشاہ کو نامہ لکھتا ہی یا ملک مین کوئی فرمان نافذ کرتا ہے یا دربار مین تقریر کرتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی حمد ہوتی ہے یہ مضمون اگرچہ بکثرت مکرر ہو گیا ہے لیکن فردوسی کو اس قدر شغف ہی کہ ہر دفعہ نئے جوش سے لکھتا ہے

مذہب کے متعلق اس نے جو اہم باتین بیان کی ہین، حسب ذیل ہین،

(۱) مذہب اور سلطنت آپس مین بھائی بھائی ہین بلکہ لازم و ملزوم ہین کہ ایک دوسرے سے جدا نہین ہوسکتا،

چنان دین و شاہی بہ یکدیگر اند | تو گوئی کہ در زیر یک چادر اند

مذہب اور بادشاہی اسقدر ملے جلے ہین کہ گویا دونون ایک چادر کے نیچے ہین،

نہ بے تخت شاہی بود دین بجائے | نہ بے دین بود شہریاری بپائے

حکومت کے بغیر مذہب، اور مذہب کے بغیر حکومت قائم نہین رہ سکتی،

(۲) مذہب کی حقیقت عدل ہی، یعنی حقیقی عدل ہو تو وہی مذہب ہی،

چہ گفت آن سخنگوے با آفرین | کہ چون بنگری، مغز داد است دین

(۳) تمام مذاہب حق ہین، اور جو باتین آج بری نظر آتی ہین، انکی تعبیر لوگون نے غلط کردی ہے، مثلاً بت پرستی اور آتش پرستی بظاہر لغو ہین لیکن بانیان مذہب نے آگ اور بت کی پرستش کا کبھی حکم نہین دیا تھا بلکہ ان چیزون کو قبلہ قرار دیا تھا جسطرح ہم کعبہ کو قبلہ سمجھتے ہین، سین دخت (رستم کی نانی) بت پرست تھی اس نے سام سے جب گفتگو کی تو کہا کہ۔

خداوند ما و شما خود یکے است | بہ یزدان ما ہیچ پیکار نیست

ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے | خدا کے باب مین کوئی اختلاف نہین

گذشتہ ازو قبلۂ ما بت است | چہ در چین و کابل چہ در ہندوستان

اسکے علاوہ ہمارا قبلہ بت ہے | خواہ چین ہو، خواہ کابل خواہ ہندوستان

شما را خود آتش پرستی فروغ | تو دانی کزین در نگفتم دروغ

تمہارے لئے آگ موزون ہے | تم سمجھ سکتے ہو کہ مین نے جھوٹ نہین کہا

پرستیدن مہر دو راہ بدست | چو مارا ہمہ آرزو ایزد است

آگ اور بت دونون کا پوجنا برا ہے | کیونکہ ہمارا اصلی معبود خدا ہے،

کیخسرو جب توران فتح کرکے آیا ہے تو شکر ادا کرنے کے لئے آتشکدہ مین گیا ہے فردوسی اس واقعہ کو بہ تفصیل لکھکر لکھتا ہے،

بہ یک ہفتہ بر پیش یزدان بدند | مپندار کاتش پرستان بدند

ایک ہفتہ تک خدا کے سامنے حاضر رہے | یہ نہ سمجھنا کہ وہ آتش پرست تھے

کہ آتش بدان گاہ محراب بود | پرستندہ را دیدہ پر آب بود

بلکہ آگ اس زمانہ مین قبلہ تھی | عبادت کرنے والے کی آنکھین نم ہوتی تہین؛

(۴) مذہبی تعصب اور مذہبی جبر ناجائز ہے نوشیروان کو ایک شخص نے لکھا کہ آپکے ملک مین یہودی اور عیسائی بھی آباد ہین یہ آپ کے دشمن ہین، اور ان کا مذہب شیطانی مذہب ہے،

جہودان و ترسا ترا دشمنند | دورویند و بدکیش اہرمن اند

نوشیروان نے جواب دیا کہ "جب تک ملک مین تمام مذاہب کے لوگ آباد نہون بادشاہی مین عظمت نہین پیدا ہو سکتی" نوشیروان نے ایک اور شخص کی عرضی کے جواب مین لکھا کہ ہر شخص مذہبی خیالات مین آزاد ہے، اپنی رائے قائم کرنی چاہئے،

یکے بت پرست و دگر پاک دین | یکے گفت نفرین بر از آفرین
زگفتار، دیران نگرد و جهان | بگوے آنچہ رایت بود در نہان

(۵) خدا زمان و مکان سے پاک ہے، وہ کسی حاسہ سے محسوس نہیں ہو سکتا، کسی کی عقل میں نہیں آسکتا، تنزیہ کے خلاف کہیں کچھ شبہہ پیدا ہوتا ہے تو فردوسی تصریح کے ساتھ رد کرتا ہے سکندر جب کعبہ کی زیارت کو گیا ہے تو چونکہ کعبہ کا عام لقب خانہ خدا ہے اسلئے فردوسی کو یہ کہنا پڑا،

ازان جائے با گنج و دیہیم رفت | بہ دیدار خانہ براہیم رفت
وہاں سے تاج و خزانہ کے ساتھ | کعبہ کی زیارت کے لئے گیا

خداوند خواند لیش بیت الحرام | بد و شد ترا راہ یزدان تمام
اس کا لقب بیت الحرام تھا، | اس سے خدا کا راستہ ملتا ہے

زپاکی ورا خانہ خویش خواند | نیایش کنان را بد وپیش خواند
خدا نے تقدس کے لحاظ سے کعبہ کو اپنا گھر کہا

خدا ے جہان را نیاید نیاز | بجائے خورد کام و آرام و ناز
خدا کو مکان، اور کہانے پینے اور آرام کی حاجت نہیں ہو سکتی،

(۶) اثبات باری کے متعلق فردوسی نے متعدد دلائل قائم کئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) ہر چیز خدا کے وجود پر شہادت دیتی ہے ع بے مور بر ہستی او گواست

یہ وہ استدلال ہی جسکو فلسفہ کی اصطلاح مین آثار ات سے موثر پر استدلال کرنا کہتے ہین

(۲) عالم مین جسقدر چیزین موجود ہین کوئی خود مختار اور حاکم مطلق نظر نہین آتی ایک چیز جو دوسرے پر حکمران ہی خود کسی اور چیز کی محکوم ہے کوئی شی ذی روح ہو یا غیر ذی روح آزاد محض اور خود مختار مطلق نظر نہین آتی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی اور وجود ہے جو اس تمام سلسلۂ کائنات کا موجد اور فرمانروائے عام ہے اور یہی خدا ہے اس استدلال کو فردوسی نے ان مختصر لفظون مین ادا کیا ہی۔

جہان پر شگفت است اگر بنگری   ندارد کسے آلت داوری،

(۳) بااینہمہ فردوسی کا یہ فلسفہ ہے کہ خدا کے متعلق اس امر کے سوا کچھ نہین معلوم ہوسکتا کہ "ہے" اور "یکتا ہے" اس سے زیادہ اسکی ذات وصفات کے متعلق جو کچھ کہا جائے سب قیاسات ہین کیونکہ اسکی ذات وصفات فہم انسانی سے بالاتر ہین، ان مباحث مین وہ فلسفیون کا ساتھ دینا نہین چاہتا۔ اور خود فلسفہ دانون کو مخاطب کرکے کہتا ہے،

ایا[۱] فلسفہ دان بسیار گوے   نپویم براہے کہ گوئی بپوے

اے بکواسی فلسفہ دان،   مین اُس راہ پر نہ چلونگا جسپر تو چلنے کو کہتا ہے

فردوسی کہتا ہے کہ جو کچھ ہمارے دل مین اور خیال مین آسکتا ہی یا جو کچھ ہم دیکھ سکتے ہین، خدا وہ نہین ہے،

ترا ہرچہ بر چشم بر بگذرد   بگنجد ہمی در دلت یا خرد

جو کچھ تم دیکھتے ہو،   یا جو کچھ تمہارے دلمین آتا ہے

[۱] یہ اشعار اس موقع کے ہین جہان اس نے اکوان دیو کی تمہید شروع کی ہے،

چنان دان کہ یزدان نیکی دہش　　　جز آن است وزین بر گردان نشش

یہ جان لو کہ خدا وہ نہین ہے بلکہ اسکے سوا ہے،

بلاغت ہمارے اہل ادب عموماً **بلاغت** کا لحاظ، انفرادی حیثیت سے کرتے ہین مثلاً ایک خاص شعر یا خاص مضمون مین کیا بلاغت ہے، لیکن کسی کتاب کی نسبت یہ کبھی بحث نہین ہوگی کہ اجزا کے تناسب کے لحاظ سے اسمین بلاغت ہے یا نہین؟ گلستان کی نسبت عام اتفاق ہے کہ اسکا حرف حرف بلیغ ہے، لیکن اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ اسکا اصلی موضوع **اخلاق** ہے تو پانچوان باب جسمین بیہودہ عشقیہ حکایتین ہین اس موضوع کے بالکل مخالف ہے اس بنا پر گو گلستان کی ایک ایک سطر فی نفسہ بلیغ ہو لیکن تناسب کے لحاظ سے پوری کتاب کو بلیغ نہین کہہ سکتے،

شاہنامہ ایک وسیع نظم ہے، اس مین سیکڑون داستانین، سیکڑون عنوان سیکڑون گوناگون واقعات اور حالات ہین تاہم یہ کمال بلاغت ہے کہ شروع سے آخر تک تناسب اور ایتلاف مین ذرہ بھر فرق نہین آنے پایا، وہ ایک **رزمیہ نظم** ہے، ایک **قومی نظم** ہے، ایک **تاریخی نظم** ہے، ایک **شاعرانہ نظم** ہے، ان سب حیثیتون کے لحاظ سے بلاغت کے جدا جدا فرائض اس طرح ادا کیے ہین کہ ہر حیثیت کا فرض الگ الگ ادا ہوا اور پھر باہم کسی قسم کا عدم تناسب پیدا ہونے نہین پاتا، رزمیہ حیثیت اسکا عنصر غالب ہے، اس بنا پر تمام کتاب کا ٹون (لہجہ) رزمیہ ہے، الفاظ مین عموماً شان و شوکت اور زور و ہیبت پائی جاتی ہے، تاریخی واقعیت یا دلچسپی پیدا ہونے کے لئے بیچ بیچ مین عشقیہ داستانین بھی آجاتی ہین (مثلاً منیژہ و بیژن، رودابہ و زال، سہراب و ماہ آفرید)

لیکن یہ انتہا کی نکتہ سنجی اور بلاغت ہی کہ عشق و عاشقی مین بھی رزمیہ لہجہ نہین بدلتا اور باایہمہ ناموزونی نہین پیدا ہوتی، **زال** نے اپنی معشوقہ کو خلوت مین تنہا پاکر دست ہوس دراز نہین کیا تو اس واقعہ کو یون ادا کیا ہے، ع

نگر شیر کو گور را نشکرید

شیر کو دیکھو کہ اسنے گورخر کو قابو مین پاکر شکار نہین کیا

سہراب ماہ آفرید پر عاشق ہوجاتا ہے تو ہومان اس سے کہتا ہے،

زیب پری پیکران جوان	نخواہد کسے کو بود پہلوان
پہلوان لوگ، پری پیکرون کا زیب نہین کہاتے،	
تو ئی مرد میدان این سروران	چہ کارت بہ عشق پری پیکران
تو لڑائی کا آدمی ہے	تجکو عشق سے کیا کام،

زال اور رودابہ کے عشق کا قصہ فردوسی نے اس قدر پھیلا کر لکھا ہی کہ ایک عشقیہ مثنوی بنگئی، عشق اور محبت کی جسقدر واردا تین ہین سب پیش آئی ہین لیکن اب بھی نظر آتا ہے کہ عاشق اور معشوق دونون رزم کی گود مین پلے ہین، ان کے ناز و نیاز مین بھی دلیرانہ شان ہے، معشوقانہ ادائین بھی جنگی پہلو سے خالی نہین **زال** نے جب رودابہ کے بالاخانہ پر چڑھنا چاہا ہے تو رودابہ نے اپنی چوٹی لٹکادی اور کہا کہ "اسکے سہارے چڑھ آؤ، مین نے یہ تار آج ہی کے دن کے لئے پالے تھے کہ دوست کے کام آئین"

بدان پروراندم این تار را	کہ تا دستگیری کند یار را

چوٹی لہلکر زمین تک لٹک آتی ہے زال اس جوش اور محبت سے چومتا ہے کہ چومنے کی آواز معشوق کے کانون تک پونہچتی ہے،

بسائید مشکین کمندش ببوس | کہ بشنید آواز بوسش عروس

زلف کو تشبیہاً سب کمند کہتے آے ہین، لیکن یہ شاہنامہ کے معشوق کا کام تھا کہ اُس کو واقعی کمند بنا دے۔ ان تمام موقعون پر جو الفاظ آے ہین ان مین عشقیہ انداز کے ساتھ رزمیہ شان بھی قائم ہے مثلاً رودابہ کی زلف کی تعریف یہ ہے۔

کمندے کشاد او ز سر و بلند | کس از مشک زان سان نپیچد کمند

خم اندر خم و مار بر مار بر | بر آن غبغبش تار بر تار بر

رودابہ، زال کا خیر مقدم ان الفاظ مین کرتی ہے،

دو بیجادہ بگشاد و آواز داد | کہ شاد آمدی اے جوان مرد شاد

پیادہ بدینسان ز پردے سراے | برنجیدت این خسروانی دو پاے

قومی خصوصیت کا لحاظ سرتاپا شاہنامہ پایا جاتا ہے، وہ گویا قومی رجز ہے جو ایرانیون کے دل مین یہ جذبات پیدا کرتا ہے کہ وہ تمام دنیا کی قومون سے بالاتر ہین۔ بیرونی حملہ آورون نے ہمیشہ ان سے شکست کھائی، عرب، ہندوستان۔ حبش، بربر، روم، سب نے اس کو خراج دیے، توران اسکا حریف مقابل تھا لیکن ہمیشہ ناکام رہا، افراسیاب مارا گیا۔ ارجاسپ نے شکست کھائی، سکندر نے فتح پائی تو وہ ایک فوری اور اتفاقیہ بات تھی، رستم تمام دنیا سے بالاتر تھا، تاہم اسفندیار کے مقابلہ مین

رد دیا اور سیمرغ کی اعانت لینی پڑی، رستم فردوسی کا ہیرو ہے اور واقعی فردوسی کو اس کے نام سے محبت ہے، لیکن فردوسی قومی فرض کے مقابلہ مین اپنے جذبات سے بھی دست بردار ہو جاتا ہے، چونکہ تاریخی حیثیت مین یہ بحث تفصیل سے گذر چکی اس، لئے اس موقع پر اسکے پھیلانے کی ضرورت نہین،

تخیل | **شاہنامہ** مین سرتاپا واقعات ہین، اس بنا پر بظاہر اسمین تخیل نہین، لیکن اگر شاعر کا صرف اسقدر کام ہو کہ اس کے سامنے جو واقعہ موجود ہے بعینہ اسکی تصویر کھینچدے تو یہ صرف واقعہ نگاری اور مصوری ہے لیکن اکثر موقعون پر شاعر کو اس سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے، واقعہ محض اجمالی، سادہ اور بے کیف ہوتا ہے، شاعر اس کا ایک عام خاکہ قائم کرتا ہے، جا بجا اس مین رنگ آمیزی کرتا ہے، بعض واقعات کو دھندلا رکھتا ہے، بعض کو اُجاگر کرتا ہے، موقع بموقع جذبات کا رنگ چڑھاتا ہے، یہ سب کام **تخیل** سے متعلق ہین اور اس بنا پر شاہنامہ تمامتر تخیل ہے،

خاص تخیل جسمین محض خیالی باتین یا خیالی استعارے اور تشبیہین ہوتی ہین، فردوسی کے زمانہ تک پیدا نہین ہوئی تھی، کیونکہ شاعری کی تدریجی رفتار مین یہ اسکا زمانہ نہین ہے، تاہم یہ حیرت انگیز بات ہے کہ فردوسی نے خالص تخیل کا بھی عمدہ تر نمونہ قائم کر دیا ہے جو آئندہ شعرا کے لئے دلیل راہ ہو، بیژن کی داستان کی تمہید اس طرح لکھی ہے،

"اندھیری رات نے اپنا منھ قیر[1] سے دھویا، ستارے بالکل نظر نہین آتے،

---

[1] ایک سیاہ روغن ہوتا ہے۔

ماہ نو نئے انداز سے آراستہ ہوا، اُس کے تاج کے زیادہ حصے لاجوردی ہو گئے، گرد نے ہوا کو زنگار بنا دیا، تاریک رات نے تمام صحرا اور جنگل مین سیاہ فرش بچھا دیا، ہر طرف بھوت پریت، سانپ کی طرح منھ کھولے نظر آتے ہین جب ہوا کا کوئی جھونکا آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انگیٹھی سے گرد اڑ رہی ہے، اہرمن قیر کی موجین اُٹھتی نظر آتی ہین، آسمان چلنے سے تھم گیا، سورج کے ہاتھ پاؤن سست پڑ گئے، زمین قیر گون چادر اوڑھ کر سو رہی، چار پائے اور مرغ بالکل چپ ہین، زمانہ بری بھلی کسی قسم کی بات کے لئے لب نہین کھولتا"

اشعار یہ ہین۔

شبے چون شبہ روے اشستہ بہ قیر — نہ بہرام پیدا، نہ کیوان، نہ تیر

دگر گونہ آرایشے کرد ماہ — بسیچ گذر کرد بر پیش گاہ

ز تاجش سہ بہرہ شدہ لاجورد — سپردہ ہوا را بزنگار گرد

سپاہ شب تیرہ بر دشت و راغ — یکے فرش افگندہ چون پر زاغ

نمودم ز ہر سو بچشم، اہرمن — چو مار سیہ باز کردہ دہن

ہر آنگہ کہ برزد یکے باد سرد — چو زنگی بر انگیخت ز انگشت گرد

چنان گشت باغ و لب جوئبار — کجا موج خیزد ز دریاے قار

فرو ماند گردون، گردان بہ جاے — شدہ سست خورشید را دست و پاے

زمین زیر آن چادر قیر گون، — تو گفتی شدستے بہ خواب اندرون

نہ آواز مرغ و نہ ہراے دد — زمانہ زبان بستہ از نیک و بد

جذبات اور احساسات

فارسی شاعری پر یہ عام اعتراض ہے کہ اسنے جذبات اور احساسات کے وسیع عالم مین سے صرف عشق و محبت کا ایک جذبہ لیا ہے اور اسی کے گوناگون عالم دکھائے ہین محبت کا دائرہ بھی نہایت محدود ہے، یعنی عشق و عاشقی سے آگے نہین بڑھتا، باپ بیٹے کی محبت، بھائی بھائی کی محبت، میان بیوی کی محبت، دوست دوست کی محبت ان جذبات کو فارسی شاعری مین ڈھونڈھنا چاہین تو مل نہین سکتے۔

یہ اعتراض ایک حدتک صحیح ہے، لیکن **فردوسی** اس نکتہ چینی سے بری ہی، اس نے ہر قسم کے جذبات اور احساسات کو نہایت مؤثر طریقہ سے ادا کیا ہے، احباب کی محبت، بچون کا پیار، میان بیوی کی گرم جوشیان، والدین کی اطاعت، انتقام کا جوش، غرور کی شان، عاجزی کا انداز، **فردوسی** نے ان احساسات کی نہایت کامل تصویر کھینچی ہے، ہم چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین،

(۱) **سیاوش** اپنے باپ کیکاؤس کی سردمہریون سے عاجزآکر افراسیاب کے پاس چلا گیا تھا، **افراسیاب** نے خاطر تواضع کی اور اپنی بیٹی فرنگیش سے شادی کردی، لیکن بالآخر دراندازون کے بہکانے سے ناراض ہوگیا، اور قتل کا حکم دیا، فرنگیش کو خبر ہوئی۔ وہ چیختی چلاتی اور سر پر خاک اڑاتی، اپنے باپ کے پاس گئی اور کہا کہ سیاوش نے آپکے لئے اپنا خاندان اور تاج و تخت چھوڑا، آپکے سایہ مین آیا، اسکے خون سے ہاتھ نہ بھرے بادشاہون کو قتل نہین کیا کرتے،

سیاوش کہ بگذاشت ایران زمین ہمی بر تو کرد از جہان آفرین،

سیاوش نے جب ایران چھوڑا	تو تیری ہی مداحی کرتا آیا۔

بیازرد از بہر تو شاہ را	بماند افسر و گنج و ہم گاہ را

تیرے لئے اس نے بادشاہ کو رنجیدہ کیا	اور تخت و تاج چھوڑا ،

سر تاجداران نہ بُرّد کسے	کہ با تاج بر تخت ماند بسے

بادشاہ کو کوئی قتل نہیں کرتا،

یہ کہکر سیاوش کی طرف مخاطب ہوئی اور کہا۔

بگفت این و روے سیاوش بدید	دو رُخ را بکند و فغان بر کشید

یہ کہکر سیاوش کے چہرہ کی طرف دیکھا	گال نوچے اور چلاکر روئی ،

کہ شاہا! دلیرا! گوا! سرورا!	سرافراز! اشیرا! دکندا ورا!

کہ اے بادشاہ! اے پہلوان! اے سردار!	اے سربلند! اے شیر !

کنون دست بستہ پیادہ کشان	کجا افسر و گاہِ گردن کشان

تیرے ہاتھ باندھکر تجکو گھسیٹے لئے جارہے ہیں ، وہ تاج اور تخت کہاں ہے؟

کجا گیو؟ و طوس ؟ کجا پیلتن	فرامرز و دستان و آن انجمن ،

کجا شاہ کاؤس و گردن کشان	کہ بینید این دم ترا زین نشان

آج شہنشاہ کاؤس کہاں ہے کہ تجکو اس حالت مین دیکھتا

اختلافِ حالات سے جذبات کی حالتین بدل جاتی ہین، شاعر کا کمال یہ ہے،
کہ اس اختلاف نے جو خصوصیتین پیدا کر دی ہین وہ بھی ہر جگہ ملحوظ رکھی جائین فردوسی نے

ہر موقع پر اس نازک نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، مثلاً سکندر جب مرا تو اسکی حرم روشنک اس کی لاش پر نوحہ کرتی آئی، سکندر بہت بڑا فاتح اور بہت بڑا کشورستان تھا روشنک دارا کی بیٹی تھی جسکو سکندر نے شکست دی تھی، ان خاص حالات کے لحاظ سے روشنک کے جذبات کیا ہونگے؟ فردوسی نے اس کو دیکھو کیونکر ادا کیا ہے، روشنک سکندر کی لاش کے پاس کھڑی ہو کر روتی ہے اور کہتی ہے،

"اے شہنشاہ! تو نے سیکڑوں بادشاہتیں تباہ اور برباد کردین فور خاقان چین کو تو نے مٹا دیا، تو جسطرح عالم کو برباد کر رہا تھا اس سے مجھکو یہ خیال ہوا تھا کہ تو خود موت کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہے اور موت نے تجھکو سند لکھدی ہے گو اس راز کو چھپاتا ہے، لیکن جب تو نے سب کو مٹا دیا تو خود بھی تاج شاہی سر سے پھینکدیا جب تیری کوششوں کے بار ور ہونے کے دن آئے تو تو خاک میں مل گیا"

زبس رزم و پیکار و خون ریختن | چہ تنہا چہ بالشکر آویختن
زمانہ ترا داد گفتم جواز | ہمی داری از مردم خویش راز
چو کردی جہان از بزرگان تہی | بیفگندا ختی تاج شاہنشہی
درختے کہ کشتی چو آمد ببار | ہمی خاک بینم ترا غمگسار

روشنک کو اپنے کشورستان شوہر کے مرنے کا صدمہ ہے، ساتھ ہی اپنے باپ کے قتل کا بھی خیال ہے اور دو مختلف اور متضاد جذبات جمع ہو جاتے ہیں فردوسی دونوں کو اسطرح ساتھ ساتھ ادا کرتا ہے کہ دونوں کی خصوصیتوں کا رنگ جھلکتا ہے،

رستم کو جب اسفندیار نے زخمی کیا ہے اور اس کے جینے کی امید باقی نہین رہی تو وہ گھر مین آیا ہے، باپ، مان، بھائی، سب اسکی حالت کو دیکھکر بے اختیار رو دیتے مین لیکن باپ، مان، بھائی، سب کی محبت یکسان نہین ہوتی، باپ کو بیٹے سے جو محبت ہوتی ہے بھائی کو بھائی سے نہین ہوسکتی، مان کی محبت اس سے بھی بڑھکر ہے اس فرق مراتب کا اثر دیکھو، زوارہ (رستم کا بھائی) روتا ہوا آیا اور رستم کے ہتھیار اُتارے، زال (رستم کا باپ) بال نوچتا تھا اور رستم کے زخمون پر منھ رکھدیتا تھا، لیکن رودابہ، رستم کی آنکھ بچاکر روتی تھی،

چو رستم بہ ایوان شد اندر زمان　　　براو سر بسر گرد شد دودمان

جب رستم گھر مین گیا تو سارا خاندان اس کے پاس سمٹ آیا،

بیامد زوارہ کشادہ میان　　　از و گبر بکشاد و ببر بیان

زوارہ نے آکر اس کا کمربند کھولا، اور زرہ اُتاری،

جهان دیدہ دستان ہمی کند موے　　　بران خستگیہا بمالید روے

زال، اپنے بال نوچتا تھا اور زخمون پر منھ ملتا تھا،

ز سر برہمی کند رودابہ موے　　　نہانی ازیشان ہمی خست روے

رودابہ رستم سے چھپکر اپنے بال، اور منھ نوچتی تھی،

مان کی محبت دیکھو، دل قابو مین نہین لیکن اس حالت مین بھی یہ خیال ہے کہ بیٹے کے سامنے روٗن گی تو اسکا دل چھوٹا ہوگا، اسلئے چھپکر روتی ہے،

فردوسی نے ایک اور موقع پر رودابہ کا روتا لکھا ہے یعنی جب اس کے

پوتے سہراب کی لاش گھر مین آئی ہے، لیکن چونکہ سہراب مرچکا ہے اس لئے اس خیال کا اثر نہین، اس بنا پر جی کھولکر سب کے سامنے روتی ہے،

چو رودابہ تابوت سہراب دید ۔۔۔ ز چشمش روان جوے خوناب دید
بہ زاری ہمی مویہ آغاز کرد ۔۔۔ ہمی برکشید از جگر آہ سرد
ہمی گفت زار اے گو سرفراز ۔۔۔ زمانے ز صندوق سر بر فراز
نگوئی چہ آمدت پیشش از پدر ۔۔۔ چرا بر دریدت بدینسان جگر

اس موقع پر سہراب کی ماں کا نوحہ پڑھو جو پہلے حصے مین ہم نقل کرآئے ہین اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ دادی اور ماں کی محبت یکسان نہین ہوتی،

(۲) رستم جب شغاد کے فریب سے کنوئین مین گر کر مرگیا ہے اور زال کو خبر پہونچی ہے تو اسنے کپڑے پھاڑ ڈالے، سر پر خاک اڑاتا تھا اور کہتا تھا،

"ہائے یہ واقعہ بھی کسی نے سنا ہے کہ ایک شیر لومڑی کے ہاتھ سے تباہ ہو جائے، او پہلوان! او شیر! او کشورستان! او شیر افگن! اب مین زندہ رہکر کیا کرونگا، اب یہ خاندان مٹ چکا، مین تیرا انتقام کس سے لون؟ کل دنیا تیرے خون کا عوض نہین ہو سکتی۔ جبتک تو تھا تو نے دنیا کو سنبھال رکھا تھا، اب کس پر چھوڑے جاتا ہے؟"

کہ دارد بہ یاد اینچنین روزگار ۔۔۔ کہ یار د شنید این ز آموزگار
کہ شیرے چو رستم بدین تیرہ خاک ۔۔۔ ز گفتار روباہ گردد ہلاک

گوا! شیر گیرا! یلا! ہترا! | دلاور! جہانگیر! کندآورا!

کنون من اگر کوہ دہامون کنم | دگر آب جیحون پر از خون کنم

مرا این کینہ را از کہ خواہم باکنون | کہ بینم بنرز د جہانے بہ خون،

جہان تا تو بودی نگہ داشتی | چو رفتی کنون بر کہ بگذاشتی

رستم نے سہراب کے مرنے پر نوحہ کیا ہے۔ سہراب جس رتبہ کا بہادر اور پہلوان تھا اور جس عبرت انگیز طریقہ سے مارا گیا اس کے لحاظ سے اس کا نوحہ بھی نہایت پر اثر ہونا چاہئے تھا، لیکن چونکہ حالات ایسے ہین جن سے اس بدگمانی کا موقع ملتا ہے کہ رستم نے جان کر سہراب کے پہچاننے سے اغماض کیا تھا اس لئے رستم کے نوحہ مین وہ تاثیر نہین، ملاحظہ ہو،

ہمی گفت زار اے نبردہ جوان | سرافراز و از تخمۂ پہلوان

رستم کہتا تھا کہ اے خاندانی پہلوان، ہاے،

کرا آمد این پیش کامد مرا | کہ فرزند کشتم بہ پیران سرا

کسی نے یہ بھی کیا ہوگا جو مین نے کیا | کہ بڑھاپے مین اپنے فرزند کو مار ڈالا

بُریدن دو دستم سزاوار ہست | جز از خاک تیرہ مبادم نشست

میرے دونون ہاتھ کاٹ ڈالنے چاہئین | میرے لئے صرف خاک سزاوار ہے

چو من نیست در گرد گیہان یکے | بہ مردی بدم پیش او کودکے

دنیا مین میرا ثانی نہین | لیکن مین اسکے آگے بچہ تھا،

چہ گویم؟ چو آگہ شود مادرش	چگونہ فرستم کسے را برش

جب اسکی ماں کو خبر ہوگی تو میں کیا کہونگا، کسی کو اس کے ہاں کیوں کر بھیجوں؟

چہ گویم چرا کشتمش بیگناہ؟	چرا روز کردم بر دبر سیاہ

میں کیا جواب دونگا کہ میں نے اس کو بیگناہ کیوں قتل کیا،

کدامین پدر، این چنین کار کرد	سزاوارم اکنون بہ گفتار سرد
کس باپ نے ایسا کام کیا	میں لعنت کے قابل ہوں
کہ دانست کین کودکے ارجمند	بدین سال گردد چو سرو بلند
یہ کسکو خبر تھی کہ یہ ہونہار لڑکا	اتنے ہی دنوں میں اتنا بڑا ہو جائیگا
بہ جنگ آیدش رائے و سازد سپاہ	بہ من بر کند روز روشن سیاہ
کہ لڑائی کی تیاریاں کرے گا	اور مجھکو تباہ کردے گا

فردوسی رستم کی زبان سے اس سے بڑھکر اور کیا کہہ سکتا تھا لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ یہ سب باتیں تصنع معلوم ہوتی ہیں، سہراب نے بار بار کہا کہ مجھکو آپ سے بوئے محبت آتی ہے، آپ رستم تو نہیں؟ لیکن خود غرض رستم نے نام نہ بتایا اور اسکو گوارا نہوسکا کہ دنیا میں اسکے مقابل کا کوئی شخص موجود ہو،

ہرمز کو جب درباریوں نے اندھا کر دیا تو خسرو اس کا بیٹا اس کے پاس گیا ہے، باپ کو اندھا دیکھکر اس پر جو حالت گذری ہے فردوسی اس کو اس طرح ادا کرتا ہے،

چو روئے پدر دید خسرو بہ درد | برآورد از دل یکے باد سرد
خسرو نے جب باپ کا چہرہ دیکھا | تو ایک ٹھنڈی سانس بھری

ببوسید چشم و سر و پائے او | دلش پر ز خون بود پر آب رو
اسکی آنکھیں اور سر اور پاؤن چومے | اسکا دل خون سے اور چہرہ آنسوؤن سے بھرا ہوا تھا

گرایدون کہ فرمان دہی بر درت | یکے بندہ ام پاسبان بر سرت
آپ فرمائین تو مین آپ کے | آستانہ کا ایک غلام ہون

نجویم کلاہ و نخواہم سپاہ | ببُرم سر خویش در پیش گاہ
مین تاج و تخت نہین چاہتا | کہئے تو سر کاٹ کر سامنے رکھدون

کیخسرو نے جب توران کی طرف فوجین روانہ کین تو سردار لشکر طوس کو تاکید کر دی تھی کہ راہ مین میرا بھائی فرود ایک پہاڑ پر رہتا ہے اُدھر سے نہ جانا، توران جانے کے دو راستے تھے، ایک مین فرود کا پہاڑ آتا تھا اس لئے کیخسرو نے کہا کہ دوسری راہ سے جانا، لیکن طوس اپنے آرام کے لحاظ سے اسی طرف سے گیا فرود بھولا بھالا نوجوان بہادر تھا، اور سب سے الگ تھلگ پہاڑ پر قلعہ بنا کر رہتا تھا طوس نے خواہ مخواہ اس سے چھیڑ کی، وہ بھی کیانی شاہزادہ تھا، لڑ پڑا، دو چار کو مارا اور مر گیا، یہ خبر کیخسرو کو پہنچی، بھائی کے صدمہ سے بیتاب ہو گیا اور اپنے چچا فریبرز کو اس مضمون کا خط لکھا کر طوس کو واپس بھیجدو، اس خط مین بھائی کے مارے جانے کا واقعہ جس درد سے لکھا ہے اُس سے بھائی کے خون کی بو آتی ہے، خط کا مضمون یہ تھا،

"مین نے طوس کو توران کے فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا لیکن راہ مین بھائی مارا گیا، مین نے طوس سے کہدیا تھا کہ راہ مین فرود کا قلعہ آتا ہے، اُدھر سے نہ جانا، وہ کیانی شاہزادہ ہے، قلعہ سے نکل آئے گا کسی کی بات کی تاب نہ لائیگا اور جان دیدے گا، آہ! ایسا شاہزادہ طوس کے ہاتھ سے برباد ہوگیا، مین باپ کے صدمہ سے نہین سنبھلا تھا کہ بھائی کا صدمہ اُٹھانا پڑا، آہ! وہ بہادر جوان، وہ پہلوانونکا بادشاہ، وہ سرداردن کا سردار، اب کہان ہاتھ آسکتا ہے"!

ز کار پدر زار گسریان بدم
پر از درد یک چند بریان بدم

کنون بر برادر ببایدگریست
ندانم مرا دشمن و دوست کیست

کہ آنجا فرود است و با مادرست
گو گے نژاد است کند آورست

کہ وہاں فرود مع اپنی مان کے ہے
وہ کیانی شاہزادہ اور بہادر ہے

نداند کہ این لشکر از بن کہ اند؟
از ایران سپاہ اند با خود چہ اند

وہ نہین جانتا کہ یہ کون لشکر ہے؟
ایرانی ہے یا اور کوئی فوج ہے

برون آید و در نبرد سازد ہمی
بہ جنگ اندرون سر بیازد ہمی

وہ باہر نکل آئے گا دبے گا نہین
اور جان دے دیگا

دریغ آن چنان گرد خسرو نژاد
کہ طوس فرومایہ دادش بباد

آہ، وہ شاہزادہ، پہلوان
نالائق طوس نے اسکو ہلاک کردیا

طوس جب کیخسرو کے دربار مین حاضر ہوا ہے تو جن لفظون مین اس نے اس کو

ملامت کی ہے، وہ برادرانہ جوش و محبت کا ایک پر اثر منظر ہے، وہ طوس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے،

"مین نے کیانی تاج و نشان دیکر بھیجا تھا اور کہدیا تھا کہ جہرم کی راہ سے نہ جانا، تو نے پہلے میرے ہی اوپر وار کیا، تو نے سیاوش کی نسل مٹا دی، آہ! وہ عالی رتبہ جنگجو بھائی! جبکا زمانہ مین جواب نہ تھا تو نے ایسے شخص کو مٹا دیا کہ تجھ جیسے ہزارون اُس پر سے قربان کر دینے کے قابل ہین، او بد نسل! تیرا نشان دنیا سے مٹ جائے، تجھکو خدا کا کچھ ڈر نہین، تجھکو بہادرون سے کچھ شرم نہین"

کیخسرو نہایت حلیم، نہایت متین، نہایت باوقار بادشاہ تھا، لیکن بھائی کے خون کا یہ اثر ہے کہ بے اختیار اس قسم کے الفاظ اُسکی زبان سے نکلتے ہین فردوسی اس واقعہ کو ان الفاظ سے ادا کرتا ہے، ع

بہ دشنام بکشاد لب شہریار

"گالی دینا سلاطین کا شیوہ نہین لیکن فردوسی جانتا ہے کہ کیخسرو اس وقت کیخسرو نہین،

فخر و غرور غیظ و غضب کے جذبات سے شاہنامہ بھرا پڑا ہے،

سہراب کے مقابلہ کے لئے جب کیکاؤس نے رستم کو زابل سے طلب کیا ہے تو آنے مین اسکو دو چار دن کی دیر ہوگئی، کیکاؤس نہایت مشتعل مزاج تھا، اتنی بات پر اس قدر برہم ہوا کہ طوس کو حکم دیا کہ رستم کو دار پر چڑھا دے، رستم وہ شخص تھا کہ

ایران کی سلطنت اس کے دست و بازو پر قائم تھی، بارہا اس نے کیکاؤس کو موت کے پنجہ سے چھڑایا تھا، ایک ایسے یکتائے عالم پر اس قسم کے حکم کا جو اثر ہو سکتا تھا تم خود اس کا اندازہ کر سکتے ہو، رستم غیظ و غضب سے بیتاب ہو جاتا ہے اور کہتا ہے،

چو خشم آورم شاہ کاؤس کیست | چرا دست یازد بہ من طوس کیست
جب مجھکو غصہ آئے تو کاؤس کیا چیز ہے؟ | طوس میرے اوپر کیا ہاتھ بڑھا سکتا ہے، ہوتا کون ہے؟
چرا دارم از خشم کاؤس باک | چہ کاؤس پیشم چہ یک مشت خاک
مجھکو کاؤس کے غصہ کی کیا پروا ہے؟ | میرے سامنے کاؤس اور ایک مٹھی خاک دونوں برابر ہیں

گشتاسپ نے اسفندیار کو حکم دیا کہ رستم کے ہاتھ باندھکر لائے، اسفندیار نے زابل پہونچکر رستم سے یہ استدعا کی، رستم نے کہا،

کہ گفتت برو، دست رستم بہ بند | نہ بندد مرا دست چرخ بلند
تجھ سے یہ کس نے کہدیا کہ رستم کے ہاتھ باندھ لا | میرے ہاتھ آسمان بھی نہیں باندھ سکتا

اس شعر میں جس قدر زور اور جوش ہے ایک دفتر میں ادا نہیں ہو سکتا

۵۔ ایشیا کی نسبت عام شکایت ہے کہ یہاں ناموری کا جوش نہیں، ان ملکوں میں ہزاروں نامور گذرے لیکن کسی شاعر نے یہ نہیں لکھا کہ قوم نے اس کے کمال کی کیا قدر کی، اس کے مرنے کا ملک پر کیا اثر ہوا، لوگوں نے کیونکر اس کا ماتم کیا؟ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایشیا کی شاعری، ناموری کے جذبات کو برانگیختہ نہیں کر سکتی، لیکن فردوسی نے متعدد موقعوں پر موثر طریقہ سے اس کا اظہار کیا ہے، مثلاً رستم جب مرگیا اور اس کی

لاش لیکر چلے تو کابل سے لیکر زابلستان تک آدمیون کے ٹھٹ تھے، جنازہ ہاتھون پر آیا اور صرف دو دن اور ایک رات مین یہ مسافت طے ہوئی، تمام ملک ماتم کدہ تھا، لوگ بے اختیار روتے اور چلاتے تھے، مشک اور پھول لاش پر نثار کرتے تھے اور کہتے تھے

نگیری همی بادشاهی و رزم — نکوشی همی تیز هنگام رزم

تو اب بادشاہی اور لڑائی کیون نہین کرتا — میدان جنگ مین کیون نہین جاتا

نبخشی همی گنج و دینار نیز — همانا که پیشِ تو شد خوار چیز

خزانے اور زر و گوہر کیون نہین لٹاتا — کیا یہ سب چیزین تیرے نزدیک ہیچ ہوگئین

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کا عربی کلام صفحہ ۸۲ عہ

مولانا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث ۴۵۱ صفحے قیمت عہ

سیرۃ عائشہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال زندگی، قرون اولیٰ کی خانہ جنگیون کے اصلی اسباب اور ام المومنین کے فضائل ومناقب اور اون کے اجتہادات وکمالات پر مفصل تبصرہ ضخامت ۴۵۰ صفحے قیمت عہ

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ ڈکشنری، ۵

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۳

" دوسری ریڈر طبع دوم، ۴

رسالۂ اہل سنت والجماعت، فرقہ اہل سنت والجماعت کے اصولی عقاید کی تحقیق ۸

خلافت اور ہندوستان، خلفائے اسلام ومسلمانان ہند کے باہمی تعلقات کی تاریخ، آثار فرامین شاہی اور سکون کے ذریعہ تشریح وتفصیل، ۸

حیات امام مالکؒ، امام مالک کی سوانح عمری اور اونکی موطائے حدیث پر تبصرہ، عہ

بہادر خواتین اسلام، یعنی خواتین اسلام کی جنگی اور بہادرانہ اخلاقی خدمات، ۴

مولانا عبدالسلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابۂ کرام کے عقائد، عبادات اور اخلاق کے پر اثر واقعات مستند حوالوں سے جن کو پڑھکر آپ کو معلوم ہوگا کہ اون کی زندگی کتاب وسنت کا عملی نمونہ تھی، ضخامت ۳۵۰ صفحات قیمت، ہے

اسوۂ صحابہ جلد دوم، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام نے اسلام کی سیاسی، مذہبی اور علمی خدمات کس خلوص اور صداقت سے کین ضخامت، ۴۵۰ صفحات قیمت للعہ

مولوی عبدالباری ندوی

برکلے اور اوس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اوس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عا غیر مجلد عہ

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ مجلد ع

مذہب وعقلیات، اس مین ثابت کیا گیا ہے کہ مذہب اور عقل مین تصادم کا امکان ہی نہین، ۶

مولوی عبدالماجد بی اے

تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی مارل ہسٹری آف یورپ کا ترجمہ جسمین فلسفۂ اخلاق پر ضمنی مباحث کے علاوہ یورپ کی تدریجی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے جلد اول ؎ جلد دوم عہ

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاکس کا ترجمہ قسم اول عہ

ایضاً قسم دوم عہ

مولوی محمد یونس فرنگی محلّی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اُصول نفسیہ کا اُردو ترجمہ، یہ کتاب پنجاب اُردو آنرس کورس مین داخل کی گئی ہے، ۴۳۲ صفحے، عہ

متفرق کتابین

الاستدلال، اس مین علم منطق کے اُصول نہایت خوبی وعمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کیئے گئے ہین، ۲۰۱ صفحات، ؎

الانسان، اس مین انسان کے تمام قوا نفسانی وجسمانی اور خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے ۲۱۲ صفحات قیمت عہ

بیگمات بھوپال، مصور ومجلد ؎

گیارہ قصے، اخلاقی، معاشرتی، ومذہبی، ۸ر

نعت پیمبر، عربی، فارسی، اُردو کی چند نعتیہ نظمون کا مجموعہ قیمت ۸ر

رموز فطرت، طبعیات، طبقات، ارض ہیئت اور جرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت مین قیمت عہ

انسان، علم خواص الاعضا کے ابتدائی مسائل سلیس وعام فہم زبان مین قیمت ۸ر

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، قیمت عہ

تذکرۃ الحبیب، یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان، قیمت عہ

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفۂ جدید اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ، قیمت ۱۲ر

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع وترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارہ جمع قرآن کا جواب قسم اول ؎، قسم دوم ؎

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی اور فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ، قیمت ۱۰ر

حکمت عملی، قدیم وجدید فن اخلاق پر ایک پرمعلومات تصنیف، قیمت ؎

"مینجر"

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय
इलाहाबाद

वर्ग संख्या ....

पुस्तक संख्या ....

क्रम संख्या 1118

Date of Receipt